گنتیر کی سردیاں

خوان مانویل مارکوس

مترجم: شاہد انور

Meer Zaheer Abass Rustmani

گُنتیر کی سردیاں

خوان مانویل مارکوس

ترجمہ: شاہد انور

گنتیر کی سردیاں

خوان مانویل مارکوس

ترجمہ: شاہد انور

عرشیہ پبلی کیشنز، دہلی ۹۵

© خوان مانویل مارکوس

نام کتاب : گنتیر کی سردیاں

از : خوان مانویل مارکوس

مترجم : شاہد انور

تعاون : فیاض احمد

مطبع : کلاسک آرٹ پریس، دہلی

سرورق : اظہار احمد ندیم

ناشر : عرشیہ پبلی کیشنز، دہلی

Gunter Ki Sardiyaan
"El invierno de Gunter"
by: Dr Juan Manuel Marcos's
Translation **Shahid Anwar**
Ist Edition 2015 Price: Rs. **350/-**

ملنے کے پتے

- مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، اُردو بازار، جامع مسجد، دہلی ۔6
- کتب خانہ انجمن ترقی، جامع مسجد، دہلی 011-23276526
- راعی بک ڈپو، 734، اولڈ کٹرہ، الہ آباد۔ 09889742811
- ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ
- بک امپوریم، اُردو بازار، سبزی باغ، پٹنہ۔4
- کتاب دار، ممبئی۔ 022-23411854
- ہدیٰ بک ڈسٹری بیوٹرس، حیدرآباد
- مرزا ورلڈ بک، اورنگ آباد۔
- عثمانیہ بک ڈپو، کولکاتہ

arshia publications
A-170, Ground Floor-3, Surya Apartment, Dilshad Colony, Delhi - 110095 (INDIA)
Mob:9971775969,9899706640 Email: arshiapublicationspvt@gmail.com

نلنی تیواری کے نام

جو ہم تمام دوستوں کی ماں تھیں

Agradecimientos

Es para mí, de hecho, un gran honor presentar la novela de mi querido amigo el Dr. Juan Manuel Marcos, El invierno de Gunter, al urdu. Ya se ha publicado el año pasado en hindi. En realidad, el propio autor ha sido un espíritu que se mueve en el inicio de este proyecto de traducción desde el primer momento. También me da un inmenso placer y satisfacción en presentar uno de nuestros escritores paraguayos más vibrantes, Dr. Juan Manuel Marcos, a través de esta gran novela a la intelectualidad urdu. Al mismo tiempo, también me gustaría añadir que es la creación de la historia no sólo por la forma de ser traducido por primera vez al urdu, sino también por ser la primera obra de la literatura paraguaya de ser publicada de nuevo por la Sahitya Akademi.

Este proyecto tan largamente acariciado por la Embajada de Paraguay en la India, se inició en el marco de las actividades de promoción de la cultura paraguaya durante los festejos del Bicentenario de la Independencia Nacional de la República del Paraguay en esta parte del mundo el año de 2011. Su principal objetivo ha sido acercar a nuestros pueblos y culturas más cercanas entre sí, separados por una gran distancia geográfica.

También cabe señalar que la selección de la obra literaria del doctor Marcos no es en absoluto como una cuestión de coincidencia. Por el contrario, se trata de un reconocimiento internacional de su obra literaria, "El invierno de Gunter ", que anteriormente ha sido traducida y publicada en inglés, francés, ruso, portugués y muy recientemente en serbio. Hindi, la tercera mayor lengua hablada en el planeta, se convirtió en la sexta lengua a la que Gunter orgullo entró. Sería, sin duda, muy apropiado decir que el escritor es uno de los propagadores vociferantes más importantes del arte y cultura paraguaya no sólo en el género literario, sino también en todos los foros nacionales e internacionales.

Esta novela paraguaya también ha sido traducida y publicada en bengalí y

el marathi. Entre 60 y 70 millones de personas que hablan urdu: 52 millones en la India según el censo de 2001, y 13 millones en Pakistán en 2008. El urdu es el idioma nacional y la lengua franca de Pakistán, y el idioma oficial de los cinco estados de la India y uno de los 22 idiomas programados en la Constitución de la India. Y esa es precisamente la razón por la que pensamos traducir la novela leyenda del Dr. Marcos también al urdu. Por lo tanto, puedo decir con orgullo que es la creación de la historia por ser la primera novela paraguaya del conjunto de América Latina publicada en cuatro idiomas de la India en un periodo de menos de dos años.

Para la ejecución exitosa de este proyecto histórico, me gustaría expresar mi sincera gratitud a la Sahitya Akademi (Academia Nacional de Letras) de la India en general y al Sr. K. S. Rao, Secretario, y al Sr. Brajendra Tripathi, Secretario Adjunto, en particular. Me gustaría dejar constancia de que sin todo su apoyo creativo de corazón, no habría sido posible realizar esta gran obra literaria paraguaya ante la urdu intelectualidad.

Por último, pero no menos importante, mi agradecimiento también al Dr. Prabhati Nautiyal, un hispanista conocido y traductor literario, que no sólo lo tradujo al hindi, pero también nos ayudó a encontrar a un talentoso traductor de urdu, el Sr. Shahid Anwar, por la traducción de El invierno de Gunter al urdu. No sé urdu, pero me han dicho que el Sr. Anwar ha hecho realmente un gran trabajo en el menor tiempo posible. Estoy seguro de que ha utilizado su talento creativo en el enriquecimiento de la traducción urdu. Indudablemente marca un hito histórico y cultural y añade creativamente a las relaciones bilaterales entre Paraguay y la India.

Genaro Vicente Pappalardo

اعتراف

اردو کے قارئین کی خدمت میں ڈاکٹر خوان مانویل مارکوس کے ناول 'ایل انویرنو دے گنتیر' کا یہ ترجمہ پیش کرنا میرے لیے انتہائی اعزاز کی بات ہے۔ یہ ناول گزشتہ سال ہندی میں بھی شائع ہو چکا ہے۔

مصنف نے بذاتِ خود روزِ اوّل سے ہی ترجمہ کے اس پروجیکٹ میں غیر معمولی دلچسپی کا مظاہرہ کیا۔ یہ میرے لیے اطمینان قلب اور انتہائی سعادت کی بات ہے کہ پاراگوائی کے ایک قابلِ قدر ناول نگار کی شاہکار تصنیف سے اردو کے دانشوران کو متعارف کرانے کا موقع ملا۔ نہ صرف یہ کہ اس ناول کا ترجمہ اردو میں پہلی مرتبہ ہو رہا ہے بلکہ یہ پاراگوائین ادب کا اولین شہہ پارہ ہے جسے ساہتیہ اکادمی نے زیورِ طبع سے آراستہ کیا۔ اس لحاظ سے یہ ایک تاریخی قدم ہے۔

پاراگوائین سفارت خانے کے اس محبوب پروجیکٹ کا آغاز سنہ 2011 میں جمہوریہ پارگوائی کی قومی آزادی کی دوسو سالہ تقریبات کے دوران اس غرض سے ہوا کہ دنیا کے اس خطّے کو پاراگوائی کے ادب وثقافت سے روشناس کرایا جا سکے۔ اس پروجیکٹ کا بنیادی مقصد تھا جغرافیائی خلیج کو پاٹ کر مختلف عوام اور کلچر کو ایک دوسرے کے قریب لایا جائے۔

ڈاکٹر مارکوس کے اس ادبی کارنامے کا انتخاب محض ایک اتفاق نہیں بلکہ اس کے برعکس یہ ان کی تخلیقی خدمات کا بین الاقوامی اعتراف ہے۔ واضح رہے کہ یہ ناول انگریزی، فرانسیسی، روسی، پرتگالی اور سربیائی زبان میں شائع ہو چکا ہے۔ دنیا کی تیسری سب سے زیادہ بولی جانے والی زبان ہندی وہ چھٹی زبان ہے جس میں اس ناول کا ترجمہ ہوا۔ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ ڈاکٹر مارکوس علاقۂ ادب میں ہی نہیں بلکہ تمام قومی اور بین الاقوامی فورم پر پاراگوائین فن وثقافت کے ایک بے باک مبلّغ ہیں۔

چھ سے سات کروڑ افراد کی زبان اردو ہے۔ 2011 کی مردم شماری کے مطابق ہندوستان میں پانچ کروڑ بیس لاکھ لوگ اردو بولتے ہیں جبکہ پاکستان میں یہ تعداد 2008 میں تیرہ کروڑ تھی۔ ہندوستان

کی پانچ ریاستوں میں اردو کو سرکاری زبان کا درجہ حاصل ہے اور آئین ہند میں مذکورہ 22 زبانوں میں اردو بھی شامل ہے۔ اسی لیے اس شاہکار ناول کو اردو میں ترجمہ کرانے کا خیال آیا۔ میں بڑے اعتماد کے ساتھ یہ کہہ سکتا ہوں کہ دو سال سے بھی کم عرصے میں اس تصنیف کا چار ہندوستانی زبانوں میں منظر عام پر آنا کسی تاریخی واقعہ سے کم نہیں۔ اس پروجیکٹ کو کامیابی کے ساتھ بروئے کار لانے کے لیے میں ساہتیہ اکادمی بالخصوص اس کے سکریٹری جناب ایس کے راؤ اور نائب سکریٹری جناب برجیندر ترپاٹھی کا انتہائی ممنون و مشکور ہوں۔

میں مشہور معروف ترجمہ نگار اور ہسپانوی کے اسکالر جناب پربھاتی نوٹیال کا بھی شکر گزار ہوں جنھوں نے اس ناول کا ہندی میں ترجمہ ہی نہیں کیا بلکہ اردو کے معتبر مترجم جناب شاہد انور کی تلاش میں ہماری مدد بھی کی۔ میں اردو سے واقف نہیں ہوں تاہم اس امر سے واقف ہوں کہ شاہد انور نے انتہائی قلیل مدت میں حیرت انگیز کام انجام دیا ہے۔ اس ترجمہ کو ان کی صلاحیتوں نے ضرور جلا بخشی ہوگی، اس کا مجھے یقین ہے۔

—خینارو وی. پاپالا اردو
بھارت میں پاراگوائی کے سابق سفیر

حصّہ اوّل

باب 1:

کوریئنٹیس (Corrientes) کے لیے جہاز پکڑنے کے عین قبل توتو آسواگا (Toto Azuaga) نے اوکلاہوما (Oklahoma) میں سرمائی سیمیسٹر کی آخری جماعت کو پڑھانا ختم کیا تھا۔ کیتھڈرل آف لرننگ (Cathedral of Learning) کی تیرہویں منزل کے چھوٹے سے سیمینار روم میں بیٹھے بیزار طلباء اپنی آنکھیں جھپکا رہے تھے۔ آسواگا نے مسلسل ہونے والی زبردست برف باری پر تشویش بھری آخری نظر دوڑائی تھی، حسب معمول اپنا گلا صاف کیا تھا اور پھر کچھ یوں شروعات کی تھی:

''جنوب امریکی برّاعظم کے تمام قدیم معاشروں کی مانند توپی۔گوارانی کی مذہبی زندگی بھی شمن پرستی پر مرکوز تھی۔'پایئے' یعنی عامل بھی وہی کچھ کرتے۔تھے جو دوسری جگہوں کے لوگ کیا کرتے تھے۔ رسوم کی پابندی ہمیشہ ہی معاشرتی ملاپ کے قائدے قانون اور زندگی کے ضابطوں کا معمول ہوتی ہے۔اُن قائدے، قانون اور ضابطوں کا جنھیں ثقافت کے سورماؤں (سورج، چاند وغیرہ) یا اساطیر میں موجود آبا و اجداد نے نوع انسانی پر تھوپ دیا ہے۔ اس لحاظ سے توپی - گوارانی دیگر جنگلاتی معاشروں سے قطعی مختلف نہیں ہیں۔اس حقیقت کے باوجود فرانسیسی، پرتگالی اور ہسپانوی سیاحوں کے روزنامچوں میں جنوبی امریکا کے وحشیوں کی مانند ہی توپی۔گوارانی کی انفرادیت کو بھی بالکل خالص بتایا جاتا ہے۔آخر ہمارا منشا کیا ہے؟ ان قبائلیوں کی کبھی نہ ختم ہونے والی جنگوں اور ان کے مذہبی مظاہروں میں یورپ کے لوگوں کو بت پرستی اور دست ابلیس کے سوا کچھ اور نظر نہیں آیا۔توپی-گوارانی کی عجیب و غریب روایت کے سبب تاویل کی کئی غلطیاں پیدا ہوگئیں۔ حال تک یہی سمجھا جاتا رہا کہ یہ مغربی تہذیب کے طوفان کے خلاف ایک ردِّعمل تھا حالانکہ اس کا ظہور گوروں کی آمد سے بہت پہلے ہی ہو چکا تھا، شاید پندرہویں صدی کے وسط کے قریب۔شروعاتی دور کے واقعہ نویسیوں نے ماجرہ کو سمجھا تو نہیں لیکن شمن کو کارائی جیسے پراسرار کرداروں کے ساتھ گڈمڈ نہیں کیا۔بعد کے واقعہ نویسیوں کو مسیحائی رویہ سے کوئی غرض نہیں تھا کیونکہ یہ کام 'پایئے' کے ذمے تھا۔نہ تو وہ پروہت تھے، نہ شمن اور نہ ہی پادری تو پھر کارائی تھے کیا؟ وہ صرف تبلیغ کیا کرتے تھے۔وہ کہتے تھے کہ ان کا کام ہر جگہ صرف تبلیغ کرنا ہے۔

صرف اپنی ہی برادری میں نہیں، بلکہ ہر جگہ۔ کارائی مسلسل گشت لگایا کرتے تھے، ایک شہر سے دوسرے شہر تبلیغ کرتے ہوئے۔ جنگ میں مشغول قبائلیوں کے درمیان کارائی محفوظ اور صحیح سلامت گھوما کرتے تھے اور ان کا استقبال بھی پورے جوش وخروش کے ساتھ کیا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ جب وہ کسی گاؤں میں پہنچتے تو لوگ ان کی راہ میں پتوں کے قالین بچھا دیا کرتے تھے۔

ایلیسا "Hey! You really are horney. I can see that by the size of your prick" نے اُس سے کہا تھا۔

کارائی کو دشمن نہیں سمجھا جاتا تھا۔ یہ کیونکر ممکن ہوا؟ ایک قدیم معاشرہ میں کسی شخص کی شناخت اس کے حسب ونسب اور مقامی فرقے کے ساتھ اس کے ربط ضبط پر مبنی ہوتی ہے۔ مرد ہو یا عورت، ہر کسی کا نام ایک شجرہ میں درج ہوتا ہے۔

توپی - گوارانی کے درمیان پدرانہ سلسلے کی روایت تھی اور باپ کے نام سے ہی نسل منسوب کی جاتی تھی۔ کارائی سے متعلق ایک عجیب بات یہ تھی کہ باپ کے ساتھ اُن کا کوئی رشتہ نہیں ہوتا تھا۔ وہ خود کو ایک عورت اور ایک دیوتا کی اولاد مانتے تھے۔ تھوڑی دیر کے لیے اس احساس برتری کے جنون کو درگذر کیجیے جو پیغمبروں سے اپنی عبادت کرواتا تھا۔ جو بات اہم ہے وہ ہے باپ کا غیر موجود ہونا اور اس کے وجود کو ہی مسترد کر دینا۔ باپ نہیں تو نسل بھی نہیں۔ یہ منطق تو قدیم معاشرہ کے اس ڈھانچے کو ہی نیست و نابود کر دیتی ہے جو کہ خون کے رشتہ پر ٹکا ہوتا ہے۔ چونکہ کارائی کسی خاص فرقے سے منسلک نہیں تھے اسی لیے خانہ بدوشی ان کی زندگی تھی۔ اُنہوں نے ذوق کے لیے یا رومان کی خاطر خانہ بدوشی نہیں اختیار کی تھی۔ وہ نہ تو کسی خاص فرقے کے ساتھ دوستی کرتے تھے اور نہ ہی کسی سے دشمنی۔ نہ تو کوئی ان کی مخالفت کرتا تھا اور نہ ہی کوئی انھیں دیوانہ قرار دیتا تھا۔ ہر مقام پر ان کا گھر تھا۔ آخر کارائی خود کیا کہا کرتے تھے؟ ان کے مذاکرے بحث سے ماورا ہوتے تھے۔ روایتی مذاکروں سے الگ ان کے خطبے قدیم آدی باسیوں کو مسحور کر دیا کرتے تھے۔ دیوتاؤں اور اساطیر میں موجود آبا واجداد کے ذریعہ وراثت میں تھوپے گئے ضابطے واقدار کے پُرانے ورثہ کے سائے میں ان مذاکروں کی نشو ونما ہوا کرتی تھی۔ یہی تو سب سے بڑا بھید ہے۔ ایک ایسا معاشرہ جو قدیم اقدار کو محفوظ رکھنے کے لیے شدت پسندی کی حد تک ضدی ہو، وہ ایسے پراسرار لوگوں کو آخر کیوں قبول کرتا ہے جو ان کے اقدار اور ان کے اقدار کی دنیا کے خاتمے کا اعلان کیا کرتے ہیں؟ کارائی کے پیغمبرانہ مذاکروں کو مختصراً ایک تصدیق اور ایک وعدہ کی شکل میں بیان کیا جا سکتا ہے۔ ایک جانب تو وہ دنیا کو کارگہہ شر کہتے تھے اور دوسری جانب فتح خیر پر اُنہیں یقین کامل بھی تھا۔

ایلیسا نے اس سے کہا تھا:

Darling I don't know what got into me. If somebody had told me this morning that I was going to do something like this, I would've told them, they're crazy.

''دنیا بدسیرت ہے! دنیا بدصورت ہے''، وہ مانتے تھے''ہم اسے تج دیں''، اور دنیا کے تئیں ان کی نا اُمیدی کی گونج ان قدیم آدی باسیوں کی خاموش منظوری میں سنائی پڑتی تھی، اُن کو جو انھیں سنا کرتے تھے۔ ان لوگوں کو کارائی کے خطبوں میں بیمار ذہنیت یا دیوانے پن کے نقوش نظر نہیں آیا کرتے تھے۔ حقیقت یہ تھی کہ مختلف قسم کے دباؤ کے سبب یوپی-گوارانی کا معاشرہ ویسا قدیم معاشرہ نہیں رہ گیا تھا جو تبدیلی کے خلاف ہو۔ کارائی کے مذاکرے اس معاشرے کی موت کی گواہی دے رہے تھے۔ آبادی میں بے پناہ اضافہ، عام طور پر اِدھر اُدھر بکھری ہوئی بستیوں کے بجائے بڑے بڑے گاؤں میں بسنے کا رجحان اور طاقتور جماعتوں کا نمود۔ یہ علامتیں تھیں اُس فنا پزیر تغیر کی جس میں سماجی تقسیم اور غیر برابری کی موجودگی ناگزیر تھی۔ ایک زبردست قسم کا ہیجان اُن آدی باسیوں کی رگ و پے میں گردش کر رہا تھا۔ کارائیوں نے اس ہیجان کی تشخیص برائی، بدصورتی اور دنیا کے مکر و فریب کی شکل میں کی۔ انقلاب زمانہ کے تئیں دوسروں کے مقابلے زیادہ حساس رہنے والے یہی پیغمبران تھے جنھوں نے سب سے پہلے اُس انقلاب کا اعلان کر دیا جس کے متعلق لوگ ابھی پس و پیش میں ہی تھے۔ اسی لیے آدی باسیوں اور ان پیغمبران کے درمیان ایک عمیق معاہدہ تھا جسکے تحت انھوں نے نعرہ دیا: ''دنیا کو بدلنا ضروری ہے۔''

ایلیسا نے کہا تھا:

Come on and fuck me. Oh baby, slam it home. Drive it in my mound. Darling, fuck my box. Give me a good screw.

کارائیوں نے کس قسم کے علاج کی تجویز رکھی؟ انھوں نے آدی باسیوں کو اس ملعونی زمین کو چھوڑ کر ایک مقدس زمین کی جانب رُخ کرنے کی ترغیب دی۔ دراصل یہ وہ جگہ ہے جہاں بغیر کسی رکاوٹ کے تیر اپنے نشانے کو سیدھے بیندھتے ہیں، جہاں مکئی کے پودے کسی کی دیکھ بھال کے بغیر ہی کونپلیں نکالتے ہیں، جہاں کی زمین ہر قسم کی بیگانگی سے آزاد ہے۔ ایک ایسی زمین جو عالمی سیلاب کی تباہ کاری سے قبل آدمی اور دیوتاؤں کا ساجھا مسکن تھا۔ کیا میں اساطیر والے ماضی کی سمت لوٹ رہا ہوں؟ نہیں، اُن کی بت شکنی کی انتہا محض ایک ایسی دنیا کے وعدہ تک محدود نہیں تھی جو ہر مصیبت سے آزاد ہو۔ ان کی تبلیغ میں ایک تباہ کن اقتدار ہوا کرتا تھا جس کا مقصد ہوتا تھا پُرانے اقتدار کا مکمل انہدام۔ ان کی تبلیغ

کسی قائدہ قانون کو نہیں بخشتی تھی۔ عورتوں کی تجارت جیسی قدیم سماجی روایت کے قانون کو بھی نہیں۔
''اب عورتوں کا کوئی بھی مالک نہیں ہوگا'' کارائی کہا کرتے تھے۔
ایلیسا نے کہا تھا:

Fuck me, fuck me, fuck me. Oh Toto, come on and fuck me.

وہ مقدس زمین کہاں تھی؟ کارائیوں کا تصوف روایتی حدود کے پار تھا۔ دنیاوی بہشت کا تصور ہر تہذیب میں موجود ہے۔ ایک ایسی بہشت جہاں موت کے بعد ہی رسائی ہو سکتی ہے۔ لیکن کارائیوں کے لیے جنت کوئی فرضی نہیں بلکہ ایک حقیقی جگہ ہے جہاں تک پہنچنے کے لیے موت کی آزمائش سے گذرنا ضروری نہیں۔ دیومالا کے مطابق یہ جگہ مشرق میں واقع تھی جہاں سے سورج طلوع ہوتا تھا۔ اس جگہ کی تلاش میں پندرہویں صدی کے اخیر میں توپی-گوارانی نے بڑی بڑی مسافتوں کو طے کیا۔
اپنے گاؤں اور فصلوں کو الوداع کہتے ہوئے، روزہ رکھے ہوئے اور مسلسل ناچتے گاتے ہوئے بے شمار آدی باسی ایک مرتبہ پھر خانہ بدوش بن کر دیوتاؤں کی اُس مقدس زمین کی تلاش میں مشرق کی جانب روانہ ہو گئے۔ سمندر کے کنارے پہنچنے کے بعد وہ سب سے دشوار مرحلہ سے دوچار ہوئے اور وہ دشواری تھی ایک دریا جس کے پار اُس جنت کا ہونا یقینی تھا۔ اس کے برخلاف کچھ آدی باسی اُس جنت کو پانے کے لیے مغرب کی طرف چل پڑے۔ سولہویں صدی کی شروعات میں آمازون کے دہانے سے ایک لاکھ سے زیادہ آدی باسیوں نے ہجرت کی۔ دس سالوں کے بعد صرف تین سو لوگ بچے جو پیرو پہنچ گئے جس پر تب تک اسپینی لوگوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ بقیہ لوگ غریبی، بھوک اور تھکن کے شکار ہو کر موت کی آغوش میں جا چکے تھے۔ کارائیوں کی پیغمبری نے ہی انھیں اُس اجتماعی موت کے خطرہ تک پہنچایا تھا۔ ساحلی توپی کے ساتھ پیغمبری کی وہ روایت ختم نہیں ہوئی بلکہ حقیقت یہ ہے کہ پاراگوائی کے گوارانی لوگوں نے وہ روایت جاری رکھی۔ اُس بہشت کی تلاش میں اُنہوں نے آخری ہجرت سنہ 1947ء میں کی جب کچھ درجن مابیا آدی باسیوں نے برازیل میں سانتوس کے علاقہ کی طرف رُخ کیا۔ آج گوارانی لوگوں کے درمیان ہجرت کا یہ سلسلہ تھم گیا ہے لیکن ان کے کارائی اب بھی اُس پُراسرار طریق زندگی سے تحریک پاتے ہیں۔ جنت کی جانب اپنے عوام کی قیادت کرنے میں نااہل ہونے کے باوجود کارائیوں نے اپنے اُس داخلی سفر کا سلسلہ ختم نہیں کیا جو اُنہیں اساطیری قصوں اور صوفیانہ فکر کی سمت لے جاتا تھا۔ ان کے صحیفے اور ان کے منتر جو آج بھی اُن کی زبان سے سنے جا سکتے ہیں، وہ اس بات کے شاہد ہیں۔ پانچ صدیوں پہلے کے اپنے آباواجداد کی مانند وہ جانتے ہیں کہ دنیا بُری ہے اور وہ اس کے ختم ہونے کا انتظار کر رہے ہیں۔ آگ اور دیو جیسا ایک آسمانی تیندوا اس دنیا کو

نیست و نابود کر دے گا اور بچیں گے تو صرف گوارانی ۔ اپنے بے پایاں المناک غرور کے تحت اُنہیں اس بات کا پورا پورا یقین ہے کہ چنندہ انسانوں میں صرف وہی ہیں جنکو اپنے ساتھ شریک کرنے کے لیے دیوتا دیر یا سویر خود دعوت بھیجیں گے ۔ دنیا کے خاتمہ کی اس معادیاتی اُمید میں گوارانی یہ جانتے ہیں کہ اُن کا وقت آئے گا اور شر سے پاک وہ مقدس زمین اُن کا حقیقی مسکن ہوگی ۔

□□□

باب:2

اٹلانٹا کا خاموش ہوائی اڈہ صبح صبح زیادہ بڑا لگتا ہے۔ روانگی والے ٹرمینل بی کے لاتعداد کمروں میں سے ایک کے اندر تو تو آسواگا اکیلے ہی دھواں اُڑا رہا ہے۔ ریگن کے زمانہ کا ایک موٹا تگڑا جوڑا 'برگرس کنگ' کے سامنے باتیں کر رہا ہے کہ وہاں آج بیئر نہیں بیچی جاسکتی ہے کیونکہ اتوار کا دن ہے۔ ارغوانی بالوں والا ایک ادھیڑ آدمی اُدھر سے گذرتا ہے۔ پاس کے بار میں داخل ہوتا ہے جہاں اُسے خالص مارٹینی دینے سے اس لیے منع کر دیا جاتا ہے کہ بار بند ہونے والا ہے۔ وہاں سے لوٹتے ہوئے وہ آسواگا کو کچھ اس قدر غصے سے دیکھتا ہے گویا آج اتوار ہے تو اس میں آسواگا کا قصور ہے۔ کچھ بدبداتے ہوئے وہ وہاں سے آگے نکل جاتا ہے۔ آسواگا کچھ کچھ جذباتی ہو جاتا ہے اور ہیمنگوے کی ایک شاندار کہانی 'ایک صاف ستھری روشن جگہ' کو یاد کرتا ہے اور اُسے یاد آ جاتا ہے کہ مادرید میں لوگ اتوار کے دن ہی سب سے زیادہ پیتے ہیں۔ وہ 'کیویدو اسکوائر' کے پاس واقع ایک چھوٹے سے بار کو یاد کرتا ہے اور بڑے خلوص کے ساتھ اقرار کرتا ہے: 'اب ایک تہذیب ہے، گندگی نہیں!' شمالی مشرق علاقے کے ہلکے بھورے رنگ کا گھِسا ہوا سلوٹ بھرا نیلا اوورکوٹ، بکھرے بال اور بڑھی ہوئی داڑھی، اُداسی سے جلتی ہوئی سگریٹ، طنز بھری آنکھوں کے درمیان چھوٹی سی ناک کو دیکھ کر کوئی بھی اندازہ نہیں لگا سکتا تھا کہ وہ ساٹھ کا ہوگا۔ ایک رات مین ہٹن میں لیلیسا نے اُسے ایک نک چڑھی خاتون سے کچھ یوں متعارف کیا تھا: ''کسی سیکسن جاگیردار کی شہوت پرست بیوی کا معقول، بدشعور مگر وقت کا پابند لاطینی عاشق...... مکار اور گنوار لیکن امیری سے بے نیاز۔'' جب بھی اُسے اوکلاہوما سے جنوب کی طرف پرواز کرنا ہوتا ہے، وہ اٹلانٹا میں بہت دیر تک رُکنے سے بچنے کی کوشش کرتا ہے۔ کیسا ہوگا شہر! اسکارلیٹ اوہارا اور صدر کارٹر کی دھندلی سی یاد۔ دونوں پیارے تھے۔ شہر بھی پیارا ہوگا۔

اُس وسیع ہوائی اڈے پر کئی مرتبہ رُک چکا ہے لیکن شہر کی جانب کبھی رُخ نہیں کیا۔ اس مرتبہ قسمت اُس پر مہربان تھی کہ برف باری اور کئی جہازوں کی پرواز میں تاخیر کے باوجود اُسے ہوائی جہاز میں جگہ مل گئی۔ میامی سے اُسے پاراگوائی ایرلائنس کے طیارے میں سفر کرنا ہوگا۔

''کیا آپ تھوڑی سی شراب لینا پسند کریں گے سر؟''

انجنوں کے کم ہوتے شور کے سبب سُستی اور نیند سے بوجھل پلکیں کھولتا ہے۔ فرسٹ کلاس میں جاری باتیں، آتے جاتے گوارانی میں ایئرہاسٹس کی آوازیں، خیال خدمت سے لدی پھدی اُنگی محتاط گفتگو، دور کی گونج کی مانند غائب ہو جاتی ہیں۔ وہ گلاس اپنے ہاتھ میں لیتا ہے۔

''شکریہ کارن!''

ایک گھونٹ لیتا ہے۔ اُندوراگا (ایک قسم کی شراب) بس ٹھیک ٹھاک ہے۔ گلاس کے کنارے کو اپنے ہونٹوں سے چھوتا ہے۔ آنکھیں نیم وا رکھتا ہے۔ فجر کی ہلکی نیلی روشنی بے شمار یادوں کی طرح نمودار ہوتی ہے...... باون اور ساتویں ایوینیو میں شیراٹن کی چھت کے نیچے ٹرانپولین پر اُچھلتی کودتی ایلیسا۔ ایک علامتی بکنی، بوتی سیلی کی تصویروں جیسے پستان (بوتی سیلی: 1440-1510 'ایک اطالوی مصور) چاکلیٹی رنگت...... وہ سنہری گرمی کا اتفاق۔

''میں اجلاس میں حصہ لے رہی ہوں۔ ہاں، اُنہوں نے مجھے مدعو کیا ہے...... اگر وہ میرے تمام اخراجات پورے نہیں کر رہے ہوتے تو میں یہاں پہنچ نہیں پاتی۔ میرا شوہر ایک قلاش شاعر ہے۔ میں ایلیسا ہوں لیکن تم مجھے لیسا کہہ سکتے ہو!''

نیم گرم پول میں چھلانگ۔

''میرے ساتھ ہم بستر ہونا چاہتے ہو، ہے نا؟''

چشمہ کے بغیر اس کا بوسہ اور مباشرت کے بعد نہاتی ہوئی ایلیسا۔

''تو تم ایک کتاب لکھ رہے ہو! اچھا تو گگن ہیم اسکالرشپ پر آئے ہو۔''

سلونے گول اُبھاروں پر شاور کے پانی کی دھار۔ نارنجی رنگ کا تولیہ۔

''خوب جھاگ بناؤ میرے بدن پر...... اُف! مزہ آ گیا...... ذرا زور سے یار!''

اس کا ہاتھ سیدھے اس کے کھڑے ہوئے عضو پر۔

''مجھے اسے الوداع کہنے دو!''

پینل سیشن کے لیے روانگی۔ آخری عشائیے میں ایلیسا۔ اس کے چہرے پر بندریا جیسی ہنسی۔ اس کے دانت ایکدم درست، توبہ شکن۔ برہم بزرگ پروفیسران۔

''میں یہ برداشت نہیں کر سکتی، تمہاری قسم! پرتکلف موقعوں پر میں سنجیدہ نہیں ہو سکتی...... چلو ''ولیج'' چلیں...... وہاں صحت کے جام چھلکائیں گے...... چھی!...... دمّے کے مریض جیسا بوڑھا چغد مجھے پتہ نہیں کس عجائب گھر سے ملا؟...... کبھی مسکراتے کیوں نہیں؟''

لاساگنا کی ٹال کی طرف سے ورلڈ ٹریڈ سینٹر کا نظارہ۔ ایک آدھ پیگ مارٹینی کے، چیرز!

''ٹھیک ہے، ذرا یہ بٹوا تو دیکھیں...... ارے اپنی بیوی کی تصویر تو دکھاؤ...... واہ! خوب گدریلی ہے...... بچیاں کتنی خوبصورت ہیں...... تمہیں معلوم ہے کہ میں ایک آرکی ٹیکٹ بننا چاہتی تھی؟''

ایلیسا ویران ساحل پر۔ نیوجرسی کی خاموش دھنک۔

''نہیں، مجھ سے کچھ اور مت پوچھو۔ میں شادی نہیں کرنا چاہتی ہوں، بس!''

لہروں کے بے تکلف جھاگ میں ننگے پاؤں چلنا۔ ٹھنڈ سے کانپنا اور لذت لینا، ٹھٹھرنا اور پھر رونا۔

''مردوں کے نصیب میں شادی کی تجویز پیش کرنا کیوں لکھا ہوتا ہے؟''

کچھ گھونٹ لئے۔ شفاف آنکھوں میں ہرا ہرا سا آسمان، سانولی جلد، فیروزی نظر، کارنیوال، لائبریری، آنسوؤں کے درمیان مسکرانا، سمندر...... ایلیسا بستر میں ہی سگریٹ پیتی ہوئی، مردانگی کی بو۔

''ارے سنو، تمھاری عمر کیا ہے؟ سچ سچ بتانا، ہاں۔ کچھ سال یوں ہی مت نکال دینا ڈھلتی عمر کی اداکاراؤں کی طرح...... اتنی زیادہ؟''

وہ شرماتا ہے۔

''گنوار کہیں کے! دیکھیں...... ذرا مجھے دو''

دھوئیں کا ایک کش۔

''تمھارے اس سیاہ دھوئیں کی بو بہت تیز ہے۔''

ایک لیکچر کے لیے ایلیسا لاگوردیا میں۔ گالوں پر روژ۔

''ٹھیک ہے! میری خاطر ذرا اس آئینہ کو پکڑو۔ نہیں، زیادہ اونچا نہیں۔ ہاں، وہیں پر...... میرا بوسہ نہیں لوگے؟''

لالچ۔ جُرم۔

''اُلّو!''

پھر روژ اور آئینہ۔

ڈلس میں ایلیسا کا ایک اور لیکچر۔ ٹیکسی۔

''یا خدا! میں تو مر گئی۔ پورے وقت اُنہوں نے مجھے اسپینی میں بولنے کو مجبور کیا...... لیکن 'چین ایونیو' میں کتنی اچھی شیل فش (Shell fish) ہیں......''

اس کے ہاتھوں میں ہاتھ۔

''کیا تھوڑا سکون سے نہیں بیٹھ سکتے ہو؟ اچھا، ذرا رکو......''

ڈرائیور کی آنکھیں عقبی شیشے میں۔

''کتنا بے شرم ہے!''

''حضرات، بس کچھ ہی دیر میں......''

عورت، مرد دونوں ایک ساتھ۔

''تو تو......''

''بالوں سے بھری اس کی چھاتی پر افریقی بالوں کے گچھے......

''تم سے کچھ کہنا ہے......''

کانپتے ہوئے موٹے موٹے ہونٹ۔

''طیارہ آسون سیون کے انٹرنیشنل ایئرپورٹ پر اُترنے والا ہے''

''بیوقوف! ایسا نہیں ہے۔ مجھے پتہ نہیں ہے کہ میں کیا کر رہی ہوں؟''

اس کی داڑھی والی ٹھوڑی کے نیچے نم فیروزہ کے رنگ کی وہ تیکھی نظر۔

''میں تمھیں بتادوں کہ میں حاملہ نہیں ہوں۔ ارے، میں نے تو ایک چھوٹی سی لڑکی کو گود لیا ہے......تم مجھے اس کے متعلق بتانے ہی نہیں دے رہے ہو......''

''پلیز! اپنی سیٹ بیلٹ باندھ لیں......''

ایلیسا اپنے گھر کے دروازہ پر دو رنگین غبارے تھامے، تو تو کی پریشان مٹھی دروازے کی گھنڈی پر۔

''شش!'' وہ دروازہ آہستہ آہستہ کھولتی ہے۔ ''تمھیں پسند آیا گھر؟ دراصل میرا نیا شوہر امیر ہے۔ دیکھو......شش......وہ آرہی ہے''

ایک گوری دائی کے ساتھ ایک چھوٹی سی کالی لڑکی۔

''وہ چار سال کی ہے''

وہ مسکراتا ہے۔

''جانِ من، یہ تمھاری ماں کا ایک دوست ہے۔ ان سے ہاتھ ملاؤ۔ ہاں......ایسے......بالکل ٹھیک!''

ننھی سی جان تذبذب میں ہے کہ نیلے رنگ کا غبارہ یا ہرے رنگ کا؟

''اُمید ہے آپ کی اگلی فلائٹ میں ہمیں پھر خدمت کا موقع ملے گا......''

جھنجھلاہٹ، نیلے رنگ کا غبارہ یا ہرے رنگ کا؟ خاموشی۔

بچی ساکت۔

''......مقامی درجۂ حرارت 38 ڈگری سینٹی گریڈ......''

نیلے رنگ کا یا......؟

''سوچ کیا رہے ہو! اُسے کوئی سا بھی دے دو۔ دیکھتے نہیں کہ وہ اندھی ہے۔''

''کوریئنٹیس کے لیے جہاز چھ نمبر گیٹ سے روانہ ہوگا۔''

□□□

باب:3

''جس دن میرے پاپا کی کینسر سے موت ہوئی اُس دن سے میں مذہب یا شائد موت کے بارے میں تھوڑی سنجیدگی سے سوچنے لگی'' ایلیسا نے کہا،'' لیکن میں نے خواب میں بھی کبھی نہیں سوچا تھا کہ ایک دن کوریتھیس کے آرچ بشپ سے ملنے کی ضرورت محسوس ہوگی۔''

اسے دوسرا پیالہ پیش کرتے ہوئے پادری ہلکے سے مسکرایا۔ گرم بھاپ سے بھرا پیالہ اُس کے حوالے کیا۔ میز پر ایک منحنی سا عیسیٰ مایوسی کے عالم میں اپنے المونیم کے ہاتھ اس کی جانب پھیلائے کھڑا تھا۔ ایک چھوٹے سے قد کے جرمن خاندان کے نام والے پادری نے چاندی کی کیتلی بڑھائی مگر فادر کاسیریس (Caceres) نے اس سے کہا کہ وہ اپنی اس کیتلی کا ہی استعمال کریں گے جو کافی پرانی اور سستی چینی مٹی کی تو ہے لیکن پہلی مرتبہ اس کا استعمال چاکو کی جنگ کے دوران اُنہوں نے اپنے خیمہ میں تب کیا تھا جب وہ وہاں چیپلن تھے۔'' کیا تمھارا تعلق کسی پروٹسنٹ (Protestant) خاندان سے ہے؟'' پادری نے آہستہ سے پوچھا۔

''ایک غریب اُسقفی (ایک خاص قسم کا کلیسائی مسلک) خاندان سے...... امیر گوروں کا ایک فرقہ...... اس بات کی مجھے ہمیشہ شرمندگی ہی رہی۔''

''تم سانولی ہو لیکن تمھاری آنکھیں ہری ہیں۔ میں بہت نیک اُسقفی عیسائیوں کو جانتا ہوں۔''

''اچھا! میں نہیں جانتی...... میں اپنے دوستوں سے کبھی نہیں پوچھتی کہ ان کا مذہب کیا ہے؟ آدھی صدی گذر گئی مگر میں کبھی گرجا گھر نہیں گئی...... میرا مطلب ہے کسی ماس میں'' ایلیسا کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا'' جتنی نظر آتی ہوں اس سے کہیں زیادہ عمر ہے میری!''

''تم لوگ شمالی امریکا کے اینگلکن (Anglican) ہو۔ وہاں بہت سارے اُسقفی پادری ہیں۔ وہ سرحد کے علاقے میں کام کرتے ہیں...... بغیر سرکاری کاغذات کے!''

''دلچسپ بات ہے! ہم جنوب میں کبھی نہیں رہے...... میرا ایک دوست ہے وہاں۔ اس کا نام

ہے تو تو...... وہ مجھ سے ملاقات کرنے آسکتا ہے...... خیر! اتنا کچھ جان کر مجھے اچھا لگا۔''

''کیا تم اب بھی اُسقفی ہو؟''

''نہیں، بالکل نہیں! ہماری تو شادیاں بھی چرچ میں نہیں ہوئیں۔ پانچو (Pancho) ہے تو پارا گوائی کا لیکن پروٹسٹنٹ ہے۔''

''کسی بوڑھے جرمن کی مانند جو مذہب میں عقیدہ نہیں رکھتے''

''ہاں!...... تو...... پانچو کی بہن آماپولا...... مجھے لگتا ہے کہ وہ ابھی بھی کٹر کیتھولک ہے۔''

''مجھے معلوم ہے!''

''آپ سے ملاقات کا خیال پانچو کا نہیں بلکہ میرا اپنا تھا۔ لوگوں نے بتایا کہ آپ کا بہت اثر ہے۔''

''اُتنا نہیں جتنا کہ میں چاہتا تھا مسز گنتیر!''

بشپ کچھ ملال بھرے انداز میں مسکرایا۔

''دراصل میں کسی سیکنڈری اسکول میں پڑھانا چاہتی ہوں...... لڑکیوں کو قریب سے جاننا چاہتی ہوں...... میری کتاب کے لیے یہ ضروری ہے۔''

''ہو جائے گا!...... یہ ناممکن نہیں...... تھوڑی چائے اور لوگی؟''

''نہیں، شکریہ!''

''تمھارے پاپا کا انتقال کب ہوا تھا؟''

''اوہ! کچھ دنوں پہلے...... ہمارے بخاریست روانہ ہونے کے قبل۔''

''تمھیں ان کے ساتھ وقت گذارنے کا موقع ملا؟''

''ہاں! تھوڑا بہت...... پاپا پٹسبرگ میں رہتے تھے۔ گھر سے دور نہیں تھا۔ پاپا کو کینسر تھا۔ ایک سال بھی نہیں چل سکے۔ میں ان سے گاہے بہ گاہے ملنے جایا کرتی تھی لیکن آخری دن میں ان کے پاس نہیں تھی۔''

''اُسی دن سے موت کے بارے میں سوچنے لگیں، ایسا کیوں؟''

''کسی اتنے قریبی رشتہ دار کو مرتے ہوئے پہلی بار دیکھ رہی تھی۔ بالکل صحیح صحیح تو نہیں کہہ سکتی مگر مجھے احساس ہوا کہ ایکدن میرے ساتھ بھی ایسا ہی ہوگا۔''

''اور اسی احساس نے تمھاری زندگی بدل ڈالی؟''

''بہت زیادہ تو نہیں...... اس احساس نے مجھے پہلے سے زیادہ اُداس کر دیا...... شائد! کبھی کبھی

سوچتی ہوں کہ اتنی زیادہ مارا ماری، اتنی بھاگم بھاگ، اجلاس، ایک کے بعد ایک کانفرنس، کتابیں، مضامین، ڈیڈلائن...... آخران کا مطلب کیا ہے؟ آپ کومعلوم ہے کہ ڈیڈلائن کس کو کہتے ہیں؟''

''ہم اسکوترقی کہتے ہیں!''

''یہ سب مجھے پاگل کر دیتا ہے!''

''......؟''

''میرا مطلب ہے...... پاگل!''

''تمھیں تو مطمئن ہونا چاہئے کہ صحت مند ہو، خوبصورت اور پڑھی لکھی ہو اور پھر تمھارا شوہر بھی اچھا خاصا پیسے والا ہے۔''

''وہ سب تو ٹھیک ہے لیکن کبھی کبھی یہ فیصلہ کرنا ممکن نہیں ہوتا کہ کدھر جائیں، سمجھ رہے ہیں؟''

''بال بچے ہیں؟''

''مجھے محسوس ہوتا ہے'' وہ بدبدائی ''...... کہ میں ماں نہیں بن سکتی!''

''اور کسی کو گود بھی نہیں لیا؟''

وہ خاموش رہی۔ کاسیریس اُٹھا اور دالان کی جانب کھلنے والی کھڑکی کی طرف دو چار قدم بڑھائے۔ لمبا، سیاہ، سفید بال، لمبے لمبے ہاتھ، اسّی کے قریب...... ان کسانوں جیسا جو زندگی کے آخری پڑاؤ پر ہوں...... وقت سے وہی بے خبری، وہی تمازت...... چوڑے کاندھوں والے روکھے پھیکے بلوا ہے جن کی گانٹھ دار اُنگلیوں پر ایک بڑا سا کاربنکل ہو۔ وہ بیٹھی رہی، اپنے کوٹ میں لپٹی ہوئی۔ وہ اپنی سفید داڑھی کے پار اُسے دیکھتا رہا۔

''ایک بات بتاؤں...... میں بھی موت سے ڈرتا ہوں!''

کبھی کبھی ایلیسا کو ایسا لگتا تھا جیسے اس کی زندگی کے ٹکڑے چوری کے کسی ناول سے زیادہ کچھ نہیں۔ مثلاً بیزار کر دینے والی وہ ادب، وہ گفتگو...... جیسے اُنھیں اُنامانو (Unamano) سے سیدھے سیدھے نقل کر لیا گیا ہو۔

''آپ بھی؟ آپ تو سیدھے جنت جائیں گے!''

''پتہ نہیں! کچھ بھی ہو، میں وقت سے پہلے تو نہیں ہی جانا چاہوں گا!''

''زندگی خوبصورت ہے، ہے نا؟''

''ضروری نہیں...... موت مجھے بھی خوف زدہ کرتی ہے جیسے تمھیں!''

''آدمی......'' ایلیسا نے دستانے کی مدد سے اپنی جماہی پر پردہ کیا''...... کینسر کا علاج تو جانتا

نہیں اور دعویٰ کرتا ہے خدا کو جاننے کا!''

''شائد میں ہی بکواس کر رہا ہوں!''

''نہیں، ایسا نہیں ہے...... میرے پاپا موت سے ڈرتے تھے۔ وہ پکّے ایمان والے تھے...... آپ کے حساب سے! اُسقفی لوگ کو جنت ملتی ہے؟''

''بے شک!''

''آخر کار مسئلہ تو وقت ہے...... ارے، یہ تو کمال کا ادبی موضوع ہے...... آپ کو معلوم ہے کہ میں ادب پڑھاتی ہوں؟''

''میں نے یہ اخبار میں پڑھا تھا۔''

''میں اپنی ایک کتاب آپ کو معنون کرنے والی ہوں۔ یہ انتونیو ماچادو [Antonio Machado: 1875-1939، اسپین کا ایک معروف حقیقت پسند شاعر] کے زمانہ کے متعلق ہے۔''

''بہت بہت شکریہ!''

''اب بکواس کرنے کی باری میری ہے!''

''نہیں، مجھے نہیں لگتا کہ کوئی بکواس ہوگی۔ ماچادو تو ایک سچے شاعر ہیں''

''مجھے یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ کچھ لوگوں کو اس کی شاعری عامیانہ کیوں لگتی ہے! کیا آپ شاعری کا مطالعہ کرتے ہیں؟''

''ارے انجیل بھی تو شاعری ہی ہے!''

''میرا مطلب ہے شاعری...... جس کا کسی مذہب سے کوئی واسطہ نہ ہو!''

''ضرور! جب نیرودا [چیلے کا مشہور انقلابی شاعر ,Pablo Neruda: 1904-1973] کی موت ہوئی تھی تو وہاں سامنے میں نے اس کی مغفرت کے لیے مجلس کا اہتمام کیا تھا۔ چیلے کے تجارتی سفیر آلیندے [چیلے کا مارکسی صدر جسکے خلاف فوج نے بغاوت کردی تھی Salvador Allende:1908-1973] کے ایک کامریڈ کی التجا پر...... اور نیرودا تو مجھے لگتا ہے کہ ایک منکر ہی تھا۔''

''کہہ نہیں سکتی...... مجھے بھی ایسا ہی لگتا ہے...... دراصل جس میں محبت کرنے کی اتنی قوت ہو وہ بھلا منکر کیسے ہو سکتا ہے؟''

''تم صحیح کہہ رہی ہو۔ اندر سے منکر تو کوئی نہیں ہوتا!''

''میں تو نہیں ہوں!''

''ہرگز نہیں میری بچی! اور تمھارا شوہر، گنتیر؟''

''وہ ماہر اقتصادیات ہے!''

''اور سولیداد سانابریا (Soledad Sanabria)، اُن کی بھانجی؟''

''نہیں معلوم...... وہ تو کیتھولک اسکول میں پڑھتی ہے، ہے نا؟ میں جانتی ہوں کہ حکومت کے نزدیک وہ ایک کمیونسٹ ہے لیکن اس کی ماں ایک سچی کیتھولک ہے۔ اسی لیے مجھے لگتا ہے کہ وہ بھی ایک سچی کیتھولک ہوگی۔''

''امریکی لوگوں کی سادگی کا کیا کہنا! گنتیر کی بھانجی اور اس کی ایک ہم جماعت ویرونیکا ساریا (Veronica Sarria) نے صدر ریگن کے نمائندے الکزنڈر ہیگ (Alexander Haig) کی آمد پر جون میں طلباء کے ایک احتجاجی مظاہرے کا انعقاد کیا تھا۔ طلباء کو، پسند نہیں کہ ریگن فاک لینڈ میں انگریزوں کی حمایت کریں۔''

''مجھے یہ معلوم ہے لیکن کیتھولک سے میری مراد ہے فادر کاردینال (نکاراگوا کے پادری جو اپنی سیاسی شاعری کے لیے مشہور ہیں، 1925Father Ernesto Cardenal:) کی مانند کیتھولک!''...... کیا آپ نے کاردینال کی شاعری کا مطالعہ کیا ہے؟''

''ہاں!''

''آپ کو پسند ہے؟''

''بالکل...... بہت حد تک...... حالانکہ وہ میرے پسندیدہ شاعر نہیں ہیں۔''

''سر! اب میں چائے کا وہ پیالہ لے سکتی ہوں۔''

کھویا کھویا سا کاسیریس اپنی میز کے پیچھے ایک شیلف کے قریب گیا اور آسمانی رنگ کی چرمی جلد والی ایک ضخیم سی کتاب نکالی۔ اس کی فہرست اور کچھ صفحات کو اُلٹا پلٹا پھر کتاب واپس شیلف پر رکھ دی۔

''جانے دو...... میں ایک نظم تلاش کر رہا تھا۔ تمھیں پڑھ کر سنانا چاہتا تھا...... ذرا ٹھہرو...... مل نہیں رہی ہے!''

''کون سی نظم؟''

''خوان رامون خیمینیس (نوبل انعام یافتہ ہسپانوی شاعر Juan Ramon Jimenez:1881-1958) کی ''آخری سفر''

''لیکن برادر...... میرا مطلب ہے سر!...... وہ نظم تو میری زبان پر ہے!'' ایلیسا ہنسی۔

وہ بھی ہنسا اور اندر سے کچھ ہلکا بھی محسوس کرنے لگا۔

''یعنی آپ کو تکلیف ہوتی ہے جب چڑیائیں مسلسل گاتی رہتی ہیں؟'' اپنی چائے خود اُٹھاتے

ہوئے ایلیسا بولی۔

''تکلیف اور بڑھ جاتی ہے جب وہ جوہری اخراج کے سبب نہیں گاتیں!'' اس نے بدبداتے ہوئے کہا۔

''تمھیں پتہ ہی ہے...... یہ بتاؤ تم نے کبھی محبت نہیں کی؟''

ایلیسا کے گال سرخ ہو گئے۔

''کیوں نہیں! بلکہ میں تو ابھی بھی گنتیر سے محبت کرتی ہوں۔''

''تم اُسے اب اس کے کرسچن نام سے نہیں بلاتی؟''

''پانچو...... گنتیر...... ایک ہی بات تو ہے!''

''کیا تم نے بہتوں سے محبت کی ہے؟''

وہ دفعتاً اپنی عاشق کے انداز میں کاندھے اُچکاتے ہوئے بولی، ''لیکن حضور! ایسی باتیں پوچھی نہیں جاتیں...... پادریوں کو تو کشف ہوتا رہتا ہے؟''

''سینٹ جان کہتے ہیں اور نہیں بھی کہتے ہیں کہ زبان تو دو دھاری تلوار ہے...... میں نے تو تم سے بس دیسی زبان میں پوچھا ہے۔''

وہ اُسے دیکھتی رہی، ہکا بکا۔

''انھوں نے مجھے بتایا تھا کہ آپ دماغ سے تھوڑا ڈھیلے ہیں!''

کاسیریس نے اپنا دایاں ہاتھ اس کے ہاتھ میں ڈال دیا۔

''مسز گنتیر! اچھا تو اب رخصت ہوتے ہیں...... دوپہر ہونے کو آئی''

ایلیسا اُٹھ کھڑی ہوئی اور دونوں پرانے دوستوں کی مانند، نقاشی والے دیودار کے اونچے دروازے تک ساتھ ساتھ گئے۔

''مدر توروکس (Mother Torrox) سے مل لینا...... کل ہی کام شروع کر سکتی ہو!''

''اور فادر! آپ نے کبھی محبت نہیں کی؟''

کوریٹیس کے چرچ کا صدر پادری اُسے آہستہ سے دہلیز کی جانب تقریباً کھینچتا ہوا لے گیا۔

''ہاں، کی ہے میری بچی! ہر دن کی ہے!!''

□□□

باب 4:

پادری کے ساتھ گفتگو کے بعد ایلیسا نے اپنے کوٹ کا کالر کھڑا کیا، چرچ کے سامنے چوک میں ایک بینچ ڈھونڈی اور اُس پر بیٹھ کر مادرید کے متعلق سوچنے لگی۔ اس سے کچھ قدم دور، وہی اسپینی کپتان آج تک اپنی پتھر کی تلوار بھانجے جا رہا تھا جس کی قیادت میں چار سو سال قبل ایل دورادو کے راستے میں یہ شہر آباد ہوا تھا۔ ''اپنی شاعری کو صبح کی بیقرار ہوا میں بکھر اکل ہو جانے دو'' (پال ورلین: انیسویں صدی کا فرانسیسی شاعر) اُس سبک سمندری نیلے آب میں چھن کر آتی ہوئی صبح کی خوشگوار روشنی، اُڑتی ہوئی تتلیاں اور لالٹین یادوں کے پر نکال کر اوس، سورج، حیات اور ہوا کا احساس کرا رہی تھیں۔ سنبل کی کوبی خوشبو میں غرق وہ ایک وائلن بجانے والا جھینگر، نم پتلیوں والا بے صبر ماؤتھ آرگن، چوری چوری گائی جانے والی کجری بن جانا چاہتی تھی۔ اس کے راستے جگ مگ ہو اُٹھتے ہیں اور بادام کے درخت، صنوبر، سر نکالتے ہوئے نیلم، کوک کا گداز زیر و بم، بادِ صبا، روشنی کے گُل بوٹے، عارضی کنکھجورا، مصروف ٹڈے اس کی رگوں میں گردشِ خون تیز تر کر دیتے ہیں۔ موسیقی سے لدی پھدی ایک روشن دو پہر، مسحوری، وہ ہوا کے دوش پر چل نکلی۔ اس کے ہاتھ روشنی کی سبز مہک والی غیر محدود ندیاں اور اس کے ہونٹ انگور جیسے بول کے گچھے۔ باسق اور کاستیلین لوگوں کو پیارو کی کانیں نہیں ملیں لیکن دور جنوب میں اُنہوں نے اُس دوہری سرحد کی نسل، دوہری جلد، دوہری روح، دوغلی زبان کی بنیاد ڈالی۔

اس کا شوہر، حالانکہ اس نئی دنیا کے میسوپوٹامیا میں ہی پیدا ہوا تھا، لیکن بیورین (Bavarian) ماں باپ کی اولاد ہونے کی وجہ سے وہ اُس نسل سے اپنے آپ کو کبھی وابستہ نہیں کر پایا۔ پچاس کی دہائی میں ایلیسا جب گنتیر سے ملی تھی تو اس کے تصور میں بھی نہیں تھا کہ اس کا قابل بننے والا بلونڈ ماہر اقتصادیات شوہر جنوب کے کسی جوڑے کی اولاد ہوگا۔ ہاں، اُسے یہ ضرور محسوس ہوتا تھا کہ اس کی پیدائش کسی بیرونی ملک میں ہوئی ہوگی کیونکہ اس کی انگریزی بہت درست تھی جیسے اس نے نیو انگلینڈ کے رائج تلفظ کو قواعد کی کسی نامعلوم اور سخت مزاج استانی سے مسلسل سیکھا ہو۔ گنتیر تب 37 کا تھا۔ اور ایلیسا تمیں

کی۔ میری لینڈ میں اپنے ڈین کے گھر اُس نے ایک لمبے چھریرے جوان کو پروشین انداز میں سادہ پنیر کے ساتھ سیلیری (اجوائن کے ڈنٹھل) چباتے ہوئے دیکھا۔ وہ بڑی لگاوٹ سے اُسے مسلسل گھورے جار ہا تھا...... اُس نے اُسے حواس باختہ کر دیا تھا۔ اُس نے سوچا کہ وہ بھی واشنگٹن کے اُن غیر شادی شدہ جرمن نوکر شاہوں میں سے ایک ہوگا جو خود کو شادی کے لیے سب سے زیادہ موزوں سمجھتے تھے۔ ویسے ہی بستر میں بدبودار سانس چھوڑنے والا اور بوریت کا پلندہ۔ سیلیری کی بو والی زبان کو اس کے منہ میں ڈالتے ہوئے وہ اُس قوی ہیکل کے اپنے اوپر چڑھے ہونے کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ جب ایلیسا چھوٹی تھی تب وہ ایک عدد ناکامیاب شادی جھیل چکی تھی جس کے متعلق اب وہ سوچنا بھی پسند نہیں کرتی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ اُس طلاق سے اُسے کیریئر میں کافی فائدہ پہنچا تھا۔ وہ اچینی کے اسسٹنٹ پروفیسر کے عہدہ سے مطمئن تھی۔ کسی سے بھی خائف نہیں تھی یہاں تک کہ اُن مغرور ماہران اقتصادیات سے بھی نہیں جو اس کے سابق ڈین کے چیلے تھے۔ وہ انتہائی پرکشش سیاہ فام عورت، آئرستانی آنکھیں، شاندار چال اور جو کسی قیمت پر شادی نہیں کرنا چاہتی تھی، گنتیر کی زندگی کا واحد مقصد بن گئی۔ بوتی سیلی (Boticelli) کی تصویروں جیسے اس کے پستان اور بندریا جیسی ہنسی نے گنتیر کو دیوانہ بنا دیا تھا۔ گنتیر نے اپنی متاثر کر دینے والی غیر معمولی صلاحیت کے دم پر اُسے اپنی جانب متوجہ کر ہی لیا۔ اس نے اس کے سنکی پن اور انقلابی خیالات کے آگے سپر ڈال دئے۔ بائیں بازو کی سیاست میں وہ اتنی رنگ چکی تھی جتنی کہ وہ لال بینچ جس پر وہ بیٹھی ہوئی تھی۔ کورنتھیس کے جابر فوجی عوامی زندگی میں جس حد تک مخالفت کی اجازت دیتے تھے اُس حد تک وہ حکومت مخالف تھی۔ جون میں گنتیر اور ایلیسا کے پیرس میں ہنی مون منانے کے بعد جسمانی برانگیختگی اور کیمیائی اعتبار سے خالص بوریت کے درمیان ماہ و سال گذرتے رہے۔ باہمی رواداری، پیشے میں ترقی اور اسقاط حمل۔ سوئیس گھڑی کے کارخانے جیسی منظم تھی زندگی۔ سوئیس کا استعارہ اس لیے کہ ایلیسا کو پنیر کے مقابلے گھڑیاں زیادہ پسند تھیں۔ پنیر سے ڈین کی سیلیری یاد آجاتی تھی۔ گنتیر تو پیاز بھی چباتا تھا۔ یعنی جرمن باورچی خانہ کے کچے خام سروسامان۔ اور اس کا کیا تذکرہ کرنا کہ پچاس کو پہنچنے سے پہلے وہ روز پیپے کا پیپا بیئر انڈیل جاتا تھا۔ پچاس کے بعد وہ وہسکی پر اُتر آیا۔ ان سب کے باوجود صبح صبح گھڑسواری سے اُس نے اپنی توند کو قابو میں کر رکھا تھا۔ اور ایلیسا تو اس کا اس قدر خیال رکھتی تھی جیسے وہ مرچ کی چٹنی کے ساتھ ہڈی والا گاجر ہو۔ سارتریائی کیفیت میں مادرید کے بارے میں سوچنے کی اُسے عادت سی ہوگئی تھی۔ شہر میں پت جھڑ، قدیم گھنٹا گھر، نکلوا کا سلگتا اُفق، سونا بکھیرتی بید، یہاں سے وہاں تک سیاہ پہاڑی پیپل۔ پنس برگ کے اپنے کمرے میں ماچادو کی شاگرد وہ ان سب کو بالکل اس طرح یاد کرتی تھی جس طرح

ایبنان ایئر لائنس (جو سب سے سستی تھی) کی پرواز میں۔ اُسے ماد رید میں اس کا اندازہ ہوا کہ ماچادو کی بینگنی رنگت والا فن خانہ جنگی کے دوران اتنا کیونکر بدل گیا اور آرگویلس (Arguelles) میں اس کے کمرے کی فولادی شفق کو وہ سنہری شاعری کیوں پگھلا دیا کرتی تھی۔ موت کے ایک وار سے اسپین ہمیشہ کے لیے تقسیم ہو گیا۔ بدقسمتی سے ایلیسا کی نسل اُسی اسپین میں رہنے کے لیے مجبور تھی جس پر قصائیوں نے قبضہ کر لیا تھا۔ دوسرے اسپین کا اب کہیں وجود نہیں تھا۔ فرینکو (Franco) نے اسپین کو بچا لیا تھا۔ اچھے سینما، آزادی، یورپ، سیکولر کتب خانے اور بیرونی تھیئٹر، سب سے۔ یونیورسٹی کی جگہ سول گارڈ کے اڈے اور خانقاہیں کھل چکی تھیں۔ لیکن ایلیسا کو لوگوں پر رشک ہوتا تھا۔ وہ خالص جوہر جسے کسی قسم کی آمریت آلودہ نہیں کر سکتی۔ تلی تلائی چیزیں بیچنے والی عورت، ڈاکیہ، شراب بیچنے والا، دربان اور سبزی فروخت کرنے والی، سبھی نے حکومت کی دستاویزی فلموں کے جھوٹ کو طشت از بام کر دیا تھا۔ ہر ایک شخص والٹ وٹمین (امریکی شاعر جو اپنی انسان دوستی کے لیے مشہور تھا Walt Whitman: 1819-92) بن گیا تھا۔ ''موت کی وادی میں پڑے لوگوں کو نئی زندگی دینے والا۔'' ایلیسا نے اپنے مشغلے اور ثانوی زبان کا انتخاب کر لیا تھا۔ اس نے اپنے محبوب شاعر ماچادو کو ہی اپنی تحقیق کا موضوع بنایا تھا اور اس کا کام اتنا عمدہ رہا کہ اس کی کتاب ایک ساتھ تین زبانوں میں شائع ہوئی۔ آرچ بشپ سے اس نے اسی کتاب کا تذکرہ کیا تھا۔ اسی زمانے میں اس پر ایک ایسا جنون سوار ہوا جو تھا تو شہوانی مگر ذرا شاعرانہ قسم کا۔ اسپینی جوانوں کا لمبا، موٹا اور نس دار ہوتا ہے! وہ اس وقت کے تقریباً تمام ایسے شاعروں کے ساتھ ہم بستر ہوئی جن کا کلام ابھی شائع نہیں ہوا تھا۔ اور شادی کے بعد بھی وہ ان میں سے ایک کے ساتھ کچھ دنوں کے لیے فرار ہو گئی تھی۔ اس نے گارسیا لورکا (اسپینی شاعر و ڈرامہ نگار جسے اپنے انقلابی نظریات کے سبب اسپین کی خانہ جنگی میں قتل کر دیا گیا تھا: Garcia Lorca: 1898-1936) کی نقل کرتے ہوئے گنتیر کو سنایا تھا: ''میں یہ سوچ کر اُسے ندی کی سمت لے گئی کہ وہ دسترس میں ہے لیکن اُسے تو کہیں مضمون پڑھنے جانا تھا۔'' شہوت انگیز شراب اور پسینے کی بو والے لڑکے۔ کبھی کبھی گنتیر سے مذاق کرتے ہوئے اور برانگیختہ کرنے والے انداز میں پھسپھساتے ہوئے کہتی: ''دراصل آج تک شاہ کارلوس کی مانند کسی سانڈ جیسے مرد نے مجھے چھوا ہی نہیں۔'' گنتیر جو فرینکو کی کارگزاریوں کا پرستار تھا، ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو جاتا اور اس طرح وہ اپنی شادی کی سلور جوبلی تک پہنچ گئے۔ گنتیر کو یہی تعلیم دی گئی تھی کہ سارے اسپینی احمق ہوتے ہیں۔ اس کے ان پڑھ ماں باپ نے، جنھیں باواریا کے جنگلات سے وہاں بسایا گیا تھا، انہوں نے وہاں کی مقامی زبان تو سیکھ لی تھی لیکن اسپینی نہیں سیکھی۔ گنتیر نے دارالحکومت کے جرمن اسکول کے لیے وظیفہ حاصل کر لیا تھا۔ زندگی

میں جلد ہی اُسے امیر خاندانوں کے ان ورثا کے ساتھ نبرد آزما ہونا پڑا تھا جنھیں فرنچ گھر پر ہی پڑھائی جاتی تھی۔ لیکن اُس نے اگر کسی موضوع کے تیئں سنجیدگی دکھائی تو وہ تھی انگریزی اور 'نیوڈیل' کا نصاب جو اسکول کے قریب ہی دھلے دھلائے دانت جیسے عظیم شمالی امریکا کے سفارت خانہ میں مفت پڑھایا جاتا تھا۔ اسطرح 1939 میں امتیازی نمبروں کے ساتھ اس نے ہائی اسکول کا امتحان پاس کرلیا۔ تقریباً تین ماہ قبل ایک مختلف قسم کے جنرل کو صدر منتخب کیا گیا تھا۔ چاکو کا فاتح کمانڈر، پرہیزگار، کسان کا بیٹا، یورپ میں تعلیم یافتہ۔ ایک ایسا جنرل جس نے اپنے لوگوں کے خلاف ایک مرتبہ بھی ہتھیار نہیں اُٹھائے تھے۔ جو فرانس سے محبت کرتا تھا اور اسی لیے فاشسزم سے بے ساختہ نفرت کیا کرتا تھا۔ یہ کہانی التوس میں شروع ہوتی ہے :

> شعلوں میں لپٹا ایک فیلڈ مارشل کافی اونچائی سے پانی کے تیر کی مانند سبز زمین پر اترتا ہے، وہ وہاں اپنے ٹوٹے ہوئے پنکھوں کے نیچے ٹھہرتا نہیں بلکہ اس کی خاکساری اسے زبان نہ کھولنے کے لیے مجبور کرتی ہے، زندگی ہو یا موت۔ جنگ جیتنے کے لیے واویلا مچانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ضرورت ہوتی ہے اپنے وطن سے محبت کرنے کی اور ذہین ہونے کی۔ الغرض وہ التوس میں داخل ہوتا ہے۔ وطن کے اعلیٰ معیار پر کھرا اُترنے کے لئے، فرنچ میں، گوارانی میں گفتگو کرنے کے لیے اور فولادی زبان بولنے کے لئے۔ شام کو جنگ سے آرام کی تلاش میں وہ ایک ستارے کی مانند بھاگتا ہوا نظر آتا ہے اور اس کی پہرہ داری بھی کسی خاص ستارے کی طرح ہی ہے۔ زمان ومکان کی جتنی سمجھ اسکو تھی، کسی کو نہیں تھی۔ کس کے پاس تھی اس جیسی عقابی نظر؟ اور کس کے پاس تھیں ویسی خالی جیبیں؟ کشمکش تو جاری ہے، کہانی بڑی بڑی جگہوں پر شروع ہوتی ہے۔

اور آج ستمبر کی سات تاریخ ہے، ہمیشہ کے لیے اس نے وہاں کچھ گہری دوستی گانٹھ لی تھی۔ ان میں سے ایک نورڈک نما (Nordic) شخص نے اُسے پیراگوائی کے نوجوانوں کی خاطر وظیفے کا انتظام کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ گنتیر کو ہارورڈ کے لیے منتخب کرلیا گیا تھا۔ اُس برس اس کے والدین اس کے لیے تیار نہیں تھے۔ اُنکا ایک ہی بیٹا تھا اور آما پولا کی بھی، جو گاؤں میں ہی رہ رہی تھی، کسی امیر خاندان میں شادی ہونے کے امکانات کم ہی تھے۔ لیکن ایک سازش کے تحت ملک کا صدر ہوائی سفر میں ہی مارا گیا اور حکومت دائیں بازو کی سیاست والی فوج کے حوالے ہوگئی۔ گنتیر خاندان ایکسس (Axis) کی حمایت

کرتا تھا لیکن انھوں نے وہ مدت پانچو کو ہیروڈ (Herod) کے ہیجان سے محفوظ رکھنے کی کوشش میں اُس تجویز کی نذر کر دی تھی جو ایل (Yale) سے موصول ہوا تھا۔ ایل میں گنتیر کی زندگی مشکلات سے بھری تھی۔ ڈنکن ہوٹل کے پاس چیپل اسٹریٹ تک وہ اکثر سیر کرنے نکل جاتا۔ 'نیو ہیون' میں صدیوں سے کھڑے اولڈ ہائیڈل برگ کے تہہ خانے میں پڑی بھری بھری سیپوں اور پلیسنر اُرقیل (Pilsner Urquell) بیئر کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتا رہتا کہ یہ چیزیں لاطینی امریکا کے اتنے معمولی وظیفے میں دستیاب نہیں تھیں۔ اُس نے 'کُم لاودے' کی ڈگری حاصل کی اور اس دہائی کے اخیر تک ایم۔ اے اور پی ایچ۔ ڈی بھی کر ڈالی۔ چالیس کی دہائی میں اس کے والدین کا کینسر کے سبب انتقال ہو گیا، ایک سال کے وقفہ میں۔ اپنے باپ کی آخری رسوم اس نے اپنے بچائے ہوئے پیسے سے ادا کر دی لیکن جب ماں کی موت ہوئی تو اس کی جیب بالکل خالی تھی۔ بعد میں جب اسے ایک بڑے افسر کی نوکری ملی تو وہ آماپولا کی مدد کرنے کے لائق ہو گیا اور سانا بریا سے شادی ہونے کے بعد بھی وہ اس کی مدد کرتا رہا۔ وہ سولیداد کا روحانی باپ بھی بنا۔ آئزن ہاور (Eisenhower) کی صدارت کے دوران اس کی مالی حیثیت میں اضافہ ہوا اور اُسے امریکا کی شہریت بھی مل گئی۔ 1958 تک وہ ٹینس بھی اچھا خاصا کھیلنے لگا تھا۔ باب ہوپ (Bab Hope) کے ساتھ تو نہیں لیکن ایل کے پرانے دوستوں اور ایلیسا کے ڈین کے ساتھ تو کھیل ہی لیتا تھا۔ کئی برس گذر چکے تھے...... ! اور ایلیسا ایک مرتبہ پھر مادرید کے خواب دیکھ رہی تھی۔ گنتیر کو یہ کیوں محسوس ہوتا تھا کہ اسپین کے لوگ احمق ہوتے ہیں؟ یقیناً اُنہوں نے تاریخ میں بڑے بڑے معرکے انجام دئے تھے۔ لیکن اورویل (Orwell) کی وجہ سے نہیں۔ اسی دور میں ارجنٹینا کے پہلے یان کی پرست بندر، سارمینتو (Sarmiento) کا نمود ہوا جو جلاوطنی میں ایک نارنگی کے درخت کے نیچے مردہ ملا۔ وہ اعلان کر چکا تھا کہ انگلینڈ تہذیب و تمدن کی ماں ہے اور بربریت جگوار (Jaguars) کی ناجائز اولاد۔ شرمیلے اور محنت کش گنتیر خاندان نے ایک جانب آماپولا کو گھر گرہستی کا سبق پڑھایا تھا تو دوسری جانب اپنے سب سے بڑے بیٹے کو روم کے بادشاہوں کے وقار سے بھی واقف کرایا تھا۔ ایلیسا کو پہلے کبھی شبہہ نہیں ہوا تھا۔ جین فونڈا (Jane Fonda) کی نقل میں چھریری اور چست درست ہونے کے باوجود اُسے پچپن سال پہاڑ معلوم ہونے لگے تھے۔ اس گرم ملک والے جہنم میں بھی، جہاں سردیوں نے حالات کو اور بھی دشوار بنا ڈالا تھا۔ اُس نے مستقبل کی جانب رُخ کرنے کو ترجیح دی۔ گنتیر کو آخر کیوں لگتا تھا کہ اسپین کے لوگ احمق ہوا کرتے ہیں؟ وہ رنجیدہ ہو گئی۔ آرگویلس (Arguelles) کے میخانے، کالج یونیورسٹی میں پڑھنے والے لڑکے لڑکیوں سے بھرے چھوٹے چھوٹے ریستوراں یاد آ رہے تھے۔ کھردری اور حقیر خاموشی میں زرد سیارے کی مانند کوند

جانے والی زندگی، وہ معمولی واقعات جو صرف وہیں رونما ہو سکتے تھے کیونکہ اگر نہیں ہوتے تو سب کچھ بے معنی ہو جاتا ویسے ہی جیسے دھندلاتی آنکھ، راکھ اور یادوں کے درمیان کانپتا ہوا کوئی راز۔ سورج کے ساتھ چڑھتا ہوا اور بھری دوپہر میں بہتا پانی اُسے اُتنا ہی اچھا لگتا جتنا کہ کورا کاغذ۔ اُن بے آواز تاریک پہیلیوں کو وہ ٹھوکر مار کر الگ کر دیتی جو سرخ پنکھڑیوں کی طرح رات میں سلگ اُٹھتی ہیں۔ کھلی ہوا میں روح کے نفیس انگارے۔ ایک چیخ جیسے دور کہیں مال گاڑی۔ انھیں پرانی چیزوں کے درمیان کسی اور دنیا، بلند آواز مستول اور آگ جیسی دنیا کے گوشوں میں وہ ٹہلتی رہی۔ ایرا کلائتو (Heraclitus) کے اس زمانے میں وہ اپنے اور اپنے ماضی کے ساتھ چہل قدمی کی خاطر ٹھہر گئی۔ لوگ اس وقت کو پت جھڑ کہتے لیکن وہ جانتی تھی کہ پت جھڑ تو آ چکا تھا اور کل دوسرا دن ہوگا۔ کوئی ان اقتباسات کا حکم دیتا جو ہفتے کے اخیر میں اس کے متعلق ساری خبر دیتے۔ اس دوران اس کی آنکھیں کالج کے پس منظر میں کھڑے صنوبر کے حسن کا لطف لیتی رہیں۔ ''Paisaje'' اس نے ہسپانوی میں سوچا جس کا مطلب ہوتا ہے 'دیہات' یا 'قدرتی منظر' اس نے اس لفظ کو چھیڑ کر 'Pais-age' کر دیا یعنی 'دیسی لہسن'۔ لہسن ہی لہسن لیکن دیس جیسا کچھ نہیں۔ بس لوگوں کا ایک سمندر، محاورے والا وقت کا سمندر، تلی ہوئی ہیک مچھلی جس کی لذت سے اس کا شوہر نا آشنا رہا اور دفعتاً اُسے محسوس ہوا جیسے اُس نے بیس سال ایک آسیب کی صحبت میں گنوا دئے۔ کس قدر مایوس کن تھے وہ ویک اینڈ جو اُس نے اس کے پہلو میں گذارے تھے! مثال کے طور پر اُس نے تاروں بھری اُس رات کو یاد کیا۔ آمادس (Amadis) کی لرزاں روغنی شیل فش، آندرے میلا دو اسٹریٹ کا وہ مسافر خانہ جہاں دیواروں پر لمبے چوڑے صفحوں پر بھدی خطاطی میں تحریر کردہ سورماؤں کے قصیدے چسپاں تھے۔ ایک اور سرائے کی یاد، پہلے سے زیادہ صاف! فرنانڈو ایل کاتولیکو اسٹریٹ (Fernando el Catolico Street) پر 'گلیلیو' کے قریب مڑتے ہی 'توپیر' (Toper) جہاں والدے پیناس (Valdepenas) کی ایک بوتل ایک ڈالر سے بھی کم میں مل جاتی تھی اور دوسری بوتل مفت اگر آپ نے نیلی آنکھوں والی ڈیڑھ دو سال کی کھیما کی جانب دیکھ کر مسکرا دیا۔ وہ بچی کھوسے لوئیس (Jose Louis) اور اس عورت کی بیٹی تھی جس کا نام تو اب یاد نہیں لیکن جو بریڈ کے برادے کے ساتھ دنیا کی سب سے اچھی سیم بنایا کرتی تھی۔

پاسپورٹ کے ساتھ مادرید پہنچنا بے شک ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ ایلیسا کو وہ تمام بے چہرہ مہاجر جو نکیں یاد آئیں جنھیں امریکا سے بلغم کی طرح نکال پھینکا گیا تھا اور جنھیں فاشسزم مخالفین کی فاشسٹ تلخی نے ہڈیوں کے ڈھانچے میں تبدیل کر دیا تھا۔ جو آزادی وہ لوگ کسی غاصب سے حاصل نہیں کر سکے تھے اُس آزادی سے انکا تعارف تحفۂ مجوسی (The Gift of Magic) کی طرح ہی ہوا اور اب اسی

آزادی کو، اسی کی مانند، دنیا کے اچھوتوں کے لیے حرام کر رکھا تھا...... چوک میں شام ہو رہی تھی۔ سردیاں اس کی آنکھوں میں کوند گئیں اور ایک مرتبہ پھر اُسے صنوبر کے سوکھے درختوں کا رونا یاد آ گیا۔ پل بھر کے لیے اُدھر سے گذرتا کوئی راہگیر! ایسا کوئی جو اُس برساتی، ٹھنڈی اُجڑی سگریٹ، کاستیا کی اونچائی سے دور بہتے سمندر کے نظارے کی افسردگی کو سمجھتا ہے۔ لیکن کوئی رکتا نہیں ہے۔ مادرید میں ہمیشہ برف نہیں گرتی، اور بس اتنا ہی بھرے وہاں۔ آدمی کو یاد نہیں رہتا کہ پچھلی بار وہ اپنے محبوب سے کب بغلگیر ہوا تھا۔ نہ تو جہاز کا رنگ اور نہ ہی وہ لمحے اُسے ٹھیک یاد رہتے ہیں۔ وہ بس اتنا جانتا ہے کہ وہ وہیں اُسی جگہ اپنا دامن پسارے اُس دن والی نگاہوں کے ساتھ انتظار کئے جا رہے ہیں۔ اس کی سگریٹ کی ٹھنٹھ خاکستری ریت میں گُم ہو گئی۔ وہ جوتے جو اتنا سفر کر چکے تھے اب بڑے بڑے قدم اٹھاتے ہوئے اُسے گھر کی جانب لیے جا رہے تھے۔ لیکن وہ ٹھٹھرتے ہوئے وہیں چوک میں ٹھہر جاتا ہے۔ نہ تو وہ سردی، نہ وہ گھر، نہ شہر، نہ ہوا۔ اس کی مرضی کہیں شامل نہیں تھی۔ اس کے باوجود اس کا خیال تھا کہ آنے والی شام جو فاصلہ نہیں ناپا جا سکے اس سے بڑا اور اُداس کوئی فاصلہ نہیں ہوتا۔ ایلیسا کہتی تھی کہ ہم اُسی طرح احمق ہیں جسطرح گوارانی زبان فعل 'ہونے' کے بغیر۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ سب سارمینتو کی غلطی کا نتیجہ ہے۔ حالانکہ گنتیر ان سب سے لاتعلق ہے، پھر بھی ہے تو سولیداد کا ماموں۔ واشنگٹن والے گھر میں ایلیسا سولیداد کو تھوڑا بہت یاد کر لیتی تھی۔ اُس نے اس کے لیے بھیڑ کا گوشت پکایا تھا۔ ٹھیک اسی طریقے سے جیسے سیگوویا (Segovia) کے کاکامبو (Cacambo) نے سکھایا تھا۔ اس لڑکی نے اپنی انگلیاں تک چاٹ ڈالیں تھیں۔ گنتیر نے سولیداد کو برتن دھونے کو کہا تھا کیونکہ کام کرنے والی سالوادورن (Salvadoran) لڑکی سو رہی تھی۔ شائد ناسٹلجیا بھرے نظریے کی ہم آہنگی کے سبب ایلیسا اُسے پسند کرتی تھی۔ وہ سوچتی تھی کہ کسی کو اس بات کا حق نہیں ہے کہ دنیا کے سب سے اُداس اور خوبصورت شہر میں کسی کو زیتون کے تیل میں بنی چٹنی کا لطف اٹھانے سے محروم کیا جائے۔ سولیداد نے انگڑائی لیتی ہوئی اس صبح ایلیسا کو تو ہمیشہ کے لیے بہکا ہی دیا تھا۔ اس نے بس اتنا کہا کہ ایک روز وہ مادرید سے ضرور گذرے گی اور ایلیسا اسے ٹھیک بتائے گی کہ وہ کہاں رہتی تھی تاکہ وہ اس کے گھر کے سامنے رک سکے، وہاں کے نگران محترم آنکھیل اونتانار (Don Angel Hontanar) سے گپ شپ کر سکے اور انھیں شرابوں کا مزہ لے سکے۔ ایلیسا نے بھیڑ کے ٹھنڈے گوشت پر کسی بے وقوف کی مانند آنسو بہانا شروع کر دیا تھا۔ اسے ایسا محسوس ہوا جیسے رفتارِ زمانہ اور تمام بکواس کے باوجود انتونیو ماچادو بالکل صحیح تھے: ''یہاں ایک اجنبی اُداسی کی گونج کا سویرا ہے اور میری روح کے زرد پرزے خون میں لرزتے ہیں'' (رینے داوالوس: بینارڈو رژن)...... لامتناہی دھند لکے کی باریک راکھ میں، خفیہ دراروں والی پٹری سے

گھرے بے خبر گر جا گھر سے پژمردہ گل یاس کی مہک، سدا بہار بلوط کے معتبر باقیات ...... کسالت بھری لازمی اور ضرب لگانے والی دھوپ، نہ ہوا، نہ تعویذ، نہ گوشۂ عافیت۔ اس محتاط وسعت میں وہ ایسے ٹھٹھک جاتی ہے جیسے کوئی پوشیدہ نڈا ...... بلیٹ پروف امن کے گیلے بوجھ تلے اشارے، شبیہیں، بازگشت، حبس بھرا موسم، اخروٹ کے بوڑھے درخت، پارکوں کی شاندار چمک دمک ...... سب اُسے اس شرمناک زندگی کی طرف کھینچ لاتے ہیں۔ کوفت، تساہلی، عادتیں ...... بدنصیب دنوں کے پرانے سست قدم اُسے کھوکھلا کرنے لگتے ہیں۔ خود سے کہیں بہت دور، ریتیرو (مادرید کا ایک پارک) کی بیکراں تنہائی میں وہ اپنی محفوظ، شادماں اور غیر شکستہ اُمیدوں کا بوجھ کاندھے پر سجا لیتی ہے ......

□□□

باب:5

کھڑکی کے نیم وا ہونے کے باوجود گرمی کم نہیں ہوئی۔ چوک میں ان موٹی اور ناہموار دیواروں کے درمیان ایک تنومند اتھلیٹ کی تصویر اُبھرتی ہے۔ تنہا، وہ قوی ہیکل شبیہہ خود کو اس طرح ہلاتی ہے جیسے پنجرے میں بند تیندوا۔ سڑک پر رات کے چراغوں کی روشنی اس کی چاندی جیسی داڑھی پر کسی تیز چیخ کی طرح معلوم ہوتی ہے۔ گھٹن محسوس کرتا ہوا اسے کچھ ایسا لگتا ہے جیسے بشپ کے کمرے کی بند ہوا میں وہ نیند میں چل رہا ہو۔ پسینے کی بدبو سے آلودہ بستر پر وہ اپنی قمیض پھینک دیتا ہے۔ گھبرایا ہوا، وہ چھت کا پنکھا آن کر دیتا ہے۔

''اس حرامزادی مشین سے میرے گلے میں درد ہونے لگا ہے''

ماحول کچھ ہلکا ہو جاتا ہے۔ صبح ہونے کو ہے۔ ایک اور اونگھتی ہوئی رات۔ گلے سے گھرگھراتی ہوئی آواز نکالتے ہوئے وہ گوارانی میں گالیاں دیتا ہے۔ ''آنیارا کو پگوارے! بہتر ہے میں ایک پیالہ اور لوں۔'' قبر سے آتی ہوئی آواز گرجتی ہے۔ وہ بتی جلا دیتا ہے۔ اونچی نم چھت پر ننگی چمکیلی ٹیوبس جل بجھ رہی ہیں۔ لکڑی کی بنی کتابوں کی ایک بڑی سی بوسیدہ الماری نے کمرے کی دیوار کو پوری طرح ڈھانک رکھا ہے۔ کتابیں، مٹی کے برتن، ریکارڈ، رسالے، ٹوتھ پیسٹ ٹیوب، عطر، بجلی سے چلنے والا داڑھی بنانے کا آلہ، جانوروں کی شکل کے خاکستری پیپر ویٹ، سنتوں کی مورتیاں۔ ایک گندی بنیان مریم کی مورت سے لٹکی ہوئی۔ دوسری دیواروں پر، بچوں کی واٹر کلر میں پینٹنگ، کیلوں سے ننگی عورتوں کی تصویریں اور 'گیرنیکا' کی نقل۔ جین فونڈا کے دو پوسٹر۔ ایک میں مکمل طور پر عریاں اور دوسرے میں ہنوئی میں لی گئی تصویر جس میں صرف پھٹی اونی ٹوپی پہنے چہرہ۔ ان کے درمیان، وارنش زدہ لکڑی کے دانوں والی تسبیحیں جو 'گڈ فرائی ڈے' کی عبادت میں استعمال ہوتی ہیں۔ ایک سفید ریش بزرگ اپنی میز کے ساتھ۔ مخطوطات، خالی گلاس، فنڈادور (Fundador) برانڈی کی تقریباً خالی بوتل، چابی کے دو چھلّے، ایک ڈیجیٹل گھڑی، کنگھی، کئی پنسل، نوٹ بک، لال روشنائی والی لکیروں سے بھری امتحان کی

کا پیاں، کانسے کی بھاری بھرکم صلیب اور ایک بجلی والا کافی پاٹ۔ نیم وا آنکھیں ٹھنڈی صلیب کا جائزہ لے رہی ہیں۔ ایک نحیف، تھکا ہارا مسیح، اس کے اپنے دفتر جیسا، اذیت جھیلتے لمبے ہاتھوں کو اس کی جانب پھیلائے ہوئے۔

''جاودانی ایسی ہی ہونی چاہیے جیسی آج کی رات۔'' آدھی صدی قبل، بھرم اور پرانی یادیں، ساتھ ہی چاکو کی جنگ کی مبہم گونج، ایک دو دھماکے اور دور کہیں برستے گولے اس کی پابند اور گمراہ بولی کے پہیے کو گھما دیتے تھے...... التوائے جنگ...... فرضی اے .ڈبلیو.او.ایل، ہوا سے عاری سُرنگ میں یادوں یا کسی خواب کی سمت۔ دور دھماکوں سے گھری کوئی خفیہ فلزی شئے، بہت مرتبہ بجلی کی کوند جیسا ایک ناگ، نشانوں سے جلتے ہوئے افسردہ پیڑ پودے، جھاڑی کی دلدوز ہتک۔ وہ ملے ڈُلے بغیر کھڑا ہے۔ ایک قدیم ٹھنڈی چٹان، ویرانے میں چوکسی کے دوران تاخیر سے پڑھی گئی مناجات (رات ہونے پر چیخ جیسی)۔ بجلی یا آدمی کی کلہاڑی سے گرے اور خاموشی اور بیل کی موسی مار سے سڑتے تنے کی غیر محفوظ خاطر داری پر نظریں ٹکاتا ہے جیسے کوئی سبز بسیط غنائیہ جو اپنے گھر، اپنی زمین، اپنے تخم میں واپس ہو رہا ہو۔ کوئی نہیں دیتا اُسے شریک ہونے کی دعوت۔ اس کا چوغا اسے مقابلے سے بچالے گا۔ لیکن وہاں بات کچھ اور تھی۔ گندمی رنگ کے بال اور سرخ پیشانی اور بالکل اگلی قطار میں۔ آگ اُگلتا نیتا، پرعزم مگر بُری طرح زخمی کسانوں کے کارواں کا خالص غصہ، خالص جنون اور سالم نظر۔ نہ روشنی، نہ لفظ، نہ پانی لیکن وہ مراقبے میں ہے۔ جھٹ پٹے کا وقت اور پادری بالکل تنہا سڑک کے گوشوں اور گہن میں جکڑا ہوا۔ جو کتابیں گھوٹ ڈالتا تھا اور کتابوں کے گہرے معنی کو سمجھ لیتا تھا۔ اس کا تعاقب اب اُسی کا سایہ کر رہا ہے۔ روسو، ابسن، آگسٹن اور لارا سے کہیں دور۔ اس کی شیریں زبان اب اشتعال انگیز تقریروں میں تبدیل ہو چکی۔ اس کی انگلی بندوق کی لبلبی دبانے والی اُنگلی میں بدل چکی۔ وقتی اور پھٹی وردی کو پہنتے چھینکتے۔ کبھی بکری، کبھی ژیبرا، کبھی کوبرا۔ بندوق برداروں کا حساب۔ مسّرت یا انقلاب کے بغیر قید۔ وہ تنا جو دوبارہ کھڑا ہو جاتا ہے۔ وحشی طیش لیکن اپنے ملک کو اس راستے پر لے چلنا جو موت کے بعد بھی پیار کرنا سکھاتا ہے۔ ٹٹول ٹٹول کر وہ شمال مغرب کی جانب نظر دوڑاتا ہے۔ پگھلتا حاملہ آسمان، سیاہ صفر میں دبے لوہے اور راکھ کی سرگوشی کی طرف سے آنکھیں بند کر لیتا ہے جیسے بادلوں میں پوشیدہ جاز گانے والا کوئی گلوکار۔ بغیر کسی عجلت کے، اپنے چوغے کی بوسیدہ جیب میں وہ سگار کا آخری ٹھنٹھ کھوجتا ہے۔ اسے سلگاتا ہے اور بڑے سکون کے ساتھ اُس کا مزہ لیتا ہے۔ اُس بے نام اور غیر دوستانہ خود کلامی میں لنگر ڈالے ہوئے وہ پھر سے دریافت کر لیتا ہے تمباکو نوشی کی اکیلی عادت۔ وہ نازک، للچاتی ہوئی جلن جو خاموشی کے درمیان اپنے

فیصلے سناتی ہے۔ چمکیلی رعب دار آنکھوں کی وہ ہچکچاہٹ جو موقعہ اور فراموشی کی دہلیز پر کنکھیوں سے اشارہ کرتی ہے۔ زخم کے پیچھے (وہ یہ جانتے ہیں) محض معمولی آرام کا شب باش سحر ہے اور کوئی عورت نہیں، پیاس تو ناریل سے بجھاتا ہے۔ ہمیشہ کی مانند حکومت کی ہدایتیں واضح ہیں۔ وہ اُسی پر منحصر ہیں۔ وہ اس کی قیادت، اُس کی کھانسی چھینک کے آہنگ اور اس کے چوغے کے سوراخوں کے مطابق آگے بڑھتے ہیں۔ اور اس کا عقیدہ، فہم سے ماورا اُس حقیقت کے تئیں اس کا ایمان، خون سے رنگے چیتھڑوں کے ڈھیر، پژمردہ میس تیسو (اصلی ہسپانوی اور لاطینی امریکی انڈین کی نسل: Mestizo) کی بھیڑ اور اس خاموش و ممکن مملکت کے درمیان پھر زندہ ہو اُٹھتا ہے کا مریڈ اور مقصد ایک ساتھ۔ یقینی شناختی لفظ، کسی کو ہلاک کر دینے کے لیے واحد جواز۔ اس کا اپنا خون بہتا ہے، دوسرے گال کا بوسہ لیتی ہوئی گولی بائبل کی تقلید میں۔ وہ اپنے بعد صرف اپنے جسم کا زخم چھوڑنا چاہتا ہے۔ ایک طبیب نے اُسے یہ بتایا کہ کبھی کبھی جنگ کے نفسیاتی اثر سے درد کم بھی ہو جاتا ہے اور جنگجو کو اس کی فطری صلاحیت سے کہیں زیادہ جانباز بنا دیتا ہے۔ جھاڑی میں سانپ، درہم برہم سردار، فرشتہ شائد اس میں ایک اساطیری قوت پھونک دیتے ہیں۔ فتح، شاطروں کی خطرناک شطرنج میں فیل۔ ایک جگہ جہاں خاتمہ ہوتا ہے، امن کے ساتھ ایک ملاقات، مریم کی مانند بغیر کسی خوف کے وہ تصور کرتا ہے۔

''مجھے کچھ پڑھنا چاہئے!''

آہستہ آہستہ وہ کتابوں کی الماری کے پاس جاتا ہے۔

''چار پاویسے! (Char Pavese)''

اس کے چہرے پر کسی فوجی کی اداس مسکراہٹ اُبھرتی ہے۔ ایک تھیلے سے بینگنی چمڑے کی جلد والی بائبل نکالتا ہے۔ ایک ریکارڈ لگاتا ہے۔ تیز آواز میں ویگنر (Wagner) کا آرکسٹرا ابھ اُٹھتا ہے۔ وہ ایک چھلانگ لگا کر آواز کم کرتا ہے۔ ہاتھ میں اپنی کتاب اُٹھائے کرسی پر آ کر بیٹھتا ہے۔ اُسے کھولتا ہے:

> اگر ایک شخص کسی کنواری لڑکی کو جو اس کی منگیتر نہیں ہے، بہکاتا، پھسلاتا ہے اور اس کے ساتھ ہم بستری کرتا ہے تو وہ اس کی قیمت ادا کرے گا اور اسے اپنی زوجیت میں لے گا۔ اگر اس کے والد کو یہ منظور نہیں تو بہلانے پھسلانے والے کو اس کنواری کے لیے ایک طے شدہ رقم ادا کرنی ہوگی۔

اس صفحہ سے اپنی نظریں ہٹائے بغیر اس کی انگلیاں میز پر تب تک سرکتی رہتی ہیں جب تک کہ اسے بوتل نہیں مل جاتی۔ وہ کچھ گھونٹ بھرتا ہے اور ڈکار لیتا ہے۔ دور ریکارڈ بھنبھناتا رہتا ہے۔ اونگھتے

پنکھے کے نیچے گم صم ہوا میں بالوں سے بھرا اس کا فولادی جسم پسینے پسینے ہو رہا ہے۔ کھلی کتاب کو وہ میز پر رکھتا ہے۔ اپنا سر پیچھے لے جاتا ہے، اپنے مضبوط تھکے ہاتھوں کو پھیلاتا ہے اور گھومتے ہوئے پنکھے کی پتیوں کو تاکتا ہے۔ اس کی پیشانی پر گہرے زخموں کے دو نشان سفید بالوں کے بیچ نظر آتے ہیں۔ اس کی گھنی داڑھی گرمی کی شدت بڑھا دیتی ہے۔ مسکراتے ہوئے وہ خود کو کاہلی کے حوالے کر دیتا ہے لیکن ٹیلی فون کی گھنٹی اُسے وہاں سے اُٹھا دیتی ہے۔ وہ گرسی سے تقریباً کودتے ہوئے اٹھتا ہے۔

''اس وقت کون ہو سکتا ہے؟''

خاموش ہوتی گھنٹی کچھ پُراسراری لگتی ہے۔

''میں نے بھی اسے پتہ نہیں کہاں رکھ دیا؟''

کچھ کاغذات اُلٹتا ہے، الماری میں دیکھتا ہے، دراز کھولتا ہے اور پوری الماری کو چھان مارتا ہے۔ پھر ایک کونے میں گھٹنے کے بل جھکتا ہے اور تار ڈھونڈھ نکالتا ہے جس کا سرا بدحال بستر پر پڑا ملتا ہے۔ وہ ایک بھاری تکیے کو ہٹاتا ہے۔

''ہیلو! ہاں میں کاسیریس (Caceres) بول رہا ہوں!''

وہ بستر پر بیٹھ جاتا ہے۔

''ہاں پیارے...... ہاں.. میں ہی بول رہا ہوں۔ سردی زکام ہے، گلے میں درد ہو رہا ہے'' ہلکے سے گلا صاف کرتا ہے۔

''...... ہاں مجھے اس کی اُمید تھی۔ بس ابھی نکل رہا ہوں...... ہاں یار! مجھے معلوم ہے۔''

وہ فون زور سے پٹخ دیتا ہے۔ کوئی دروازہ پیٹتا ہے۔

''پادری کاسیریس!''

ایک بڑھیا کی چہکتی ہوئی آواز سنائی پڑتی ہے۔ وہ دروازہ کھولتا ہے۔ ایک گنجی، تقریباً بونی ٹھٹھری ہوئی نن اسکارف لیے کھڑی ہے۔

''آج صبح ہوتے ہوتے پادری مارسیلین اپنے جسم کا صدقہ دے دیں گے'' وہ خوشی خوشی سناتی ہے۔

''ڈاکٹر نے مجھے پہلے ہی بتا دیا تھا۔'' وہ ڈھیل غصہ میں اس کے منہ پر دروازہ بند کر دیتا ہے۔ وہ بجلی کی تیزی سے کپڑے بدلتا ہے۔ چھلانگیں مارتے ہوئے اپنی میز تک جاتا ہے، بائبل کو اپنے فولادی ہاتھوں میں اُٹھاتا ہے۔ کتاب کے کھلے صفحات دیکھ کر ایک لمحہ کے لیے اس کی آنکھیں چمک اُٹھتی ہیں۔ انھیں زور سے بند کرتا ہے اور بائبل کو اپنے صاف ستھرے کالے جیکٹ کی جیب میں ٹھونس

لیتا ہے۔ سڑک پر اتنی رفتار سے چلتا ہے جیسے کہ ابلیس اس کا تعاقب کر رہا ہو۔ اس بینگنی کتاب کو بند کرنے سے قبل جو آخری جملہ اُس نے پڑھا تھا اُسے کانپتے ہوئے یاد کرتا ہے: ''تم اُس ڈائن کو زندہ نہیں چھوڑو گے!''

صبح کی ابتدائی ساعت میں ارجنٹینا اور ویٹیکن کے جھنڈے سیاہ مرسیڈیز کے چمکتے کناروں پر بے چینی سے لہرا رہے تھے۔

'لفظ' کے لیے اس کا سفر نامہ کتنا طویل ہو چکا ہے۔ گمشدہ کوڈ کو پڑھ لینے کا ہنر، نوجوانی کے ہوس بھرے دن، دوصوتیہ اور کثیر ہجا الفاظ کے درمیان جدوجہد، خانقاہی زندگی کی سختی۔ وہ یاد کرتا ہے اپنی خفیہ مدافعت کو جس پر ہمیشہ دوسروں کی چیخ و پکار کا حملہ ہوتا تھا، قواعد کے پھندوں کو، لغت کی انکساری کو، ڈیسک ٹاپ کی پاکیزگی کو اور اخیر میں چھپی ہوئی لاطینی کے آگے اس کا سجدہ، سیاہی کی بو والی صنعتیں، وہ ضروری سکتہ جو کمپوزیٹر سے غفلت میں چھوٹ گیا ہو۔ سرورق پر کسی مشتعل خانقاہی بلی کی محراب دار پشت کی مانند مسیحی بارود۔ رات کے وقت (غیر متعین وقت، نوکیلی کرچیوں میں بکھرا وقت جس میں نہ کچھ پُرانا ہوتا ہے نہ تازہ، آج کی طرح شائد) کچھ بھی پڑھ پانا ناممکن ہے، ان لکھی علامتوں کے سوا۔ غیر نوشتہ نقوش، سہاگ رات لیکن نہ سہاگ نہ رات، بس ایک تلخ آبلہ، دھوئیں اور تنہائی میں ڈوبا ہوا...... پھر بھی بوڑھے ہوتے جا رہے ہیں۔ روم دن کی محض ایک تمثیل ہے اور رات ہونے پر اگر کسی چیز کا معنی رہ جاتا ہے تو وہ ہے سگار، شیری کی شدید خواہش، چاگال (Chagall) کا فیروزہ (جناب ہمیشہ سفید کالر ہی استعمال کرتے تھے) اور اب یہ قہر، جنگل پر حملہ اور یہ جنگ اس کی جانب منہ کھولے بڑھی چلی آتی ہے جیسے کوئی مردہ خور کیڑا۔ تھکا ہارا، ایک گرے ہوئے پیڑ پر بیٹھا جس کی وسعت اس کی روح تک پہنچی ہوئی ہے، وہ اپنی انگلیوں کے درمیان سگریٹ کے اُس احسان فراموش ٹھنٹھ کو غور سے دیکھتا ہے جو خود ہی صفر میں تحلیل ہوتا جا رہا تھا۔ وہ اپنی تکان بھری چھاتی کو بیکراں شب کی غیر محدود ہوا میں کھول دیتا ہے۔ تنہائی اور پیاس کے مارے اس کے آدمیوں کو نہ تو نیند میں قرار آئے گا اور نہ ہی ان کے زخم میں ٹانکے لگ پائیں گے۔ سڑکوں سے مجروح ان کے حوصلوں کے لیے کہیں کوئی مرہم بھی نہیں ہوگا۔ وہ کیا کرے کہ صبح تک وہ لوگ کوچ کرنے کے قابل ہو سکیں؟ صبح کا ہونا کس خفیہ فن پر منحصر ہے...... میں طوفان کا جائزہ لوں گا۔ اور اگر ضروری ہوا تو موت کو گولی مار دوں گا۔ ان سب کو آنے دو۔ سارجنٹ کواتی، ریال پیرو، لیفٹننٹ رومان، رومیرو، ریوس...... فوجی پرانے ہیں لیکن لڑائی نئی ہے۔ پرانے جھرنے لیکن پیاس سدا بہار۔ ریوارولا کو واپس بلاؤ، بجلی کا وہ سوار اور فارینا، خون کی خفیہ ندیوں کی ماہر۔ اور تالاویرا کو بھی اپنی کانٹوں کی ابجد، اپنے دائمی ضوابط،

اپنی بے رحم مہمیز، اپنی شاعری، اپنی موت (وہ سب چیزیں جو وجود کی قرائن ہیں، یا پھر ناگزیر افسانے) کے ساتھ۔ انھیں آواز دو پھر سے موت کو گلے لگانے کے لیے...... وہ لازوال لوگ۔ کوئمبرا کے جنگی جہاز، کپتان بادو کا وار، اُماتا اور راموناما رتینیس کی آگ۔ سبھی کو منحرف وقت کی ڈھلان پر پھر سے چڑھ جانے دو۔ چھتڑے، گنّے، خنجر، سنگین، پورا، چے لارنتا، موسم گرما، ریبیز، ٹائیفاڈ، سیفلس، بوسے، یادیں، عامل، گیت، رباب، 'گوارینا' کوریا، لفظ...... ہماری دفاع میں انھیں کمان سنبھالنے دو، ایک مرتبہ پھر! یوم افواج، اجتماعی آتش فشاں جس کی روشنی میں بھوت اور سائے چمک اُٹھتے ہیں، رنگروٹ، بریگیڈ، سامان باندھنے والے، مدفون زخموں کی پیادہ فوج، یومیر و کا مارشل آپوکالپس، آسمانی آفات کا پرمشقت احیا، عشائے ربانی جیسی دھند جس میں نیم شعوری خوف کے ان گنت رومالوں سے وہ نبرد آزما ہوتے ہیں، حوصلہ کی ڈھال، زندہ رہنے کی خواہش، زندگی کی فصیل۔ آنتے قیرا (Antequerra) اپنی نظم 'لیما' کی جیل میں تخلیق کرتا ہے یا یہ اُسکی محض شبیہہ ہے جو آگ کے پاس مراقبے میں ہے؟ آنتے قیرا، تقدیر کے تحریری طوفان کو جلا دیتا ہوا (جسے ہم تاریخ یا تیرہواں جمعہ کہتے ہیں) آزادی کے منجمد خون پر سرخ روشنائی سے نشان لگاتا ہوا، وقت کی حدوں کی لانگھتی ہوئی اس کی محدود شریان، آمریت کو ناکہتے ہوئے اس کے گرد بھرے مسام، رزمیہ تحریر کرتے ہوئے اس کے ہاتھ، خود مختاری، ٹیلی گراف، خارش ختم کرنے والا تعویذ۔ وہ قیاس لگاتا ہے کہ کون سی گلیاں، کون سی بستیاں اپنی بھاری بھرکم آواز میں اس کا نام پکاریں گی، اس کے داؤ کی ضرب لگاتی گونج، ڈنڈے کا اثر، اس کے سانیٹ کے پنجرے میں قید چشمے اور خود اس کی موت کا دستخط...... جان ولیمس کے گٹار پر مان گورے کوئی دھن چھیڑتا ہے اور منویٹ، مازرکا، میڈریگل اور سیر وسفر کا اضافہ کرتا جاتا ہے۔ جنگل اور جھرنوں سے تر رباب کے تار ملاتا ہے...... اُداسی کی متر رروانی۔ وہ شہد کی مکھیوں کی بے پایاں اُداسی کو ناپتا ہے، بندروں کی پرشور درستی، لارل کا خوشبودار سحر۔ شاعری و موسیقی کا یہ توپ خانہ، تشبیہات کا مجموعہ، بے نام شہیدوں کے زمین سے گھرے باقیات، ناچیز محنت! ان سب کے ساتھ میں پیاس کی لمبی فہرست، تکان، نیند...... غریبوں کی چتاؤں سے روشن راتوں کی جانب بڑھتا ہوں۔ خطروں سے گھرے میرے وطن، قدیم کامریڈ! میں تمھاری ہی جانب آرہا ہوں......

اس کے بعد ہی پادری نے اپنا سگار بجھایا۔

□□□

باب :6

نومبر کی جلتی روشنی سے شرابور، وہ آہستہ آہستہ قدم بھرتے ہیں اُن اسکولی کتابوں کے بوجھ سے جھکے ہوئے جنھیں اُنھوں نے سینے پر سنبھال رکھا ہے۔

''تمھیں کیا لگتا ہے ہم ہیگل پر کام کب تک پورا کرلیں گے؟'' سولیداد پوچھتی ہے۔ فٹ پاتھ کی چونے جیسی سفیدی آنکھوں کو چکاچوند کررہی ہے۔

''زیادہ سے زیادہ دو گھنٹے لگیں گے'' ویرونیکا جواب دیتی ہے۔ اس کی ہڈیاں مطالعے کی بنسبت گھڑسواری اور کشتی رانی کی زیادہ عادی ہیں۔ ''چلو تمھارے گھر تھوڑا کھا پی لیتے ہیں اور پھر اس کی اصلاح کرلیں گے۔'' سنترے کے درخت کے سائے میں بچوں کی ایک ٹولی ای.ٹی. کی نقل کرنے والے کھلاڑی کے قریب اچھل کود مچارہی ہے۔ ایک اور بچہ خلائی لباس میں گرمی میں جھلس رہا ہے۔

''آج کی دھوپ، باپ رے باپ!'' ویرونیکا ایک لمبی سانس بھرتی ہے۔ ہتھیلی کو اپنے پسینے والے بالوں پر پھیرتی ہے۔ سولیداد اپنی دوست کے دائیں ہاتھ کی اُنگلی میں چمکنے والی شئے کی تعریف کرتی ہے۔

''یہ تعویذ ہے، میری ماں نے دیا ہے۔ آج صبح کے امتحان کے لیے مجھے ملا ہے۔ تمھیں پتہ ہے میری ماں بھی نیم پاگل ہے۔ کسی روز اس سے ملوانے تمھیں اپنے گھر لے چلونگی۔ میرے بھائی البیرتو سے بھی ملاقات ہو جائیگی۔ دراصل بات یہ ہے کہ میرے پاپا نہیں چاہتے کہ میں کسی غریب سے دوستی کروں۔''

''بہت خوبصورت انگوٹھی ہے'' سولیداد نے ایک گہری سانس لی۔ وہ ایک چھوٹے سے گھر میں پہنچتی ہے جو کبھی سفید رہا ہوگا لیکن جواب کائی اور بیل کے حملے جھیل رہا تھا۔ دہلیز پر لنگر ڈالے کتے کی ایک جوڑی بوڑھی آنکھیں جیسے دوستوو سکی کو پڑھتے پڑھتے تھک گئیں ہوں، پرانی یادوں میں کھوئی گلی کی پہرہ داری کررہی ہیں۔ سولیداد ویرونیکا سے کہتی ہے کہ پانچ بجے وہ اس کا انتظار کریگی۔ آنگن کے آہنی

دروازے کو کھولتی ہے اور دالان میں قدموں سے اُٹھتی چرمرکی آواز کو عادتاً نظرانداز کر دیتی ہے۔

ویرونیکا اسی تنگ سڑک پر، لوکاٹ کے درختوں کے ناکافی سائے میں خراماں خراماں چلتی جاتی ہے۔ مویشیوں کو ڈھوتے ٹرک اور دھول بھری بسوں والے راستے تک پہنچ جاتی ہے۔ پاس کے ہوائی اڈے کی جانب پرواز بھرتے ایک چھوٹے سے طیارے کو ان دیکھا کر دیتی ہے۔ آگے بڑے بڑے ذاتی احاطوں کے اندر پرانے گھر دکھائی دیتے ہیں۔ ویرونیکا ایک احاطے کو پار کرتی ہے۔ دیودار کے ایک بھاری نقاشی والے دروازے کے لنٹل سے مرجھائی بیل کی لتر لٹکا دیتی ہے۔ جب وہ اپنے پیچھے دروازہ بند کرتی ہے تو بلوری گھنٹیاں آہستہ سے ٹنٹنا اُٹھتی ہیں۔ پھیکے پیتل کی ایک ریک پر وہ اپنی کتابیں ڈال دیتی ہے۔ مکڑی کے جالوں میں لپٹے، نوحہ کرتی فانوس کے نیچے، برسوں سے پڑے ایرانی غالیچے پر اس کے پاؤں خاموشی سے چلتے ہیں۔ شفاف جیسم کی شاہانہ سیڑھی کے پاس ٹھہر جانا پڑتا ہے کہ سنہرے بالوں اور کھلاڑیوں جیسی توانا چھاتی والا ایک نوجوان مڈے کی مانند اُچھل کر سامنے آجاتا ہے۔

''پاس کے سوئمنگ پول میں بس پانچ منٹ کے لیے غوطہ مار کر آتا ہوں۔'' وہ چیختی ہوئی آواز میں بولتے ہوئے نکل گیا۔ ویرونیکا اوپر جاتی ہے۔ لڑکے نے اپنے کمرے کا دروازہ کھلا چھوڑ رکھا ہے۔ وہ اندر ایک طائرانہ نظر ڈالتی ہے۔ کھیل کی جھنڈیاں، گندے پوسٹر، بے ترتیب بستر، ادھ کھلی دراز، سگریٹ کے ٹکڑوں سے جلی قالین پر چاروں جانب بکھرے ریکارڈ۔ وہ اپنے کمرے تک جاتی ہے، چابی سے تالہ کھولتی ہے اور بستر پر نڈھال پڑ جاتی ہے۔ اس کی انگلیاں میز پر رکھی ریڈیو گھڑی کے بٹن گھماتی ہیں اور آخر کار جاز بجانے والے ایک اسٹیشن پر رکتی ہیں۔ اپنا بلاؤز کھولتی ہے، اپنی اسکرٹ، ہرن کی چمڑی والے ملائم جوتوں کو بھی نکال پھینکتی ہے۔ ننگی ہو کر باتھ روم میں گھستی ہے اور شاور چالو کر دیتی ہے۔ اسی دم، دیودار کے دروازے کی ٹن ٹن سنائی دیتی ہے۔ نیچے سے پاپا کی آواز آتی ہے جو بھائی کو تلاش کر رہے تھے۔ جسم پر فیروزی گاؤن ڈالے وہ بالا ریز سے جھانکتی ہے۔ سرسبز جلد، شاداب زلف اور ہری بھری بالا ریز۔

''تھوڑی دیر قبل اُسے باہر جاتے ہوئے دیکھا ہے۔ لیکن مجھے نہیں معلوم کہ کہاں ہے۔''

وہ چیختے ہوئے بولتی ہے۔ ایواریستو ساریا کیروگا (Evaristo Sarria-Quiroga) غصّے میں کچھ بڑبڑاتا ہے۔ ویرونیکا واپس غسل خانے میں گھس جاتی ہے اور شاور کے نیچے کھڑی ہو جاتی ہے۔ اپنی بظر کو اُنگلیوں سے سہلاتی ہے۔ عقیق جیسی پتلیاں دیوار پر لگے آدم قد آئینے میں پھسلتی ہیں جسے اُس نے ایسے لگوایا تھا جیسے دروازے کے پیچھے بند کوئی بلی۔

وہ لنچ کے لیے نیچے جاتی ہے۔ کھانے کے لیے نوکر اس کی خاطر نقاشی والی چمڑے کی کُرسی لگاتا ہے۔ وہ اس پر بیٹھ جاتی ہے۔ اپنی پلیٹ میں سروبی مچھلی نکالتی ہے جو کورینتیس کے سلگتے اکتوبر کے لیے بالکل ہی ناموزوں ہے اور دون ایواریستو کی آواز پر کان لگاتی ہے جو البیرتو کو پڑوس کے یہودیوں کے ہمراہ تیراکی کرنے پر ڈانٹ رہے ہوتے ہیں۔ ویرونیکا سوال کرتی ہے۔ ''کیا نام ہے نئی نرس کا؟''

''ایسی ہی بیوقوفیاں مجھے غصے سے پاگل کر دیتی ہیں...... تم لوگوں کا کیا ہوگا اگر میرے دل نے دھوکہ دے دیا تو؟''

''کیا نام ہے نئی نرس کا؟''

سیلن بھرے ڈائننگ روم کی دھندلی دم گھونٹنے والی روشنی میں ویرونیکا نے زور دے کر پوچھا۔ تبھی دون ایواریستو بول پڑتا ہے۔ ''ویولیتا (Violeta) لیکن اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا ہے۔ جہاں چمڑے کا کاخانہ ہے اُس باڑے سے اُنہوں نے اسے ابھی ابھی میرے پاس بھیجا ہے۔ بے چاری تمھاری ماں نے کارمن سیولاّ (Carmon Sevilla) کے نام سے اُسے بپتسمہ دیا ہے۔ پہلے امپیریال ویولیتا تھی۔ بیٹی، اس کے لیے کھانا اوپر لے جاؤ گی؟''

''ہاں پاپا!''

البیرتو نے فرنی کھائی۔ وہ پھر وہاں سے چپ چاپ اُٹھ گئی۔ تبھی دون ایواریستو اُس سے کہتا ہے: ''دیکھو! وہ لوگ رجسٹریشن کے کاغذات کے متعلق دریافت کر رہے ہیں۔ تم ملٹری پولس کے ساتھ آنکھ مچولی مت کھیلو۔ وہ تمھیں فاک لینڈ بھیج دیں، ہمیں بس اتنے بھر کی ضرورت ہے۔''

□□□

باب 7:

ویرونیکا اوپر اپنی ماں کو جگانے جاتی ہے۔

''ممی!''

نیم وا دروازے سے اس کی آواز آتی ہے۔ کمرے کے اندھیرے میں، غیر واضح شبیہوں میں فرق مشکل سے کر سکتے ہیں۔ موٹے پردے کے پیچھے اکیلی کھڑکی پوشیدہ ہوگئی ہے۔ ویرونیکا ایک شیلف کا گوشہ، ایک موم دان، کچھ لیس دار پرانی کتابیں اور گلدانوں کو ٹٹولتی ہے۔ بجلی کے سوئچ کی سبز چمک کونے میں ٹمٹما رہی ہے۔ ویرونیکا اس کی طرف جاتی ہے لیکن ایک جھولنے والی کرسی سے ٹکرانے کے بعد ہی وہاں تک پہنچ پاتی ہے۔ پورا کمرہ چاروں جانب بکھری روشنی میں نہا اٹھتا ہے۔ ویرونیکا کی ماں برچ کی لکڑی کے بنے اونچے سرہانے والے پلنگ پر سو رہی ہے۔

''وہ مجھ سے خوبصورت ہے!'' ویرونیکا بڑبڑاتی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے وہ عورت ایک طویل نیند سے جاگی ہو۔ اپنے خوابیدہ چہرے کو ہاتھوں سے رگڑتی ہے۔ انگڑائی لیتی ہے۔ بڑے سکون سے کروٹ لیتی ہے۔ ویرونیکا کو دبے دبے ریاح کی آواز بھی سنائی دیتی ہے۔

''میں تمھارا کھانا اوپر ہی لے آتی ہوں۔ دوپہر بیتنے کو ہے۔''

''ہاں۔ لے آؤ۔'' اس کی آواز سنجیدہ اور شکستہ مگر خوشگوار لگتی ہے۔ ویرونیکا بیٹھنے میں اس کی مدد کرتی ہے اور اس کے پاس ہی بیٹھ جاتی ہے۔ اس کی ماں کے جھینی گاؤن سے پرکشش پستان نظر آتے ہیں۔ وہ ویرونیکا کو اپنی بڑی بڑی اور دلکش آنکھوں سے دیکھتی ہے۔

دون ایواریستو نے اُسے ایک مرتبہ 'چغل خور' کہا تھا اپنی بیٹی کے سامنے۔ ''یہودی خون کے ساتھ نیلی آنکھوں کا کیا رشتہ؟'' اور ویرونیکا نے اُسے اسٹرئی سینڈ (Streisand) کے ساتھ ساتھ موسیٰ، عیسیٰ اور دے میٹے (DeMitte) کی فلموں کے دیگر کرداروں کی یاد دلائی تھی۔

''پاپا نے ایک نئی نرس کو کام پر رکھا ہے لیکن اُسے اُتنا تجربہ نہیں ہے۔''

ویرونیکا نے اپنی جانگھ پر ایک گرم ہاتھ محسوس کیا۔ اپنے لمبے اُلجھے بالوں کے درمیان وہ مسکرائی۔ ویرونیکا نے اُس کے نمکین پیشانی کا بوسہ لیا۔ اس کی ماں پر دمّے کا دورہ پڑنے لگا۔

اُس دن ویرونیکا سولیداد کے گھر دیر سے نہیں پہنچی۔ اس نے ایک مختصر راستہ منتخب کیا۔ جھاڑیوں اور پیچھے کے چوک کے کچرے سے بچتے ہوئے، جہاں ایک چرمراتا ہوا زنگ آلود، گرد آلود جھولا گرمی کی تیز ہوا میں ہلتا رہتا تھا۔ ویرونیکا نے کیتھولک اسکول کے پرانے ڈھنگ کے یونیفارم کو اتار پھینکا تھا اور اس کی جگہ سفید کوتاہ پینٹ اور چمکیلے رنگ کا ایک تنگ ٹاپ پہن لیا تھا جو اس کی ناف کو چھپانے کے لیے ناکافی تھا۔ اُس حبس بھری گرمی میں اُنہوں نے اپنے نوٹس اور کتابوں کا جائزہ لیا اور اشاریے والے کارڈ تیار کیے۔ ''ہیگل نے فہم کو غیر مرکب، ساکت اور مشتعل جوہر کی شکل میں نہیں بلکہ ایک عمل، ایک مسلسل ترقی پذیر آگہی کے طور پر پرکھا تھا'' ...... اور کھلی کھڑکی کے باہر سورج کی روشنی میں درختوں کی ہریالی، دوپہر کی کھلی اور روشن خاموشی اور پہلی منزل کے صحن کا کبھی نہ ختم ہونے والا فاصلہ...... ''شعور کی مظہریات کے پہلے حصّے میں اُنہوں نے شعور اور مادّہ کے درمیان موجود رشتہ کا تجزیہ کیا ہے اور یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اس رشتے کو جاننا اس بات پر منحصر ہے کہ جوہر کی فطرت کس حد تک روحانی اور منطقی ہے......''

''سگریٹ پیئے گی؟ میرے پاس ہے۔''

ویرونیکا نے کہا۔ سولیداد نے حامی بھری۔ ویرونیکا نے اندر سے دروازہ بند کر دیا۔ دھوئیں اور نمی میں ان کی چھاتی کی گھنڈیاں پکے ہوئے انگوروں کی مانند لگ رہی تھیں۔ صوفے پر نڈھال، انھوں نے اپنی لمبی لمبی ٹانگیں ایک بے ترتیب میز پر پھیلا دیں۔ سگریٹ کا دھواں پورا دم لگا کر اندر کھینچتی ہیں اور چھلّے بنا کر باہر چھوڑتی ہیں، چھلّے اس شدید گرمی میں کچھ دیر بے جان سے جھولتے رہتے ہیں۔ ''حسی ادراک کا اُن چیزوں سے سیدھا رشتہ ہے جو حواس خمسہ کو متاثر کرتی ہیں۔'' گرمی کے ساتھ ساتھ اُنہیں جلد کی رقیق تپش بھی محسوس ہو رہی تھی۔ صفحوں پر کبھی کبھی پھسلتے بخار زدہ ہاتھ، پنسل کو بار بار اٹھاتی رکھتی انگلیوں کا اگلا حصّہ جیسے گوشت کے دو سنگ ریزے۔

''کیوں نہ ہم اپنے ٹاپ اُتار دیں؟ بہت گرمی ہے۔''

ویرونیکا نے کہا۔ تھوڑی ہچکچاہٹ ہوئی لیکن سولیداد نے جسم سے اپنا ٹاپ اُتار کر یوں ہی پھینک دیا۔ اس کی بڑی بڑی میستیو چھاتیاں اپنے وزن کے دھاکے کے ساتھ ویرونیکا کی نظروں کے سامنے تھیں۔ ''جدلیاتی نظریہ والا ہیگل کا اصول بالواسطہ طور پر تصورات کے باہمی رشتوں کے متعلق یہ بتاتا ہے کہ خود ہیگل کے خیال کے خلاف اصل عمل کے منکشف ہونے کا جو خلاصہ یا قائدہ ہے وہ پرندوں کی

پل بھر کی چہچہاٹ، فضاء میں چمکیلے پسینے کی مہک، شاخ بید کے اوپر اُترتی شام کی سادگی بھری خوبصورتی کے ادراک سے آزاد ہوتا ہے......"

"کیا بکواس ہے!" ایلیسا کہتی ہے۔ "میڈم لنچ اور ہمدم! ایک آئرش بہادر عورت اور پاراگوائی کے اُس آمر کا سچا قصہ جس نے امریکی ملت کو تباہ کر دیا" مصنف یہ نہیں جانتا ہے کہ جتنی زیادہ وہ اس کی تضحیک کی کوشش کرتا ہے، اتنی ہی زیادہ وہ اسے...... اسپینی لفظ کے صحیح تلفظ میں اسے تھوڑی دشواری ہو رہی تھی۔

"اسپینی میں 'اسٹول' (Extol) کو کیا کہتے ہیں؟"

"پتہ نہیں کیا کہتے ہیں!"

"نوگلوری فائی، نواکزالٹ......"

"شائد Enalteer...... یا ایسا ہی کچھ ہے۔"

"خیر، جانے دو۔ وہ اُسے لنچ خاندان کی ایک گری ہوئی عورت، انگلینڈ سے بھاگنے والی کسی آئرش لڑکی کی طرح اور لوپیس سے ملنے سے قبل پیرس میں ایک فاحشہ کی شکل میں پیش کرتا ہے حالانکہ ان سب کی وجہ سے وہ اور بھی غیر معمولی بن جاتی ہے۔"

"پیاری، دیکھو اتنا مشتعل مت ہو۔ اپنی کتاب میں وہ سب کیوں سمیٹ رہی ہو؟ ماضی میں کسی کی کوئی دلچسپی نہیں۔ وہ صرف اپنے بارے میں پڑھنا چاہتے ہیں۔"

"اس کا نام تمھارے نام سے مماثلت رکھتا ہے؟ تو کیا ہوا؟ دنیا میں جانے کتنے لنچ ہیں۔"

"یہاں تک کہ چے کے نام میں بھی لنچ تھا۔ ارنستو گوارا لنچ"

"ہو سکتا ہے وہ میرا رشتہ دار ہو۔"

"مذاق مت کرو۔"

"ہو سکتا ہے تو تو...... آئرلینڈ والے رشتے سے...... میڈم لنچ بھی میری رشتہ دار ہوئیں اور چے بھی۔"

"میری دانست میں تم پہلی یانکی ہو جسے رشتوں کا اتنا پاس ہے۔"

"...... چاہے وہ لنکن کی برڑوا بکواس کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔"

"ایک مرتبہ کا سابلانکا کی ایک گیلیشین عورت نے جو بہت ٹیڑھی تھی اور جسکے نام کے ساتھ بھی گوارا مربوط تھا، اُس نے چے کو اُس زمانہ میں خط لکھا جب وہ وزیر تھے۔ جانتی ہو انہوں نے کیا جواب دیا: 'مجھے ٹھیک ٹھیک نہیں پتہ کہ میرے خاندان کا اسپین کے کس حصے سے تعلق ہے۔ بلا شبہ

میرے آبا اجداد نے ایک قدم آگے اور ایک قدم پیچھے کے انداز میں اُس ملک کو بہت پہلے ہی چھوڑ دیا تھا۔ اگر مجھ سے وہ سب سنبھالا نہیں جا رہا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ میرے لیے ایسا موقف موزوں نہیں"...... اور آخر میں لکھا "مجھے نہیں لگتا کہ ہم قریبی رشتہ دار ہیں لیکن جب کبھی دنیا میں ناانصافی ہوتی ہے اور آپ اُسے دیکھ کر غصّے میں کانپنے لگتی ہیں تو سمجھئے کہ ہم دونوں ساتھی ہیں اور سب سے اہم بات یہی ہے!"

"جہنم میں جائے آئرش!"

سنگ مرمر کی سیڑھی سے ویرونیکا نے گھٹنوں پر جھکے ایک پتلے دُبلے نوجوان کو دیکھا جس کا خون کندھے پر لگی رینک والی پٹیوں اور غیر ملکی کرنسی کی چوری کی شرمندگی بھری یادیں جھیل رہا تھا۔

"کیسے ہو چیپی؟"

اپنی فریبی مسکراہٹ کے ساتھ اس کا استقبال کرتے ہوئے اُس نے اپنی بانہیں پھیلا دیں۔

"ہائے!" اُسکی آواز ناک سے نکل رہی تھی۔

"بیٹھو!" اُس نے جیسے حکم دیا۔ چیپی ہرے رنگ کی مخملی کرسی کے کنارے پر ڈرتے ڈرتے بیٹھا۔

"تمھارا میک اپ بہت اچھا لگ رہا ہے۔ بالکل اولیویا لگ رہی ہو!"

"اولیویا تمھاری دوست ہوگی نا! جب میں سولے کے گھر سے واپس لوٹی، وہ بے وقوف البیرتو نہانے کے لیے گھسا۔ گانا وہ اتنی اونچی آواز میں گاتا ہے گویا پارانا (Parana) کا مالک وہی ہے اور وقت کا تو اُسے ہرگز خیال نہیں رہتا۔"

"کیا بات ہے!" چیپی ہکلاتے ہوئے بولا۔

"تم جھٹ پٹ نہا تو لو گے؟"

"ہاں!" وہ جھینپ گیا۔

"ویسے بھی تمھیں پُٹھے ڈٹھے دھونے کی ضرورت نہیں پڑتی ہوگی...... یہ تو بتاؤ تم صابن پہلے کس طرف لگاتے ہو؟"

"ارے...... یہ سب بالکل ذاتی باتیں ہیں، نہیں؟" چیپی تھوڑی اونچی آواز میں بڑبڑایا۔ اُسے محسوس ہوا کہ اس کے منہ میں لعاب آنے لگا تھا اور سوکھی پریشان زبان تالو سے چپک رہی تھی۔ گھبراہٹ میں اُس نے آنکھیں مچکائیں، ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ ابھی رونے لگے گا۔ ویرونیکا کرسی

کے نقاشی والے بتھے پر اس کی بغل میں بیٹھ گئی۔

''تمھیں میری چھاتیاں اچھی لگتی ہیں؟'' اپنی چھاتیوں کو اس کی ناک کی طرف جھکاتے ہوئے اس نے فحش انداز میں پوچھا۔ چیپی نے دیکھا کہ اس نے برا نہیں پہن رکھی ہے اور وہاں سے نم تیز مہک بھی آ رہی تھی۔ اُسے پسینہ آنے لگا اور اس کی تیز سانسیں بھی دھوکہ دینے لگیں۔ اس کے چہرے کی زردی عجیب و غریب قسم کی مضحکہ خیز ہنسی میں تبدیل ہو گئی۔

''یہ تمھیں پسند ہیں؟ پسند ہیں نا؟''

ویرونیکا نے گرجتے ہوئے پوچھا اور اپنے سخت ہاتھوں سے گردن سے پکڑ کر اس کا عربی چہرہ اپنی مہکتی گولائیوں کے درمیان دبا لیا۔

ایلیسا کہتی ہے۔ ''جب ویرونیکا اور البیرتو اپنے کام میں لگے ہوتے تب ایواریستو اپنی راتیں گومیر سینڈو لارین (Gumersindo Larrain) نام کے ایک موٹے بریگیڈیر کے ساتھ شطرنج کھیلتے ہوئے گذارتا تھا جو وسط امریکا کا تھا۔''

آخری گھوڑا اپنی جگہ پر تھا۔ وہ ہر شروعات ہر چال کا مطالعہ بڑی سنجیدگی کے ساتھ کیا کرتا تھا۔

''آپ کی چال، ڈاکٹر!'' بریگیڈیر کو کہتے سنا۔ اس کی آواز میں معمول کے تئیں فوجی ادب شامل تھا۔

''ہاں، سوچ رہا ہوں۔''

عجلت کی ضرورت نہیں ہے۔ کچھ لمحوں کا غور و خوض چال کے سلسلے میں اور پھر فتح یقینی۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ہاتھی دانت کی نقاشی والے مہرے بھی طنز سے ٹکٹکی باندھے سب کچھ دیکھ رہے تھے۔ بریگیڈیر بمشکل کھڑا ہوا۔ سبز چار خانے کی قمیض کے بٹن کے درمیان اس کی بالوں والی کسی ہوئی توند صاف نظر آ رہی تھی۔ وہ بار تک ٹہلتا ہوا گیا۔ اس نے گرینڈ مارنیئر (Grand Marnier) کی بوتل اُٹھائی۔ ہاتھ میں باریک کانچ کا گلاس لیے اُس عیاشی بھرے کمرے میں تھوڑی بہت چہل قدمی کی لیکن نظر اپنے حریف کی آنکھوں پر تھی جواب بھی شطرنج کے بورڈ پر مرکوز تھیں۔ اُسے یقین تھا کہ اُس نے اپنے حریف کو دام میں لے لیا ہے۔ وہ ایک بے معنی حسابی جیت کا مزہ لے رہا تھا اس کھیل میں جواب اُس کے لیے واحد میدان جنگ تھا۔ ساریا کیروگا ابھی کچھ طے نہیں کر پا رہا تھا۔ اُس آسیبی خوابگاہ میں جہاں ماہرین نفسیات کو بھی اپنی کراہیت چھپانا پڑتا تھا، وہ ذہنی اُلجھن کے درمیان ایک زبردست چال تلاش کر رہا تھا۔ ماضی کے تسلی بخش معیاروں کے نرم پڑ جانے کے سبب وہ ایک ملول پختگی کے آغوش میں تھا۔ ویرونیکا باہرا کیلے ہی نکلی۔ وہ اس کی مخالفت کرتا بھی کیسے؟ اور البیرتو......؟

اس کے پاس نہ تو وقار تھا اور نہ ہی حوصلہ۔ اُسے نہ تو نسلوں کا فرق معلوم تھا اور نہ ہی برادریوں کا۔ گمنام اور بڑی عمر کے بگڑے ہوئے لڑکوں سے گھرا رہتا تھا۔ گندی بستیوں میں رہنے والوں کے گیتوں پر سیٹیاں بجاتا اور سستی فاحشاؤں کی تصویروں سے اپنا کمرہ سجاتا۔ اس نے کبھی کسی بھی عورت کے ساتھ رشتہ نہیں بنایا یہاں تک کہ اُس بارہ سال کی تنومند نوکرانی سے بھی نہیں جسے اُنہوں نے گذشتہ سردی میں اپنے جانوروں کے فارم پر اُسکی خدمت کے لیے رکھا تھا...... اسطرح وہ بدچلن تو ہوگا ہی! پچھلی گرمی میں ہارورڈ سے یہی تو ملا۔

''جو جدو جہد کرتا ہے اُمید اس کے قدم چومتی ہے'' بریگیڈیر جیت میں مسکراتے ہوئے بولا۔ وہ آرام کرسی کے گل بوٹوں کو کچلتا ہوا دوبارہ بیٹھ گیا۔

''وقت سے پہلے اپنی پیٹھ نہیں تھپتھپانا چاہئے'' ساریا کیروگا نے اپنا گھوڑا آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ بریگیڈیر کی آنکھوں میں نا اُمیدی کوندگئی۔ مرغ بازی کے بعد تھکے ہارے مرغ کی مانند وہ ایک دوسرے کو اب بھی 'آپ' کہنے کا تکلف برتتے تھے۔

''لارین نے جنگ میں زخم نہیں پیسے کمائے ہیں!'' ایلیسا نے آدھی اُداسی اور آدھی ناراضگی بھری مسکان بکھیری جس پر کوئی بھی اُسکا بوسہ لے سکتا تھا۔ ''جب سے اس کی بیوی کی موت ہوئی تھی وہ کچھ بارسوخ لوگوں کے ساتھ مل کر چکلوں کا ایک نیٹ ورک چلا رہا تھا...... لیکن جیسا کہ تم جانتے ہو عیش و عشرت پر وہ دولت خرچ کرنے کا عادی نہیں، اسے تو بس شراب پسند تھی اور شطرنج۔ اُس کے اور ساریا کے درمیان کچھ تو مماثلت تھی، یہ تو کہا ہی جا سکتا ہے۔''

□□□

باب:8

''فلم دیکھتے ہوئے کھانا بدتمیزی ہے'' ویرونیکا کہتی ہے۔
''میں کھا کہاں رہا ہوں، بس چبا رہا ہوں۔''
''کچھ بھی ہو، مجھے تو کوفت ہو رہی ہے۔''
''چلو، ٹھیک ہے۔'' چیپی چیونگ گم کو اپنی کرسی کے نیچے چپکا دیتا ہے۔
''گھِن آتی ہے۔''
''تمھیں فلم اچھی نہیں لگ رہی ہے؟''
''نہایت واہیات ہے۔''
''باہر چلنا ہے؟''
''نہیں، باہر گرمی ہے۔ اے۔سی۔ کا فائدہ اُٹھاتے ہیں کیونکہ اس کے لیے پیسے دیے ہیں۔''
''پیسے تو میں نے دیے ہیں۔''
''بس تم یہی کر سکتے ہو۔''
چیپی تھوک نگلتا ہے۔
''تم بالکل چغد ہو۔''
''خدا کے واسطے، ویرونیکا!''
وہ اس کا ہاتھ پکڑتا ہے لیکن وہ اپنا ہاتھ تیزی سے کھینچ لیتی ہے۔
''اتنی زور سے مت بولو۔ لوگوں کو بُرا لگے گا۔''
''لوگ جائیں بھاڑ میں۔''
''اچھا، صرف میری خاطر!''
''تو بھی جا بھاڑ میں!''

چیپی اسے نظر انداز کرتے ہوئے اپنا رُخ پردے کی طرف کر لیتا ہے۔

بے چارہ للو! اس کی آنکھوں سے چنگاریاں سی نکل رہی تھیں۔ ''میں شرط لگا سکتی ہوں کہ تو ابھی تک کنوارہ ہے۔''

وہ آہستہ سے اپنا گلا صاف کرتا ہے۔ بالکل ساکت، اس کی آنکھیں سامنے ایک زرد چمکدار چہرے پر ٹکی ہیں۔ گردن اینٹھتی ہے اور وہ گلے میں پھنسے بلغم کو نگلنے کی کوشش کرتا ہے۔

''انتیسرویو کی وہ کاپیاں مجھے کیوں نہیں دکھاتا جو تو نے کمرے میں رکھی ہیں۔ تجھے کیا لگتا ہے، مجھے ان کے بارے میں کچھ پتا نہیں؟ کیا اس میں سب کچھ دکھا دیتے ہیں صاف صاف؟ ویسا ہی وہ کرتے بھی ہوں گے؟''

چیپی کی بلوری آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہیں۔

''اُنہیں کس وقت دیکھتا ہے تو؟ تمام دروازے بند کرنے پڑتے ہوں گے، ہے نا؟ کیونکہ ٹھیک اُسی وقت اگر تیری بڑھیا آ گئی تو؟...... میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا؟''

چیپی سسکیاں بھرنے لگتا ہے۔

''مشت باز!''

پاس کی سیٹوں سے لوگ اُن کی طرف تضحیک آمیز انداز میں دیکھنے لگتے ہیں۔

''چوتیے سالے!''

ہچکیاں لیتے ہوئے چیپی سیٹ سے اُٹھتا ہے۔ ''باتھ روم سے آتا ہوں۔''

''جہنم میں جاؤ!''

قالین والے اندھیرے گلیارے میں جاتے ہوئے ویرونیکا اُسے دیکھتی ہے۔ اُسے ٹھوکر لگتی ہے، وہ جیب سے رومال نکالتا ہے۔

''ڈیشیل ہیمٹ (Dashiell Hammett) کہتے تھے کہ اُس وقت خاتمہ کی شروعات ہوتی ہے جب آپ کو یہ لگتا ہے کہ آپ میں ایک ادا ہے'' ایلیسا کہتی ہے۔ ''حقیقت یہ ہے کہ ہم امریکا میں انگریزی محض اتفاقاً بولتے ہیں جبکہ لاطینی امریکا میں تم لوگ اپنی مجبوراً بولتے ہو۔''

''اندر آ رہا ہے نا جانوں!''

لکڑی کے دروازے سے اُن عورتوں میں سے ایک نے اشارہ کرتے ہوئے آواز دی۔ یہاں کی بدنام لال روشنی میں ان کا ہر عضو نمایاں تھا۔

''اُن کی سانسوں میں بدبو ہوتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی سانسوں میں بدبو ہوگی۔'' رات کی تاریکی میں اسٹیرنگ پر اکیلے بیٹھے البیر تو بدبدایا۔

''ذرمت پیارے، آ تو جا، بس گھڑی بھر کے لئے۔ صرف بات چیت کریں گے۔'' اُسے ایک زبردست قہقہہ سنائی پڑا جیسے گرمی میں ڈھیر سارے کوے کاؤں کاؤں کررہے ہوں۔ اس کی لاکھ منت سماجت کے باوجود اُس کے اچھے دوستوں نے بھی اس کے ساتھ یہاں آنے کے لیے منع کردیا تھا۔ اُس نے اُنہیں للکارتے ہوئے کہا تھا، ''کبھی تو اس کا مزہ چکھنا ہوگا۔ آج نہیں تو کل!''

''میں نے تو چکھ لیا ہے، اب تیری باری ہے۔'' ایک نے تو صاف صاف جھوٹ بول دیا۔

''مگر مجھے وہاں ایک نہ ایک دن جانا ہی ہوگا'' البیر تو نے اپنے آپ سے سرگوشی کی۔

وہ کار سے اُتر جاتا ہے اور کار کو لاک کرکے سڑک پار کرتا ہے۔ جب وہ بے جان جھریوں سے بھرے چہروں کے قریب پہنچا تو اس کے پاؤں کانپنے لگتے ہیں۔ روغن سے چپڑے ہونٹ، سستے رنگ سے رنگے بال، پتلی نحیف گردن، گہرے کاجل سے لدی بھدی نظریں، دانتوں سے کترے گئے ناخن۔ دو عورتیں اس کے بازو پکڑ لیتی ہیں، اُنکی گرفت سے وہ خود کو آزاد کرتا ہے اور اندر داخل ہوتا ہے۔ آنگن کے سامنے، چھجے کے نیچے ایک دیوار کے ساتھ جس پر پہلے سے کچھ کلینڈر جھول رہے تھے، لوہے کی دو چار بینچ پڑی تھیں۔ اُن پر کچھ جوڑے ایک دوسرے سے چپکے ہوئے تھے۔ اندر ہلکی روشنی میں، دو گنجے آدمی نے اپنے گلاس بار کے کاؤنٹر پر رکھے ہوئے تھے۔ پچھلے دروازے سے چھن کر آتی ہوئی چاندنی میں ارگیل کے درخت کی اذیت جھیلتی لمبی پرچھائیاں اینٹ کے فرش پر آویزاں تھیں۔

اپنی پشت پر وہ ایک آواز سنتا ہے۔ ''اکیلے ہو؟'' ایک پستہ قد عورت بڑی مامتا کے ساتھ اُسے اپنے سونے کے دانت دکھاتی ہے۔ وہ بڑی حقارت سے اُسے کنارے کردیتا ہے۔

ایک عورت ایک گوشے سے اپنے ساتھی کو کھینچتی ہے اور دونوں پالیتو اورتیگا ای کاسیت [ارجینٹینا کا پاپ گانے والا :Palito Ortega Y Gesst] کے ایک گھسے پٹے ریکارڈ پر اسطرح ناچنے لگتے ہیں جیسے وہاں اُن کے سوا کوئی اور نہ ہو۔ البیر تو اُن سے آگے نکلا اور ایک بیئر مانگی۔ تاریکی میں ہی ایک گندا ہاتھ باہر آیا اور اس کے ہاتھ میں بیئر کا ایک کین تھما دیا گیا۔ البیر تو ایک لمبا گھونٹ لیتا ہے۔ بیئر گرم تھی، وہ تھوک دیتا ہے۔ کاؤنٹر پر ایک بڑا سا نوٹ رکھ دیتا ہے۔

''بس اتنی ہی لڑکیاں ہیں یا اور بھی ہیں؟''

''جو سب سے اچھی ہیں وہ کام پر لگی ہوئی ہیں سر! آپ تھوڑا انتظار کرلیجئے۔''

اُبکائی روکنے کی کوشش میں وہ ایک رومال سے اپنے کھٹے منہ کو صاف کرتا ہے۔ آنگن میں ارگیل

کے درختوں کی جانب سے آتی ہوئی بے جان ہوا بھی حبس سے تھوڑی راحت دلاتی ہے۔ ایک موٹا آدمی قمیض کے بٹن بند کرتا ہوا کمرے سے باہر نکلا۔ اس کے پیچھے کٹے ہوئے بالوں والی ایک ناٹے قد کی عورت نظر آتی ہے جسکے ہاتھ میں چلمچی ہے۔

''مارسیانا! خدا کے واسطے میرے لیے تھوڑا پانی لے آؤ۔''

ایک عورت کھڑی ہوتی ہے اور اس کے ہاتھ سے چلمچی لے لیتی ہے۔ دروازہ دوبارہ بند ہو جاتا ہے۔ موٹا آدمی کاؤنٹر پر پیسے دیتا ہے۔ البیرتو کو اس کے پسینے اور بالوں کے سستے کریم کی بو ملتی ہے۔ اُسکی مونچھ سے پسینے کی کانپتی ہوئی بوندیں ٹپکتی ہیں۔ بھونڈی ہنسی ہنستے وقت اس سے بد بو آتی ہے اور اس کی سانسیں اب بھی تیز تیز چل رہی ہیں۔ وہ آدمی میتیسو زبان میں الوداع کہتا ہے جسے البیرتو نظر انداز کر دیتا ہے، دروازے کے قریب ڈولتی لڑکیوں کی چوتڑوں پر ہاتھ پھیرتا ہے اور ایک مشہور ٹینگو (Tango) کی دھن پر سیٹیاں بجاتے ہوئے باہر نکل جاتا ہے۔ سیٹیوں کی آواز رفتہ رفتہ گم ہو جاتی ہے۔

''معاف کرنا! کیا وہ لڑکی اب خالی ہے؟''

''ہاں صاحب، جیسے ہی وہ کپڑے پہن لیگی وہ باہر آ جائیگی۔''

مارسیانا صاف پانی لیے لوٹ آتی ہے اور دروازے پر دستک دیتی ہے۔ دروازہ کھل جاتا ہے۔

''شکریہ میری جان! صاف چادریں بھی لادے۔''

البیرتو بار کے کاؤنٹر پر اپنی پشت مارلن برانڈو کے فلمی انداز میں ٹکاتا ہے۔ اس کی بغل میں دو گنجے چپ چاپ سگریٹ کا دھواں چھوڑے جا رہے تھے۔ کچھ لمحوں بعد، ناٹے قد کی وہ عورت اپنی گھبرائی اُنگلیوں کو کٹے ہوئے بالوں پر پھیرتی ہوئے باہر نکلتی ہے۔ البیرتو اُس کے قریب جاتا ہے۔

''آؤ بیٹھتے ہیں!'' وہ کہتی ہے۔ بینچ پر اس کے بازو پکڑ کر اسے اپنی جانب گھماتا ہے اور اس کے کالر کو چومتا ہے۔

''مہک بُری نہیں ہے!''

البیرتو سوچتا ہے۔ اُسے محسوس ہوتا ہے کہ اس کے دانت تھوڑا آخروٹی ہیں۔

''تمھارا نام کیا ہے جان من؟''

''البیرتو! اور تمھارا نام؟''

''مالینا!''

''دے ماریا ایلینا یا پھر ماگدالینا؟''

''صرف مالینا!''

''تمھاری عمر کیا ہے؟''

''سترہ!'' وہ اس کے ہونٹوں پر پھسپھساتی ہے۔ البیرتو کانپ جاتا ہے۔

''میری بہن جتنی!'' مسکرا کر اس کے پیٹ کو سہلاتے ہوئے پہلی مرتبہ اس نے سیدھے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''دراصل میرا نام مالینا نہیں ہے! میں یہاں اپنے اسکول کی فیس کا انتظام کرنے آتی ہوں۔''

اپنی زبان اس کی زبان میں پھنساتے ہوئے البیرتو بولنے کی کوشش کرتا ہے۔

''اگر تجھ سے کوئی بیماری نہیں ہوئی تو میں یہاں اکثر آ سکتا ہوں۔''

''میں یہاں پیر، بدھ اور جمعہ کو آتی ہوں'' وہ اُسے بتاتی ہے۔

''کیا تم نے کچھ غور کیا؟'' چیپی نے پوچھا۔ اس کے ہاتھ اسٹیرنگ کو جکڑے ہوئے تھے اور آنکھیں سامنے زبان کی طرح لہراتی ہوئی تارکول کی ڈھلان پر ٹکی تھیں جس میں جلتی بجھتی روشنیاں شگاف ڈال رہی تھیں۔

''کیا؟''

''تو نے غور کیا کہ میں رو رہا تھا؟'' ویرونیکا نے اس کی جانب دیکھا۔

''ایسا کچھ بھی تو نہیں۔ گاڑی آہستہ چلاؤ۔''

''ساٹھ کی اسپیڈ بھی تو نہیں ہے۔''

''پھر بھی، اور آہستہ!''

اس نے ایکسیلیٹر پر پاؤں کا دباؤ کم کیا۔ رفتار کی سوئی کا رُخ بائیں جانب ہوگیا۔ ویرونیکا اصلی چمڑے کی نرم سیٹ پر پھیل گئی اور اس نے اپنے بال کھلی ہوئی کھڑکی سے آنے والی ہوا میں اُڑنے کے لیے چھوڑ دیے۔

''مجھے سیدھے گھر لے جا رہا ہے؟''

''اور کہاں جائیگی؟''

ویرونیکا نے خاموشی سے اس کے ہڈی والے چہرے پر ایک نگاہ ڈالی۔

''چل، ندی کنارے چلتے ہیں!''

وہ اچانک بولی۔

''پاگل ہوگئی ہے کیا؟''

''چل، ندی میں تیرینگے۔''

''ویرونیکا، تو سنک گئی ہے۔ میرے پاس تو نہانے کے کپڑے بھی نہیں ہیں۔''

''میرے پاس بھی نہیں ہیں، گدھے! چلتے ہیں ندی کنارے۔ تجھ سے کہہ رہی ہوں نا!''

''اور اگر اُنہوں نے ہم سے شناختی کارڈ مانگے تو؟''

''اگر تو نہیں چلتا تو میں یہیں اُتر جاؤنگی اور اکیلی چلی جاؤنگی۔''

''مگر تیرینگی کیسے، ننگی؟''

''میں تو نہاؤنگی۔ جیسے میری مرضی ہوگی ویسے۔ چلتا ہے؟''

''ویرونیکا! کسی اور دن چلیں گے...... ابھی تو مجھے بھوک بھی لگ رہی ہے۔''

''گاڑی روک!''

''کیا کہا؟''

''گاڑی یہیں روک!''

''بے وقوفی مت کر!''

''میں نے کہا نا، مجھے یہیں اُترنا ہے!''

''چلتی گاڑی سے کودے گی؟''

''گاڑی روک چوتیے!''

''ویرونیکا! گاڑی ٹکرا جائیگی۔''

''میری بلا سے!''

چیپی نے بریک لگائے اور گاڑی کنارے کھڑی کر دی۔ ویرونیکا کی آنکھیں اس قدر سیاہ کبھی نہیں نظر آئیں تھیں۔ ان سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔ اس لڑکے کو تو اُس وقت وہ پہلے سے بھی زیادہ حسین معلوم ہو رہی تھی۔

''آخری مرتبہ میں تجھے اپنی مرضی کی کرنے دے رہا ہوں۔''

''ٹھیک ہے پھر! انجن چالو کر، چلتے ہیں۔''

''لیکن تجھے بھی مجھے خوش کرنا ہوگا!''

''کیا کہنا چاہتا ہے، تو میرا ریپ کرے گا؟''

چیپی شرم سے سرخ ہو گیا۔

''میں تیرا ایک بوسہ لینا چاہتا ہوں۔''

''اگر تو مجھے سونا چاندی دیگا، تب بھی نہیں۔ تو نے اپنی شکل دیکھی ہے؟''

''ویرونیکا! صرف ایک!''

ویرونیکا نے ایک پل کے لیے اس کی طرف دیکھا اور اپنی آنکھیں بند کرلیں۔

''چل، جلدی کر بے وقوف!''

چیپی اس کی جانب آہستہ سے جھکا اور اپنے کانپتے ہونٹ اس کے ہونٹوں پر رکھ دیئے۔

ویرونیکا بھی کانپ گئی۔

''بس ہوگیا، اب ندی کنارے چلتے ہیں۔''

کار چل پڑی۔ اس نے رفتار پکڑلی اور کچھ ہی لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ ایک برساتی نالے کے قریب تھے۔

''اُدھر، بائیں طرف چل۔''

پتھروں اور درختوں کی شاخوں سے ٹکراتے ہوئے، گاڑی شاہراہ سے ہٹ کر پشتے کے راستے پر نکل پڑی۔

''ویرونیکا، یہ تو بہت گندہ لگ رہا ہے۔''

''گانڈوگیری مت کر۔''

''نہیں، سچ کہہ رہا ہوں۔ کار میں خراشیں پڑ سکتی ہیں۔''

''ہم بالکل قریب پہنچ چکے ہیں۔ تجھے پانی کی ٹھنڈک محسوس نہیں ہورہی ہے؟ کتنا حسین لگ رہا ہے!''

خوشی کے مارے اس کا جسم ڈول رہا تھا۔ درختوں کے ایک جھرمٹ کے درمیان وہ ٹھہر گئے۔

''لائٹ بند کردے۔''

چیپی نے بات مان لی۔ وہ گاڑی سے باہر آگئی اور اپنی بانھیں اس نے دودھیا آسمان کی جانب پھیلادیں۔

''چل، ڈبکی مارتے ہیں۔''

''ویرونیکا، تیری قسم! میرے پاس صرف یہ جانگیا ہے۔''

''اپنے جوتے اُتار، میرے جوتوں میں تو ریت بھر گئی ہے۔ لے پکڑ، انھیں گاڑی میں ڈال دے۔''

اُس نے جوتے اس کی طرف اُچھال دیئے۔ کار کے دروازے سے اُس نے دیکھا کہ وہ اپنے

بلاؤز اُتار رہی تھی۔ اسے لگا کہ اپنے او پر قابو پانا مشکل ہو رہا ہے۔

''تو آ رہا ہے یا نہیں؟''

''......ابھی تو نہیں۔''

ویرونیکا نے لاپرواہی سے کندھے اُچکائے اور دوڑ پڑی پانی کی سیاہ پٹی سے اُٹھتی سرسراہٹ کی طرف جو اُس بیکراں خاموشی میں اپنا راستہ بنا رہی تھی۔ اس نے اپنے پیر پانی میں ڈالے تو کانپ اُٹھی۔

''اوہ، بہت ٹھنڈا ہے۔'' وہ چیخ پڑی۔ ایک گہری سانس لی اور پوری ڈبکی لگا ڈالی۔ ''آ جا اُتو! بہت مزہ آ رہا ہے!''

نرم موجوں میں شدت جذبات سے سسکاریاں بھرتے ہوئے، اپنی چڈی سنبھالتے ہوئے وہ کسی درویش کی مانند پانی میں چھپا چھپ کر رہی تھی۔ بالکل مبہوت چیپی نے بھی اپنے کپڑے اُتارے اور ساحل کی طرف دوڑ پڑا، کٹیلے اور جنگلی پودوں کو اُچھل اُچھل کر پار کرتا ہوا۔

''پورا غوطہ لگا میرے یار!''

چیپی نے پورا غوطہ لگایا اور اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کے پھیپھڑے برف کے تودوں میں تبدیل ہو گئے۔ اس نے سر بھی اندر کر لیا اور پھر باہر نکال کر پانی کی بوندیں جھٹکنے لگا۔

''مزہ آ گیا!'' وہ غرارہ کرنے کے انداز میں ہنسا۔

''اب سمجھ میں آیا!'' ویرونیکا نے اس کا ہاتھ کھینچا۔

''آ جا، اور آگے گہرائی میں چلتے ہیں۔''

''وہاں خطرہ ہو گا!''

''واہ! یہاں اور بھی ٹھنڈا ہے۔ کتنا مزہ آ رہا ہے۔ دیکھ رہا ہے؟ چل، آ جا...... آ جا!''

''ویرونیکا میں تو ڈوب رہا ہوں۔''

''عجیب بزدل ہے! فکر مت کر پیارے، ممی تجھ میں نقلی سانس بھرنے جا رہی ہے، منہ سے منہ ملا کر۔ ٹھیک ہے؟''

اندھیرے میں پانی کے گھونٹ بھرتے ہوئے چیپی شرم سے لال ہو گیا۔ وہ بہت دیر تک ایک دوسرے کو چھوئے بغیر اُچھل کود کرتے رہے۔ اور یہ سلسلہ اس وقت تک چلتا رہا جب تک کہ موسم بہار کے سورج کی نازک شعائیں نسیم سحر کے دوش پر سوار نہ ہو گئیں۔

''اچھا تو اب میں باہر نکل رہی ہوں۔'' ویرونیکا نے اچانک کہا۔

چیپی نے اُسے باہر نکلتے اور ساحل پر اپنے بدن کے مختلف حصّوں سے پانی نچوڑتے ہوئے دیکھا۔ اس نے کچھ قدم بڑھائے حالانکہ وہ ابھی ندی کے اندر ہی تھا کہ ویرونیکا کی آواز نے اُسے روک دیا۔

''رُک جا، دیکھ مت!''

آہستہ آہستہ اُس نے اپنا آخری کپڑا بھی ہٹا دیا۔ صبح کی ہلکی روشنی میں چیپی کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ ساحل پر ویرونیکا کا بدن پیچ و تاب کھا رہا تھا، وہ اپنی ہی جانگھوں کو سہلا رہی تھی اور اپنی چھاتیوں کو بھینچ رہی تھی۔ پانی کی سطح کے نیچے، چیپی نے اپنے عضو میں تناؤ محسوس کیا۔ اس کا چہرہ شرم سے لال ہو رہا تھا۔

''تو باہر نہیں نکل رہا ہے؟''

''ہاں...... بس ابھی...... بات یہ ہے کہ...... میرا جانگھیہ کہیں گر گیا ہے اور میں اُسے تلاش کر رہا ہوں۔''

''حد ہے، اتنا شرمیلا! میں تو یہ سوچ رہی ہوں کہ گھر تک ننگی ہی چلوں۔ سوکھ بھی جاؤں گی۔''

''بس تھوڑا رُک جا!''

ویرونیکا نے اپنی برہنہ کرتب بازی دوبارہ شروع کردی، اپنا ننگا پیٹ اُس کی طرف اُچکاتی ہے۔

''یا خدا!'' چیپی بدبداتا ہے۔ اس کے عضو کا تناؤ ہر لمحہ بڑھتا جاتا ہے۔

''اب تک تو بالکل تن کر کھڑا ہو گیا ہو گا!'' اپنی حرکتیں جاری رکھتے ہوئے۔

''کیا کہا؟''

''میں نے کہا کہ تیرا تو اب تک تن کر کھڑا ہو گیا ہو گا۔'' ویرونیکا نے پھر چلّا کر کہا۔

چیپی کا چہرہ ایک مرتبہ پھر شرم سے لال ہو گیا۔

''کوئی بات نہیں!''

''کیا مطلب؟''

''میں نے کہا، کوئی بات نہیں۔ یہاں آجا۔ میں اسے دیکھنا چاہتی ہوں۔ تو چاہتا ہے کہ میں اسے چھوؤں؟'' چیپی تھر تھر کانپنے لگا۔ ابھی بھی کمر تک پانی میں تھا لیکن ساحل کی طرف ایک قدم بڑھاتا ہے۔ دفعتاً ویرونیکا چلّائی۔

''نہیں، ایسے نہیں۔ اپنا جانگیا میری طرف پھینک!''

''کیا؟''

''اپنا جانگیا میری طرف پھینک! جب تو ننگا باہر نکل رہا تھا تو بہت خوبصورت لگ رہا تھا۔''

’’ویرونیکا! تو پاگل ہوگئی ہے۔‘‘

چیپی کے گلے سے مرغ کی بانگ جیسی آواز نکلی۔

’’اگر تو اُسے پھینکے گا تو میں اُسے پیار سے سہلاؤں گی۔‘‘

چیپی کسی پتّے کی طرح لرز رہا تھا۔

’’ایک منٹ رُک جا!‘‘

وہ بڑبڑایا۔ پانی کے اندر ہی اُس نے جانگیا اُتارا اور اسے ساحل کی طرف پھینک دیا۔ ویرونیکا نے جانگیا اُٹھالیا۔ وہ اُسے کولہے مٹکاتے ہوئے کار کی سمت جاتے دیکھتا رہا جب تک کہ وہ پشتے کے پیچھے غائب نہیں ہوگئی۔

’’میرے خدا!‘‘ چیپی نے دوبارہ آواز لگائی۔ اس کی کپکپی اب بھی جاری تھی۔ دفعتاً اُس نے انجن کی آواز سنی۔ کٹیلے اور جنگلی پودوں کو لانگھتے ہوئے، جھولتے فوطوں اور دھونکنی جیسی سانسوں کے ساتھ وہ پیڑوں کے جھرمٹ تک پہنچ گیا۔ ساری اُمیدوں پر پانی پھر گیا۔ وہ صبح کی لالی کی آغوش میں کار کی ٹھنڈی نارنجی روشنی کو کہیں دور غائب ہوتا ہوا دیکھتا رہا۔

□□□

باب:9

وہ گندھک جلا رہے تھے۔ شمع دان کی پژمردہ بانہوں پر مرتی ہوئی سات موم بتیوں سے اُبکائی پیدا کرنے والی گاڑھے دھوئیں کی مہک اُٹھ رہی تھی۔ ان کی بتیوں سے نکلتی نیلی روشنی گول میز کے ارد گرد چکّر لگاتی مادہ مخلوقات کی جھریّوں کو اور بھی مکروہ بنا رہی تھی۔ لبادہ اوڑھے بھورے گدھ، جھالر والے دوشالے کی مغموم آواز میں خاکستری گٹھریوں کے ساتھ مینڈکوں کی مانند اِدھر اُدھر بھٹک رہے تھے۔ سرسراتی پرچھائیوں سے بھری اُس سیلن زدہ ہوا میں ایک دھندلا سا زرد چہرہ نمودار ہوتا ہے اور پھر غائب ہو جاتا ہے، بدکار قہقہے اور ایک غدّار کے خنجر کی لمحاتی چمک سے پیدا بازگشت سردرات میں جمع ہوتی ہے۔

"مجھے یاد نہیں کہ میں کون ہوں" اُن سیاہ پرچھائیوں میں سے ایک نے ایسے کہا جیسے کسی دوسرے کی آواز کی اُداس نقل ہو۔ "اب میں عظیم پاناسی (گوارانی میں اس کا مطلب ہوتا ہے 'تتلی' گوارانی کے شاعر مانویل اورتیس گیریرو کی مشہور نظم 'پاناسی ویرا' کی طرف اشارہ) سے ملنے جارہی ہوں۔ میں اندھی ضرور ہوں لیکن چنڈول کی آواز، اپنی جلد پر شبنم کے قطرے اور اپنے ننگے پاؤں کے نیچے چبھنے والے کنکروں کو محسوس کر سکتی ہوں۔"

جس ڈور کو سب نے پکڑ رکھا تھا اور جس نوٹ بک کو وہ ایک دوسرے کو تھما رہے تھے ان پر کسی نے بدبودار قئے کر دی۔

"اچھا، اس تنہا لمحے میں مجھے کیوں پکار رہی ہو؟ مجھے تمھاری شرمیلی، تشدد بھری آنچ کی کتنی ضرورت ہے......"

سب سے بوڑھی عورت ایک چیخ کے ساتھ زمین پر لڑھک گئی۔ اس سے بے نیاز دوسری عورتیں ڈکار لیتے ہوئے اور کھانستے ہوئے گندھک جلاتی رہیں۔ ایک اُبھری نسوں والا ہاتھ جس پر 'ملکہ معجزہ' کا گودنا نقش تھا لہراتے حروف میں گھسیٹے گئے کچھ الفاظ پکڑ رہا تھا۔

''یہی ہیں! ہاں، وہ یہیں ہیں۔ مجھے ان کی ہذیان آمیز چیخ سنائی دے رہی ہے۔ بادلوں کو شکست دینے والے، آندھی اور طوفان اُگلتے چلے آرہے ہیں۔ کوئی بھی نہیں بچ پائیگا، قہر آخر ہے...... تنظیم نوثانی!''

حبس بھری خاموشی میں ایک اور طوفان۔ کسی نے ہیجانہ کر دیا تھا۔ طویل چیخ وپکار سے غول کا وجد ٹوٹ گیا۔ بیہودہ موم بتیوں نے اپنے شہوت انگیز جسم کو چاٹ لیا۔ وہ ہانپ رہی تھی۔ نشے میں دھت اس کی زبان اس کے منہ کی پیاسی لار میں لوٹ رہی تھی۔ اس کا پسینہ چمک رہا تھا اس کے ان ہاتھوں کی جلتی تڑپ میں جو اُس کے پھولے ہوئے پستانوں سے پھسل کر اس کی جانگھوں کے نرم تنگ راستے سے ہوتے ہوئے اس کے بدبودار اعضائے تناسل تک پہنچ رہے تھے۔

''میرا بدن جیڈ، کائی اور ہاتھی دانت کا ہے۔ میں کنواری تیندوے کی طرح خوبصورت ہوں۔ س کا وجود چمیلی اور اولے کے لئے، کوڑھی اور دوشیزہ کے لئے، دھات اور تازہ پانی کے لئے، ہجڑے اور بڑے مکڑے کے لئے۔''

اس کی ست رنگی آواز جیسے کہ اس کی جنگلی شہوت پرستی کے جوالا مکھی سے اُڈتے شعلے مگر ایسا نہیں لگ رہا تھا کہ یہ آواز اس کے اندر سے آرہی ہو۔

''ناگ پھنی کے پھول لاؤ۔ مجھ پر تھوکو!''

بدبودار ہلکی روشنی میں بدصورت بوڑھی عورتوں نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔ کچھ کھڑی ہو گئیں۔ وہ کانٹے اُٹھا لائے۔ پہلے کچھ بے دلی سے اور پھر زبردست غصّے میں، چوہوں کی مانند چوں چوں کرتے ہوئے اُنہوں نے اُس پر یلغار کر دیا۔ وہ لہولہان ہو رہی تھی مگر مسکرائے جا رہی تھی۔ چاندی کی کشیدہ کاری والے ریشمی گاؤن سے آزاد اسکا سوجا ہوا بدن ایک برہنہ رقص میں تبدیل ہو گیا۔

''اوہ یسوع! مجھے ایک اژدہا چاہئے''

وہ اسے موم بتیوں کے قریب لے آئے اور اس کے ہاتھ لو پر رکھ دئے۔ کمرے میں جلتے ہوئے گوشت کی مہک پھیل گئی۔ ایک مہین سی آواز میں وہ گانے لگی۔

''میں ایک ابابیل ہوں۔ مجھے نہ کوئی درد دے سکتا ہے، نہ ٹھنڈک، نہ اُداسی۔ چلو پی لیں، کہاں ہے گریل؟''

ایک بڑھیا نے اُسے پیشاب کا برتن تھما دیا۔ اس نے غٹ غٹ پی ڈالا۔

''میری پیاری دوستوں! تمھاری نجات کی خاطر...... نجات کی ٹوپی!''

اپنے زخمی ہاتھوں سے اُس نے وہ بدبودار برتن اپنے سر پر رکھ لیا۔ وہ زور زور سے ہنسنے لگی جیسے ہی ایک گاڑھا پیلا سیأل اُس کے چہرے پر ٹپکنے لگا۔ بے ڈول شکل وصورت والی وہ عورتیں ایک دوسرے کو کالے خرگوشوں کی طرح دھکیل رہی تھیں۔ دفعتاً وہ خاموش ہوگئیں۔ صرف اُنکی لرزتی ہوئی سانسیں سنائی دے رہی تھیں۔ اس عورت نے ایک خشک پھونک مار کر موم بتی بجھا دی۔ وہ اُٹھ بیٹھی۔ خون کے تھکّوں سے چپڑی اس کی چھاتی صبح کی ہوا میں سانس لینے لگی۔

نیچے سڑک کی سمت کھلنے والے دروازے کی بجتی ہوئی گھنٹی دھندلی روشنی کو کانچ کی مانند چور چور کر رہی تھی۔ دیودار کے بھاری بھرکم دروازے کی گھنڈی پر اس کا ہاتھ، بھیگے ہوئے بال اور کپڑے ابھی بھی بدن سے چپکے ہوئے۔ ویرونیکا کو ہال میں ہی گندھک کی مہک محسوس ہو رہی تھی۔ اچانک خوفناک خواب والی ایک چیخ نے پورے گھر کو ہلا کر رکھ دیا۔

''میرے پیالے میں کائنات کی شکل کا بچھو ہے!''

''مجھے انتقام لینے کا ایک موقع مل سکتا ہے کیا؟''

''کسی اور دن بریگیڈیر...... اب تو صبح ہونے والی ہے۔''

''ایک اور جام؟''

''نہیں، بس شکریہ!''

''ڈاکٹر...... مجھے معلوم ہے کہ گھر کے معاملے گھر کے اندر ہی نمٹائے جاتے ہیں لیکن مجھے لگتا ہے جیسے کچھ مسائل آپ لوگوں کو پریشان کر رہے ہیں۔ کاش میں آپ کی مدد کرسکتا! آخر ہم اتنے دنوں سے ایک دوسرے کے دوست ہیں۔''

ساریا کیروگا خاموشی سے اپنی آنکھیں جھپکاتا ہے۔ اس نے گرینڈ مارنیئر (Grand Marnier) کی نیند لانے والی بو محسوس کی۔ موٹے آدمی نے اس کے کمزور کاندھوں، سفید گھنی قلم، زرد ملائم ہونٹ، مغرور ناک اور مضبوط ٹھڈی پر اپنی سپاٹ نظریں دوڑائیں۔ اس کی بھوری آنکھوں کی پتلیوں میں کوئی تبدیلی نظر نہیں آئی۔ اس کی کھوئی کھوئی سی آنکھیں تھوک میں خریدی گئیں اگیلار (Aguilar) کی بہترین کتابوں والی وسیع لائبریری کے گوشوں میں بھٹک رہی تھیں۔

''میری بیوی، خدا اس کو سکون بخشے، مجھے چھوڑ گئی'' بریگیڈیر کے لہجے میں اصرار تھا ''اب میں تنہا ہوں، رنڈوا...... لیکن میں اپنے شادی شدہ دوستوں کو سمجھتا ہوں۔ اور میں...... اب میں کیسے بتاؤں...... میرے اندر خدمت خلق کا ایک فطری جذبہ ہے۔''

ساریا آخر میں کہتا ہے۔

''میں بھی تنہا ہوں۔ میرے پاپا بھی مجھ سے بات چیت نہیں کرتے۔ وہ اپنے جیرینیم کے پودوں میں ہی اُلجھے رہتے ہیں...... آپ کو تو معلوم ہی ہے!''

''کرنل؟ بے شک' اُن کو تو جانتا ہی ہوں۔ بہت ہی نیک آدمی ہیں، دون آلیخاندرینو (Don Alejandrino) اپنے ملک کے ہیرو ہیں۔ کیا عمر ہوگئی ہوگی اُن کی؟''

''مجھے تو لگتا ہے کہ وہ سدا بہار ہیں...... دراصل مجھے ان کی عمر کا کچھ پتا بھی نہیں۔ ویرونیکا سے اُن کی اچھی خاصی دوستی ہے۔ ایسی دوستی کہ پچھلے برس جون میں جنرل ہیگ کے خلاف احتجاج میں سڑکوں پر ہونے والے شرمناک مظاہروں میں اُنہوں نے اُسکی مدد بھی کی تھی۔ ذرا سوچئے، اچھے گھروں کی لڑکیوں نے محافظ دستوں کی لاٹھیاں کھائیں! دراصل سب کچھ گڑھا گیا تھا۔''

''کمیونسٹ کبھی چپ نہیں بیٹھتے۔''

''اور میرے پاپا ویرونیکا کی پیٹھ ٹھونکتے رہتے ہیں، آپ یقین کریں گے؟ البیرتو سے بھی اُن کی خوب پٹتی ہے حالانکہ وہ لڑکا اپنی بہن کے مقابلے زیادہ متین ہے۔ آخر فادر مارسیلین...... آپ ان کو جانتے ہیں نا؟ وہی ہیں جنکے سامنے میں اعتراف گناہ کرتا ہوں۔ ان بچے ہوئے پادریوں میں سے ایک جنھیں واقعی پادری کہا جا سکے۔''

''کچھ لوگوں نے بتایا کہ وہ آزاد خیال قسم کے ہیں۔ محض گپ بازی ہوگی، کیوں؟''

''جب میری بیوی اپنا ذہنی توازن...... کھو بیٹھی تھی تو میں نے فادر مارسیلین سے التجا کی تھی کہ وہ میرے بیٹے البیرتو کی روحانی پرداخت کی ذمہ داری قبول کریں...... لیکن اب تو وہی علیل ہوگئے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ بستر مرگ پر ہیں۔ اُن کو بھی دل کی...... میری طرح!''

''لیکن آپ تو سانڈ کی طرح توانا ہیں۔''

''خیر! ویسے بھی مجھے پتا نہیں کہ مارسیلین کے بغیر اُس اسکول کا کیا ہوگا...... وہ پاراگوائی بشپ کاسیریس آگیا ہے وہاں!''

''داڑھی والے ایک بوڑھے نے مجھے اس کے متعلق بتایا تھا۔ لگتا ہے وہ بھی کمیونسٹ قسم کا ہے۔ اصلی باسکی ہے۔''

''بوڑھا ضرور ہے لیکن بوڑھا نظر نہیں آتا۔ چاکو کی جنگ میں شامل تھا، میرے پاپا کی طرح۔''

''لال جھنڈے والا!''

''بے چارے مارسیلین...... اُنہیں لاطینی اور یونانی پر ایسی دسترس ہے جیسے خود ان کی زبان

ہوں۔ بالکل صوفی ہیں۔ ہمیشہ بے صبر اور پریشان حال۔ میں ان سے کہتا ہوں کہ فادر، آپ اپنے دل کا خیال نہیں رکھتے۔ لیکن وہ ڈاکٹروں کے دوست کبھی نہیں رہے۔ مجھ سے کہتے ہیں ''فکر مت کرو، میرے پیارے ایواریستو! میں حضرت جبریل کے حوالے ہوں۔'' وہ حضرت جبریل کے بڑے زبردست مقلد ہیں، آپ کو اس کی خبر ہے؟''

''ہاں، وہی جنھوں نے مریم سے کہا تھا کہ وہ حاملہ ہوں گی۔ ہم لوگ 'سرکیلو' میں ان کی عبادت کرتے ہیں۔''

□□□

باب :10

بشپ سیمون کاسیریس نے گھبرا کر اپنی گھڑی کی جانب دیکھا۔ تین گھنٹے کی تاخیر! کوریئنٹیس شہر کے چھوٹے ہوائی اڈے کے عجیب وغریب ریستوراں میں اس کی اکیلی میز پر کافی کے چار خالی کپ بکھرے پڑے تھے۔ بہت اُکتاہٹ بھرا ماحول تھا اور پڑھنے کے لیے بھی کچھ نہیں تھا۔ بینگنی چمڑے کی جلد والی بائبل کو اُس نے مرسیڈیز میں ہی چھوڑ دیا تھا۔ ہوا کے مخالف 150 کیلومیٹر فی گھنٹے کی رفتار سے، سرخ نرم تشدد والے سورج کے ساتھ، اب وہ دن کے اُجالے میں اُتر رہا تھا۔ ریستوراں کے بھاری مٹ میلے پردوں سے اب کرنیں چھن کر آرہی تھیں۔ آخر کار، آسون سیون (Asuncion) سے تاخیر سے آنے والے ارجنٹینین ایئر لائنس کے جہاز کے پہنچنے کا اعلان ہوا۔ بشپ نے میز پر کچھ نوٹ چھوڑ دئے اور ایک داڑھی والے پھٹتے آتش فشاں کی مانند کھڑے ہوگئے۔ باہر بچوں سے بھری چھت پر اُنہوں نے اپنے بڑے بڑے ہاتھوں سے آنکھوں پر سایہ کرلیا۔ دور اُفق میں بادلوں کے درمیان انجن کی کرخت آواز قریب آنے لگی۔ 707 کی آمد پر بھیڑ نے راحت بھرا نعرہ لگایا۔ بھاری بھرکم دھات کے دروازے سے تھکے ہوئے مسافروں کا پہلا جتھا باہر سیڑھیوں پر آیا۔ تھوڑی دیر بعد، توتو آسواگا اپنے خستہ نیلے اوورکوٹ کی لاپرواہ سلوٹوں کے ساتھ ایک سوٹ کیس کھینچتے ہوئے کسٹمس سے باہر نکلا۔ کاسیریس اُس پر گر پڑا، اُسے مزید کچلتا ہوا۔ اس نے کہا۔

''آپ ہی ڈاکٹر روبیرتو آسواگا ہوں گے؟''

سلوٹوں والا کوٹ پہنے آدمی نے گھبرا کر سر ہلایا اور حامی بھری۔ سفید بالوں والے اُس قوی ہیکل نے اپنا بیگ ایسے کھینچا جیسے وہ پروں سے ہلکا ہو۔ بے داغ سیاہ سیڈان کار تک دونوں خاموش چلتے رہے۔

''گرمی ہے، ہے نا؟ آپ اپنا کوٹ اُتار لیں۔''

جیسے ہی کار نے رفتار پکڑی آسواگا نے سگریٹ سلگالی۔

''کیا آپ بھی اسکول میں پڑھاتے ہیں؟'' دھوئیں کے چھلّے کھلی کھڑکی سے باہر اُڑاتے ہوئے اُس نے پوچھا۔

''نہیں، میں آرچ بشپ ہوں'' کاسیریس نے اطمینان کے ساتھ کہا۔ آسواگا نے حیرت سے دیکھا۔

''او...... کیسا چل رہا ہے؟'' کچھ لمحے بعد اُس نے پوچھا۔

''کیا کیسا چل رہا ہے؟''

''وہی...... آپ کا تعلقہ...... یہی کہا جاتا ہے نا؟''

پادری کسی فکر میں ڈوب گیا۔

''ہمارا کل اثاثہ جنگ نے تباہ کر دیا لیکن میں نے یہ عہد کیا ہے کہ جو کچھ بھی بچ گیا ہے اُسے میں اپنے ملک کی خدمت میں صرف کر دوں گا'' فرانسیسکو سولانو لوپیس نے لکھا تھا۔

''مجھے محسوس ہوتا ہے کہ ابھی کچھ مسائل ہیں۔ خاص کر، گذشتہ سال جون میں طلباء کے مظاہروں کے بعد۔ حکومت کی مداخلت سے بچنے کے لیے اسکول کی ذمہ داری مجھے قبول کرنی پڑی۔ آرچ بشپ کے تعلقہ کی نگہبانی کوئی آسان کام نہیں۔ دراصل کچھ بھی آسان نہیں۔''

مرسیڈیز ہوا کی رفتار سے سڑک پر رواں تھی۔ آسواگا نے اپنی سیٹ پر کچھ بے چینی سے پہلو بدلا۔ گاڑی میں سامنے کی طرف فینڈر پر لگے ہوا سے لہراتے ویٹیکن کے جھنڈے کی جانب سگریٹ پھینکی اور کھڑکی کے شیشے کو آدھا اوپر چڑھا لیا۔

''کوریئنٹیس کے آرچ بشپ مجھے لینے خود ہوائی اڈے پہنچ گئے، یہ کیونکر؟''

کاسیریس مسکرایا۔

''مسز گنتیر نے مجھ سے کہا تھا۔ وہ میس اونیس (Misiones) میں ہیں اور نو آبادیاتی عہد کے اسلوب پر تحقیق کر رہی ہیں۔ میرے خیال میں وہ پرسوں واپس آ رہی ہیں۔ وہاں سے آج کوئی پرواز نہیں تھی۔'

''میں سوچ رہا تھا کہ وہ کسی کیتھولک اسکول میں انگریزی پڑھا رہی ہے۔ اپنے پچھلے خط میں اُس نے یہی لکھا تھا۔''

''ہاں، اُن کا خیال ہے کہ اسطرح وہ کوریئنٹیس کے لوگوں کی طرز زندگی کو زیادہ بہتر طریقے سے سمجھ سکیں گی۔ لیکن وہاں ابھی کلاس شروع نہیں ہوئی ہے۔ ابھی وہ اپنی کتاب ختم کرنے کی عجلت میں

ہیں۔''

''ایلیسا ہمیشہ عجلت میں رہتی ہے۔''

''میرا خیال ہے امریکا میں وہ ایک مشہور پروفیسر ہیں۔ مشہور نہیں تو جانی پہچانی شخصیت تو ہوں گی ہی۔ یہ مت سمجھئے گا کہ میں ان کی تعریف اس لیے کر رہا ہوں کہ وہ ایک پاراگوائن کی بیوی ہیں۔''

''نہیں، آپ صحیح کہہ رہے ہیں۔ اُس کے لئے 'مشہور' لفظ درست ہے۔ وہ اپنے موضوع کی سب سے مشہور دانشور ہے۔''

''یہ جان کر مجھے خوشی ہوئی۔''

سو کیلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے ایک بہت مشکل موڑ کاٹتے ہوئے کاسیریس نے اظہار خیال کیا۔

''تو آپ کا تعلق بھی پاراگوائی سے ہے؟ سر، آپ کا موضوع کیا ہے؟''

''میں ایک جیسوائٹ ہوں!''

''اگر برازیل کبھی پاراگوائی پر قابض ہونے میں کامیاب ہوا تو بڑوسی ملکوں کا سیاسی توازن بھی خطرے میں پڑ جائے گا'' فرانسیسکو سولانو لوپیس نے لکھا تھا۔ آسواگا نے بشپ کی جانب ایسی نظروں سے دیکھا جیسے پوچھ رہا ہو کہ کہیں وہ مذاق تو نہیں کر رہے ہیں۔

کاسیریس پھر مسکرا پڑے۔

''معاف کریں گے، یہ مذاق مسز گنتیر نے اُس روز کیا تھا جس روز میرا اُن سے تعارف ہوا تھا۔ وہ میرے دفتر مجھ سے یہ پوچھنے کے لیے آئی تھیں کہ کیا وہ ہمارے اسکول میں انگریزی پڑھا سکتی ہیں۔ میں نے جب اُن سے پوچھا کہ ان کے خاوند کا مذہب کیا ہے تو اُن کا جواب تھا ''اقتصادیات۔''

''بہت خوب، گنتیر تو پروٹسٹنٹ ہے۔ آپ جانتے ہیں؟''

''نہیں!''

''آپ کے حق میں یہی بہتر ہے۔ خیر، میرے لئے زحمت اُٹھانے کے لیے آپ کا بہت بہت شکریہ!''

''آپ کا خیر مقدم ہے، آسواگا! دراصل اپنے ایک ساتھی پادری کی آخری رسومات کے لئے، جس کا انتقال آج صبح ہی ہوا ہے، مجھے ادھر ہی آنا تھا۔ وہ بہت بیمار تھے۔ ہم روحانی اعتکاف کے لیے اُنہیں ایک گھر میں لائے تھے۔ یہاں ہوا زیادہ پاک ہے۔ اس کے علاوہ، ڈاکٹروں نے بھی لوگوں سے ملنے کے لیے منع کر دیا تھا۔ اُدھر شمال مشرق میں وہ پل دیکھ رہے ہیں، وہ گھر وہیں ہے۔''

''کہیں وہ فرنچ باسک تو نہیں تھے؟''

''ہاں، فادر مارسیلین اسکول میں پڑھاتے تھے۔''

''ایلیسا نے مجھے ان کے بارے میں بتایا تھا۔ بہت تعلیم یافتہ تھے، اُس نے کہا تھا، لیکن بہت بڑے رجعت پسند بھی تھے۔''

''کہتے ہیں کہ ارجنٹینا کی آزادی کی روایتوں میں پاراگوائی کے ساتھ معاہدہ بھی شامل ہے'' خوان باؤتستا البیر دی نے لکھا تھا۔

''بات دراصل یہ ہے کہ طبقۂ اشراف سے تعلق رکھنے والی لڑکیوں کا یہ اسکول ہے اور مارسیلین نے یہاں کے بارسوخ لوگوں کے ساتھ اچھی خاصی دوستی کر لی تھی۔''

''جیسے ساریا کیروگا'' آسواگا نے کہا۔ کاسیریس کے چہرہ پر کوئی تاثر نہیں اُبھرا۔

''آپ کو تو پوری معلومات ہے'' اس نے لاتعلقی سے کہا۔

''نہیں، بات دراصل یہ ہے کہ ایلیسا نے مجھے مسز ساریا کیروگا کے متعلق بتایا تھا۔ اُنہیں خفقان کی شکایت ہے، ہے نا؟''

''ہاں!''

''وہ اتفاقاً ان کی بیٹی ویرونیکا کی معرفت ان سے ملی تھی۔ ویرونیکا اس کی اسٹوڈنٹ ہے۔ ایلیسا ان کی جانب اُس وقت متوجہ ہوئی جب اُسے یہ معلوم ہوا کہ وہ بوڑھی عورت خود کو میڈم لنچ سمجھتی ہیں۔ میڈم لنچ اُنیسویں صدی میں ایک آئرش فاحشہ تھی جو پاراگوائی کے تانا شاہ سولانو لوپیں کی معشوقہ تھی۔''

''وہ آئرش ضرور تھی لیکن فاحشہ ہرگز نہیں۔''

کاسیریس نے فوراً بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''خیر، جو بھی ہو۔ ایلیسا کا بھی ایسا ہی نام ہے۔ ایلیسا لنچ۔ کیا آپ اس اتفاق کا تصور کر سکتے ہیں؟ ایلیسا تو بُری طرح گرویدہ ہے۔''

''اُس کے والدین پارگوائی کی تاریخ کے بارے میں کچھ جانتے تھے؟''

''نہیں، آپ مذاق کر رہے ہیں کیا؟ اُس کا آئرش باپ تو پاگلوں کا سرتاج تھا اور اس کی ماں ایک ناخواندہ سیاہ فام عورت۔''

کاسیریس کار چلانے میں مصروف نظر آ رہا تھا۔ اب وہ خوبصورت جھاڑیوں کی باڑ سے گھرے عالیشان مکانوں کے درمیان لہراتی سڑک سے گذر رہے تھے۔ بے شمار گاڑیوں کی آمدورفت، گرد اور

شور کے ساتھ اُنہیں لال بتیوں پر روک رہی تھی اور اُنہیں پہنچنے میں دیر ہوتی جا رہی تھی۔ خستہ حال بسوں کا سیاہ زہریلا دھواں اُنکے پھیپھڑوں کو تباہ کر رہا تھا۔ کاسیریس نے کھڑکیوں کے شیشے چڑھا دیئے اور اے۔سی۔ چالو کر دیا۔ آسواگا نے پوچھا۔

''اور آپ...... آپ کا تعلق کس جگہ سے ہے؟''

''آسون سیون سے...... میرے والدین پامپالونا کے تھے۔''

''اچھا، مارسیلین کی مانند باسک!''

''نوارّے کے علاقے سے۔''

اپنی سیٹ پر تھوڑا اور آرام سے بیٹھتے ہوئے اُس نے کہا۔

''میرے والدین بھی اُسی علاقے کے تھے، سانتاندیر (Santander) کے۔ چاسکوموس (Chascomus) میں ان کی کریانہ کی دُکان تھی۔ ہم خط و کتابت کم ہی کرتے تھے۔ اپنی تعلیم میں نے امریکا میں مکمل کی۔ جب میں ان کے پاس جاتا تھا تو جشن جیسا سماں ہو جاتا تھا۔ میرے پاپا مجھے ہمیشہ کسی دون پیپے (Don Pepe) سے ڈراتے تھے۔ جب میں بچہ تھا تب بھی وہ مجھے وہی چیزیں دیتے تھے۔''

''اُن کے پاس تلی ہوئی قیر ماہی ہمیشہ دستیاب رہتی۔ آپ کو قیر ماہی پسند ہے؟''

''سان سیباستیان (San Saebastian) میں جیسی بنتی ہے ویسی لیکن بغیر ٹماٹر کے۔''

''جنگ اپنے ساتھ ناپاک جھنڈے ہر جگہ لے گئی، خفیہ جماعتوں اور سفارتی تجاویز نے نفرت انگیز مفادوں کے ناگوار معاہدوں کو جنم دیا...... امریکا کے شاندار انقلاب کی منطقی تکمیل سوالانو لوپیس کے پاراگوائی کی تباہی میں ہرگز نہیں تھی۔ یہی واحد طاقتور نظام تھا جو پرانے سامراجی زعم پر کمند ڈالنے میں مددگار ثابت ہو سکتا تھا...... اُن دنوں جنرل میترے خود کو یورپ کے مقابلے لاطین امریکا سے زیادہ قریب محسوس کرتا تھا۔ کتنی عجیب بات ہے کہ آج وہ خود کو اپنے ملک کے مقابلے برازیل سے زیادہ قریب محسوس کرتا ہے''

(خوسے ارنااندیس: ارجنٹینا کا شاعر Jose Hernandez: 1834-1886)

''اور جناب، آپ کو شیری پسند ہے؟''

''تیو پیپے (Tio Pepe) اچھی ہے لیکن میں عموماً کوگناک پسند کرتا ہوں...... اور کافی کی لذت بھی جیسا کہ بورخیس کہتے ہیں۔''

''اوہ، کوگناک مجھے بھی پسند ہے مثلاً فندادور (Fundador)''

''آپ کے والدین واپس اسپین لوٹے؟''

''ہاں، جب وہ بوڑھے ہوگئے۔ جب فرانکو کی موت ہوگئی۔ بعد میں اُنہیں یہ احساس ہوا کہ اصل میں اُنہیں اسپین نہیں چاسکوموس یاد آتا تھا۔ اس لیے وہ واپس ارجنٹینا لوٹ گئے۔ حالانکہ میری غیر شادی شدہ بہن وہیں مادرید میں رُک گئی۔''

''مسز گنتیر سے آپ کی کیسے ملاقات ہوئی؟''

''اوہ...... بہت پہلے! نیویارک یونیورسٹی میں منعقد دانشوروں کے ایک اجلاس میں۔ وہ پٹس برگ کی ہے لیکن واشنگٹن میں رہتی ہے۔ وہ میری لینڈ میں پڑھاتی ہے۔ ویسے تو اُسے دنیا بھر سے پڑھانے کی پیشکش ہوئی لیکن گنتیر ایک بینک کے صدر ہیں اس لیے وہاں سے کہیں اور نہیں جاسکتے۔ وہ میری سب سے اچھی دوست ہے۔ ہم کانفرنس وغیرہ میں اکثر ایک دوسرے سے ملتے رہتے ہیں۔ ایسے ہی چل رہا ہے۔''

''مسز گنتیر نے مجھے بتایا کہ اُن کو ایک بیٹی بھی ہے۔''

''گودلی ہے۔ وہ بھی ملاتو (Mulatto) ہے، ایلیسا کی مانند۔''

''نابینا ہے نا!''

''ہاں، تقریباً نابینا لیکن وہ اُسے چھوئی موئی کی طرح نہیں رکھتے۔ وہ بالکل اوروں کی طرح ہے۔ سترہ برس کی ہے۔ اس کا ایک عاشق بھی ہے، اوروں کی طرح۔''

''امریکا میں اپنے پاپا کے ساتھ رہتی ہے؟''

''نہیں، گنتیر کے پاس کبھی وقت نہیں ہوتا۔ وہ پٹس برگ میں دادی کے ساتھ رہتی ہے۔''

''ساریا کیروگا کی بیٹی ویرونیکا مسز گنتیر سے بہت پیار کرتی ہے۔ اس نے اس سے یہ بھی کہا ہے کہ وہ ڈاکٹری پڑھے گی تاکہ سرجری کے ذریعہ اس نابینا لڑکی کی آنکھ کی روشنی واپس لاسکے۔''

''کیا بکواس ہے!''

''آپ ہمیں پاراگوائی کے خلاف جدوجہد کرنے کے لیے بلاتے ہیں۔ کبھی نہیں جنرل۔ وہ ملک تو ہمارا دوست ہے۔ ہمیں آئرس اور برازیل کے خلاف ہتھیار اُٹھانے کو پکاریں گے تو ہم تیار ہیں۔ وہ ہمارے دشمن ہیں۔ ہمارے کان

میں ابھی بھی پائسانڈو (Paysandu) کی توپوں کی آواز سنائی پڑتی ہے۔ مجھے
انترے ریوس (Entre Rios) کے عوام کے سچے جذبات پر پورا اعتماد ہے"
رکارڈو لوپیس خوردان (Ricardo Lopez Jordan) نے لکھا تھا۔

''آسواگا کیا آپ بھی ادب پڑھاتے ہیں؟''

''ہاں، لیکن میں اسے سنجیدگی سے پڑھاتا ہوں۔ دراصل ایلیسا ایک ناول نگار بننا چاہتی تھی۔ میں اُس سے کہتا ہوں کہ جب تک تم خود کا سامنا نہیں کرتی، بالکل تن تنہا، یعنی دوسری لیسا کا سامنا، تب تک تم نہ تو سوانح نگار بن سکتی ہو اور نہ کہانی کار۔ باختین (Bakhtin) کے نزدیک دونوں ایک ہی ہیں۔ یہاں تک کہ پلوٹارک (Plutarch) اور دوسروں کے لیے بھی۔''

''کتنی عجیب بات ہے کہ ناول کو انگریزی میں 'فکشن' کہا جاتا ہے جبکہ اس میں حقیقت نگاری ہوتی ہے بلکہ حقیقت ہوتی ہے، آدمی کی تنہائی کی حقیقت۔''

''آپ پادری لوگوں کو تنہائی کے متعلق زیادہ علم ہوتا ہے۔''

''ہاں۔''

''کبھی کبھی اوکلا ہوما میں میں گرم گرم فنگر چپس کھاتا ہوں تو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے میں لاوائے اسٹریٹ میں ہوں...... خاص کر اُس وقت جب برف گرتی ہے۔''

''وہ کس چیز کے بارے میں لکھنا چاہتی تھی؟''

''میڈم لنچ کی داستان جیسا کہ میں نے آپ کو کہا۔ مثال کے طور پر اس نے لنچ اور لوپاس کی لندن میں رہائش کے بارے میں لکھا جب جارج ایلیٹ نے اُسکا تعارف مارکس سے کرایا۔ لوپیس 1844 کے مخطوطے پڑھ چکا تھا۔''

''لیکن اُن کو تب تک شائع نہیں کیا گیا تھا۔''

''اچھا فادر، آپ ذرا تصور کریں...... بات یہ ہے کہ تھیٹر کے بعد ایک رات مارکس اُنہیں میوزیم کے قریب ایک جگہ خوب گرم اور گاڑھے چکن سوپ کی دعوت دیتا ہے۔ لوپیس کو سوپ بہت پسند تھا۔ دسمبر کی سردی میں گرم سوپ سے اٹھتی بھاپ کے بیچ سے مارکس اچانک اپنی نظریں اوپر کرتا ہے اور ایلیسا سے کہتا ہے۔ ''تم کو، جس کے بچے پاراگوائین ہوں گے، اُسے یہ معلوم ہونا ہی چاہئے کہ ایک دن پورا لاطین امریکا سوشلسٹ ہو جائے گا۔'' ایلیسا کے مطابق لوپیس نے اپنا منہ بنایا کیونکہ وہ سنت سیمون کا مرید تھا۔ تب مارکس نے اُسے ٹھنڈا کرنے کے لیے اُسکی پیٹھ تھپتھپائی، اس طرح، اور کہا، ''جانے دو فکر نہ کرو۔ آخر اسٹروسنر (Stroessner) سے بُرا کیا ہوگا؟''

''غیر ملکی قرض کے سائے میں جانا پاراگوائی کے نظام محصولات کے خلاف ہے،
فرانسیسکو سولانو لوپیس نے لکھا تھا۔''

کاسیرلیس نے کہا۔''اس کی کہانی میری سمجھ سے باہر ہے۔''

''اچھا، تو پھر یہ سنئے! دوسرے دن لنچ اور وہ پاراگوائین پاگل او پیرا دیکھنے جاتے ہیں۔اب یہ نہیں پتا کہ پیرس کا تھیٹر تھا یا بیونوس آئرس کا کولون تھیٹر۔تب لوپیس اُس سے کہتا ہے۔

''مانو یا نہ مانو، بیونوس آئرس میں بہت سارے مثالی لوگ ہیں اور ہوں گے اور اُتنے ہی فرانسیسی جنگی کوئی حیثیت نہیں لیکن میں پیرس کو بیونوس آئرس اور اتنی ہی آسانی سے بیونوس آئرس کو پیرس کہہ سکتا ہوں'' اور وہ شہر کی سمت بڑھ گئے۔کتابوں کی دکانوں پر، سینما گھروں میں، سڑکوں پر جہاں ذائقہ دار گوشت اور جنوبی شراب کی خوشبو فضا میں تیر رہی تھی۔ وہ خوب سج دھج کر او پیرا جاتے ہیں اور ٹھیک اُس وقت جب مارگاریتا گاؤتیر (Marguerite Gautier) تڑپنا شروع کرتی ہے، لوپیس اس کی جانب جھک کر کہتا ہے۔''ایلیسا! حقیقت یہ ہے کہ موسیقی کے متعلق مجھے کچھ نہیں پتا لیکن مجھے یہاں بیٹھنا اس لیے اچھا لگتا ہے کہ یہ حرامزادے تمھارے حسن کا لطف لیں اور مجھ سے حسد کریں۔''

''بہت خوب! بہت رومانٹک کہانی ہے۔'' کاسیرلیس نے کہا اور آرچ بشپ کی حویلی کی پارکنگ میں مرسیڈیز موڑ دی۔

''اور بھی کہانیاں ہیں۔جنگ کے بعد، پیرس میں، مسز لنچ کو 'تیریرے' کی بہت یاد آئی۔حالانکہ پاراگوائی کی اس ٹھنڈی چائے کا ایجاد بہت بعد میں چاکو کی جنگ کے دوران ہوا تھا۔اُسے کاروبار ادب کا خیال آتا ہے اور یہ یاد آتا ہے کہ اسٹرن (Sterne) اور جوائس (Joyce) بھی آئرش تھے۔ایک نوجوان کی حیثیت سے لوپیس اس بزرگ ارتیگاس (Artigas) سے سنجیدہ معاملات پر بحث کرتا ہے جنھیں پاراگوائی سے معزول کر دیا گیا تھا۔دونوں وفاقی نظام پر گفتگو کرتے ہیں اور وہ بزرگ اُس انڈین عورت کی چوتڑ سہلاتے رہتے ہیں جو اُن کے لیے چائے بنا رہی ہوتی ہے۔'' کار کا انجن بند کرتے ہوئے کاسیرلیس نے کہا،''معاف کیجیے گا، ہم یہاں اُتر رہے ہیں اور آج رات آپ میرے مہمان ہونگے۔''

''بہت بہت شکریہ!''

آسواگا نے کہا۔وہ کچھ حیران سا تھا۔وہ کار سے اُتر گئے اور دھوپ میں ہی حویلی کی طرف روانہ ہو گئے۔

شائستگی سے گفتگو جاری رکھتے ہوئے کاسیرلیس نے کہا،'' یہ کہانیاں توئی (Tui) کی مانند

دانشورانہ ہیں لیکن مجھے بہت پسند آئیں۔ وہ ایک بے داغ روح کی تخلیق ہیں۔''

''کس کی مانند دانشورانہ؟''

''توئی کی مانند، بریخت کا ایک چینی ناول جو فرینکفرٹ اسکول اور اُن دانشوروں کے متعلق ہے جو امریکی فاؤنڈیشن کا پیسہ لینے کے لیے عصمت فروشی تک پر اُتر آتے ہیں۔ ایک بوڑھا امیر جسے دنیا کے درد کی فکر تھی، ایک روز گذر جاتا ہے اور وصیت کر جاتا ہے کہ اس کی ساری جائیداد ایک ایسی تنظیم پر خرچ کی جائے جو غربت کے اسباب کی تحقیق کرے۔ عین فطری ہے کہ غربت کے لیے اخیر میں وہی ذمہ دار پایا جاتا ہے۔''

> ''یہ سمجھنے میں ہمیں اب مزید تاخیر نہیں کرنا چاہئے کہ یونائیٹڈ اسٹیٹس پاراگوائی سے کیا چاہتا ہے۔ میں تمھیں ایک دوستانہ اور پر وقار معاہدہ کے لیے اپنی بہترین کاوشوں کا یقین دلاسکتا ہوں اور تمھیں بتانا چاہتا ہوں کہ اگر اُس سب سے طاقتور ملک نے ہمارے لوگوں کے ساتھ کوئی برا سلوک کیا تو مجھے سخت افسوس ہوگا۔ اپنے مقصد کی اہمیت پر ہمیں کوئی شک شبہ نہیں ہے اور اُسطرح کا کوئی بھی سلوک کسی بھی معاہدہ کو مشکل میں ڈال دیگا۔ امریکی جنھیں صرف اپنی روایت عزیز ہے، انصاف یا ایمان کے بجائے، اپنی طاقت کا احساس کرانے کے لیے ہمیشہ بندوق کی نلی سامنے رکھتے ہیں۔'' فرانسیسکو سولانو لوپیں نے لکھا تھا۔

آسواگا نے کہا،''ہاں، مجھے یاد ہے لیکن بریخت نے کبھی ختم نہیں کیا۔''

''امریکی عوام مکمل نجات کے کٹر مخالف ہیں کیونکہ اکیلے وہی ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ بہشت میں جی رہے ہیں۔ آداب، مدرتو روکس! یہ ڈاکٹر روبیرتو آسواگا ہیں جو ابھی سیدھے اوکلاہوما سے تشریف لارہے ہیں۔''

بزرگ عورت نے اُس سے ہاتھ ملایا اور کہا کہ انکا کمرہ بالکل تیار ہے اور تولیے وہیں الماری میں رکھے ہیں۔ اس کے بعد آرچ بشپ نے کہا کہ فادر مارسیلین کی تجہیز و تکفین شام چار بجے ہوگی۔

''میری اگلے ماہ ہوگی'' آسواگا بدبدایا لیکن کسی نے اس پر غور نہیں کیا۔

کاسیرلیس نے اُداس نیلے اوورکوٹ والے بوڑھے کو پستہ قد بزرگ نن کے پیچھے پیچھے دور تک جاتے ہوئے دیکھا۔ پھر وہ دونوں لفٹ کے جبڑے میں گم ہوگئے۔ دفعتاً اُسے یاد آیا کہ بائبل کو تو وہ

کار میں ہی بھول آیا تھا۔ کافی تھکا ہوا ہونے کے باوجود وہ مرسیڈیز تک گیا۔ جب وہ مارسیلین کو دلاسہ دے رہا تھا تو موت سے قبل اس نے کچھ جملے بدبدائے تھے۔ وہ جملے اُسے یاد آرہے تھے۔ ''ڈائن کو تم زندہ مت چھوڑنا!'' ٹھیک وہی جملہ جو اتفاقاً اُس نے آج صبح ہی پڑھا تھا۔ اپنے خیالوں میں گُم، اس نے جھٹ سے کار کا دروازہ کھولا اور بینگنی رنگ کے چمڑے کی جلد والی کتاب اُٹھالی۔ اور جیسے وہ نیم غنودگی کے عالم میں ہو، اُس نے 'ہجرت' سے وہ جملہ ڈھونڈ ھ نکالا اور ٹھیک اُسی وقت اُسے اپنے جسم میں بجلی سی دوڑتی محسوس ہوئی۔ بُری طرح خوف زدہ، اُس نے دیکھا کہ وہ صفحہ تار تار ہو رہا تھا اور اُس پر خون اور وحشی پن کے سبز نشان اسطرح نقش تھے جیسے کسی جگوار نے دانتوں سے کاٹ کھایا ہو۔

میڈم ایلیسا عالیسا لنچ لائبریری میں داخل ہوئی۔ وہ ایک میز کے قریب آئی جہاں ایک جوان لائبریرین بیٹھا تھا۔ اُسکی مشرقی پلکیں مسکرائیں۔ لنچ نے دو ریکارڈنگ مانگی۔ پھر وہ ایک بڑی کھڑکی کے نزدیک بیٹھ گئی جہاں سے پیرس کی خزانی صبح کی خوبصورتی کا برہنہ نظارہ کھلتا تھا۔ اُس نے پہلی ریکارڈنگ فرانسیسی زبان کی لگائی۔ اس میں بحیرہ روم کے جھلملاتے ساحل پر سفید پتھروں کے کھنڈروں کے بارے میں فرانسیسی زبان میں بیان کیا جارہا تھا۔ ایلیسا نے الجیریا کے متعلق سوچا۔ ہاں، وہاں حسن بھی ہے اور انکساری بھی۔ وہ آواز کہہ رہی تھی۔ ایک آدمی اور ایک مصنف کے طور پر میری جو بھی غلطیاں ہوں، میں کبھی بھی دغا نہیں کرسکتا۔ یہ یاوہ! جب آواز بند ہوگئی تو میڈم نے دوسری ریکارڈنگ لگادی۔ اُس نے موسم بہار کے ساتھ شروع نہیں کیا جیسا کہ وہ عموماً کیا کرتی تھی۔ اُس کے لیے پت جھڑ نسبتاً کم سنجیدہ اور زیادہ مناسب تھا۔ ایک دہقانی ملک سے نکالا ہوا کیونکہ مغربی شیخی نے کچھ کچھا پولو تہذیب کے جوش میں قتل عام کیا تھا۔ وہ اب ایک ڈایونیشین رقص کا لطف لے رہی تھی جو اطالوی تصوف کے سچے عشق سے منور، آگہی کے تاریک سائے سے دور، ان غیر مغلوب دہقانوں کی خاطر تھا جو ایک نشہ یا خواب تھے اور جو شائد پاراگوائی یا آئرلینڈ میں کہیں ہمیشہ کے لیے سو چکے تھے۔ لائبریری کی تنہائی میں، صبح کی صاف اور وسیع نیلی روشنی اس کی شفاف آنکھوں میں چھا گئی۔ سامنے چوک پر درختوں کی اداس شاخوں کے درمیان استادہ فلیگ اسٹاف نظر آیا۔ اُسے جمہوری تکبر کے ساتھ لہراتے دیکھ اس کے دل میں جھرجھری سی ہوئی۔ وہ

ترنگا اس کا اپنا تھا لیکن لال، سفید اور نیلے رنگ بالکل ویسے کے ویسے نہیں تھے، بالکل مختلف کیونکہ فرانسیسکو کے ہاتھوں وہ تباہ ہو چکے تھے! گھبرا کر اپنے گھسے ہوئے بیگ میں رومال ڈھونڈتے ہوئے، کچھ بے چینی کچھ چوری سے، ایک لاتعلق غرور سے چمکتی پتلیوں کے ساتھ جو کبھی آسمانی ہو جاتیں تو کبھی لہو کی طرح سرخ، اُس ایشیائی لائبریرین کو دیکھتے ہوئے میڈم سمجھ گئیں کہ جھنڈا اُنہیں کا تھا اپنی سیمابی آفاقیت کے ساتھ۔ ضد بھری خاموشی، دباؤ میں لطف و کرم، محض صبر و تحمل کی جراءت، صرف تقدیر یا بدقسمتی سے نہیں بلکہ اذیت اور بکتر پوش دشمنوں سے تحفظ۔ اگر یہ نہیں تو پھر اُمید کس چڑیا کا نام تھا؟ عوام کسی بوڑھے ماہی گیر کی مانند شارک اور تنہائی کے خلاف دور کھلے سمندر میں نبرد آزما تھے۔ وہ نفرت کے بجائے ستائش کے اہل تھے اور یہ بات کوئی نہ کوئی ایک روز جان لے گا۔ اس کی روح جس گھڑی ان سچائیوں سے آسودہ ہو رہی تھی، سرد ہواؤں نے ڈسنا شروع کر دیا۔ اس کی جلاوطنی کے اخیر میں اسے دونوں چیزیں واپس مل گئیں۔ ملک اور جھنڈا! مسرت والہام سے عاری انتظار، بڑے دن کی لاٹری کا انعام، بر فیلے کیرول سے خالی نیند، ناریل کے پھول اور وہ سخت زمین جہاں اُس کے پاراگوائین بچے ایک پل یا زندگی بھر کے لیے ٹھہر جائیں گے اور وہ ایک روز ستاروں کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھ سکے گی۔ ان سب کی خاطر اس نے ایک مرتبہ پھر کمر کس لی۔ اس کی سمجھ میں یہ بات آ گئی کہ امید، محبت، خدا اور موت سے پرے لائبریری کی وہ کرسی ہے، وہ تیز مہک ہے، آسمان اور خون کا وہ نوحہ ہے جس نے باغی آگ کی مانند بیری صبح کے وسیلے اپنی ہی راہ مسدود کر لی۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں، اپنے دانت بھینچ لیے اور بدبدائی، ''ہم ہوں گے کامیاب!'' جیسے ہی وہ ریکارڈنگ سے اُٹھی، کمرے میں دور ایک ویت نامی نوجوان کو جو اسپینی نہیں بول رہا تھا، مبہوت ہوتے دیکھا۔ مسکراتے ہوئے، غصے اور حوصلے کے ساتھ میڈم نوجوان سے اُسی کی زبان میں مخاطب ہوئیں۔ ''تم مجھے اسطرح کیوں گھور رہے ہو؟ کیا تمھیں صدائے بازگشت سنائی دے رہی ہے؟''

□□□

حصّہ دوم

باب:1

وہ 'فلاوبیت' نام کے اسٹڈی روم میں تھیں جس وقت پستہ قد، جھکی ہوئی اسکول کی بزرگ پرنسپل داخل ہوئی۔ اس کے فوراً بعد کاسیریس، آسواگا، برژوالباس میں کوئی نو وارد اور اپنی پیٹھ پر ایک بڑی ڈیسک اٹھائے ایک ملازم بھی آیا۔ جو سو رہی تھیں وہ سب اٹھ گئیں اور جیسے کہ کام کے درمیان اچانک کوئی آ گیا ہو وہ بھی اپنے پاؤں پر کھڑی ہو گئیں۔ وہ آسواگا کو غور سے دیکھ رہی تھیں جو بشپ اور ٹن کے درمیان چپ چاپ ایک سگریٹ جلائے ہوئے تھا۔ پرنسپل نے بااختیار لہجہ میں انھیں بیٹھ جانے کا اشارہ کیا۔ اپنا گلا کچھ صاف کرتے ہوئے اور کلاس کی طرف مخاطب ہوتے ہوئے اس نے بلند آواز میں کہا:

''فادر مارسیلین ...... کے انتقال کی خبر سے ہمارا اسکول سوگوار ہے۔ ایک استاد اور ایک پادری کی شکل میں ان کے مقام کو بھرنا بہت مشکل ہے۔ اس بے لوث استاد کی عدم موجودگی، خاص کر آپ بھی لڑکیوں کو شدت سے محسوس ہوگی۔''

کھیل کے میدان کی ہریالی کی طرف کھلتی ہوئی ایک بڑی کھڑکی کے پاس، اس کمرے کے آخری کونے میں بیٹھی، ویرونیکا اپنی طنز بھری مسکراہٹ چھپا لیتی ہے۔ بغیر ہلے ڈولے۔ وہ پیچھے سے دکھائی بھی نہیں پڑتی ہے۔ اس کے بال اس کے سر پر چھوٹے اور سیدھے کچھ اس طرح کٹے ہوئے تھے جیسے چھوٹے قصبے کی کسی گانے والی ٹولی کی رکن ہو۔ چہرے پر اکھڑپن اور فکر کے آثار تھے۔ سنہرے بٹن والی سوتی مخمل کی نیلی تنگ جیکٹ میں اس کے چوڑے کندھے اور پستان جکڑ رہے تھے۔ گرمیوں کی گھڑسواری کی وجہ سے آستین سے باہر نکلے اس کے ہاتھ خشک اور جھلسے ہوئے تھے۔ گیلس سے خوب کس کر باندھی گئی بھوری پینٹ سے باہر نکلے پیر نیلے موزے سے ڈھکے تھے اور ان کے اوپر دھات لگے ہوئے بھاری بھرکم، بغیر پالش کے جوتے تھے۔ اس نے اپنی دوست سولیداد کی لکھی ہوئی نظم گیند کی طرح اپنی مٹھی میں بھنچی ہوئی تھی جو اس نے میز کے نیچے سے پھینک کر پہنچائی تھی۔

پت جھڑ کے رنگ کے کیوں ہوتے ہیں یہ گھنٹے؟ اس سخت اور نہایت تلخی بھرے دن کی قسمت کو کون سا کارڈ بتاتا ہے؟ مجھے نہیں معلوم کہ کتنے لفظوں، بوسوں اور دکھوں کو ہے میرے ہونٹوں کا انتظار۔ لیکن میں انھیں کے ساتھ گاتی ہوں۔ میری آواز ڈکٹیٹر کے خلاف اور انگوروں، معصومیت اور زندگی کی حمایت میں کھڑی ہے۔ رواج کے مطابق ہی ہیں یہ لفظ۔ ان کا استعمال کرو۔ انھیں اپنی مٹھی میں بھر لو۔

پرنسپل نے اپنی بات جاری رکھی:

''میں آپ کی پریشانی کو سمجھتی ہوں، سر نے مجھے بتایا کہ آج آپ لوگوں کا فلسفہ کا امتحان ہوگا ہی جو فادر مارسیلین کا موضوع ہے...... آپ لوگ سوالنامے کو دیکھنے کے لیے بے چین ہو رہی ہوں گی...... پھر بھی اس سال کے تعلیمی سیشن کے اس آخری اجلاس کے موقع پر آپ سب سے اپنی بے حد عزیز دوست اور انگریزی کی استانی، ڈاکٹر ایلیسا لنچ دے گنترے کا تعارف کراتے ہوئے مجھے بے حد خوشی ہو رہی ہے۔ جن ڈاکٹر روبیرتو آسواگا کو آپ لوگ یہاں دیکھ رہے ہیں وہ سید ھے اوکلا ہوما سے انھیں سے ملنے آئے ہیں...... تو میں امید کرتی ہوں کہ آپ لوگ اس طرح کا مضحکہ خیز سلوک نہیں کریں گی جیسا پچھلے سال جون میں پولیس سے بھاگتے ہوئے کیا تھا۔''

کچھ دبی ہوئی ہنسی سنائی پڑی۔ پرنسپل نے لڑکیوں کی اس جماعت کو غصہ سے دیکھا۔

''ڈاکٹر آسواگا نے امتحان میں نگراں بننے کے لیے کاسیریس صاحب کی مدد کرنے کی منظوری بھی عنایت کر دی ہے۔ سال کے آخر میں اسٹیج ہونے والے ڈرامہ میں مدد کے لیے آپ لوگ شاید انھیں بھی آمادہ کر سکتی ہیں۔ اب آپ لوگ اپنی اپنی جگہ لیں اور کام میں لگ جائیں۔''

اس کا منہ ابھی بھی اپنی طویل تقریر ختم کرنے لیے کھلا ہی تھا کہ لڑکیوں نے مل کر ایک آواز میں سور کو بدھیا کرنے والے ایبریائی آدمی کی نقل کرتے ہوئے کہا:

ہر آدمی صرف اپنے لیے ہوتا ہے، لیکن خدا سب کے لئے۔

سبھوں کی ہنسی کے درمیان نن بھی مسکرائی۔ اس نے اپنی نظریں نیچی کر لیں۔ ان دو آدمیوں کی پیٹھ پر کچھ تھپکیاں دیں جو اس کے بالکل سفید لبادے کے محافظ معلوم پڑتے تھے۔ اور وہاں سے چل پڑی آسواگا نے اس شرارت بھری واہ واہی کے ختم ہونے کا صبر کے ساتھ انتظار کیا اور فرش کی آٹھ زاویائی ٹائلس پر اپنی سگریٹ کو رگڑ کر بجھا دیا۔ اب اس نے اداس آنکھیں اوپر اٹھائیں۔

''اچھا...... جیسا کہ مدر نے کہا......''

کاسیریس بیچ میں ہی بول پڑا۔

''...... جیسا کہ مدر توروکس نے کہا بھی۔ میں یہاں صرف جز وقتی طور پر ہوں۔ یہ تقریباً اتفاق ہے...... دراصل مجھے نہ تو کوئی زیادہ تجربہ ہے اور نہ ہی مڈل اسکول کے تعلیمی میدان میں باضابطہ ٹریننگ...... بلاشبہ یہ یونیورسٹی میں درس وتدریس سے کہیں زیادہ مشکل ہے......''

وہ تھوڑا کھانسا۔

''تمباکو کی آفت...... خیر جو بھی ہو میں کوئی لکچر نہیں دینا چاہتا۔ مجھے اور کاسیریس صاحب کو لگتا ہے کہ سوال نامہ آسان ہے...... ان سوالات کی تیاری میں ہم نے پوری رات خرچ کی ہے۔''

پوری جماعت ڈری ہوئی اور سرد آہ۔ اکتاہٹ کے ساتھ ہی سہی، لیکن آسواگا مسکرایا۔

''پلیز گھبرائیں نہیں...... میرے خیال سے یہ کافی آسان ہے۔ بغیر کسی پیچیدگی کے!''

''کوئی سوال۔''

بالکل خاموشی۔

''اچھا! جو بھی ہو، ایک بار آپ کے ہاتھ میں پرچہ آجائے تو سب سے پہلے یہ دیکھیں کہ کیا اس میں کوئی مسلہ ہے۔ ہم اس مسلئہ کو خوشی سے دور کریں گے جو ضروری سمجھا جائے گا۔''

سپر مارکیٹ کے ایک بیگ سے پیرامڈ جیسے پلندے کو کھول کر فوٹو کاپی کئے ہوئے کاغذات کو کاسیریس نے باہر نکالا اور ہر ڈیسک پر جا کر انھیں تقسیم کرنا شروع کیا۔ پھر ہر ایک طالب علم کے پاس جا کر سرگوشی کی۔

''پہلے اپنا نام لکھیں''

ان میں سے کچھ نے لجاجت سے کہا۔ ''ہمیں فیل مت کیجیے گا فادر......'' داڑھی والے بوڑھے آدمی کے سامنے توپو گھیگھیو (Topo Gigio) کی طرح انھوں نے گھبرا کر اپنی برونیا پھڑ پھڑائیں۔

اداس آسواگا نے دوسری سگریٹ جلائی اور کھڑکی سے باہر دیکھا۔ ٹینس کورٹ، دور کھلاڑیوں کے ٹریک، سات بہنوں کی طرح لڑکیاں ہاتھ میں ریکٹ اور ہوا میں کمر مٹکاتی ہوئیں...... ایک گرم اور خشک دوپہر، بالکل کھلا آسمان، بادل کا کہیں ایک ٹکڑا بھی نہیں۔ آسواگا خوب مزے سے دھواں اندر لے رہا تھا۔ سہمی ہوئی لڑکیوں کی جماعت کو دیکھ کر اپنے آپ کو اس نے اُداس پایا۔ کاسیریس اس کے پاس آیا۔ اس نے کہا:

''سب خیریت؟''

''کیوں نہ ہم ان سے پوچھ لیں کہ انھیں کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے؟''

''ٹھیک ہے، پروفیسر صاحب کا کہنا ہے کہ آپ لوگ ہم سے اپنے سوال پوچھیں''
جس طرح نن نے پہلے کیا تھا، ٹھیک اسی طرح جیسوئٹ بشپ نے اپنا گلا صاف کیا۔ لڑکیوں نے چپ چاپ نظریں اوپر کیں۔
پھر کئی ہاتھ اوپر اٹھ گئے۔ وہ لمبا تڑنگا شخص بغیر بے چین ہوئے ایک ایک ڈیسک پر گیا۔ اوب کے باوجود، بشپ کی جیکٹ کے بہترین ڈیزائن، بے حد لمبی پتلون، کالی ٹائی پر بھوری لکیریں اور سنہرے بالوں کے درمیان اس کی حرکتوں کو آسواگا دیکھ رہا تھا۔ اس کے کانوں میں کچھ ایسی آوازیں پڑ رہی تھیں جیسے دور کہیں کوئی ناگوار بھنبھناہٹ۔ بغیر کسی جوش کے اس نے ان لڑکیوں کے چہرے پڑھے، ان کی ڈرامائی حرکات وسکنات، مختلف طرح کی جسمانی بناوٹ، سخت کرخت چہرے، ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوششیں، تنہا یا کسی دوست کی خفیہ مدد سے۔ کاسیرلیس کی سوالوں کے ساتھ جنگ جاری ہے۔ ہمیشہ عقلمندی سے نہیں، پھر بھی وہ پرسکون اور مستعدی کے ساتھ جواب دے پا رہا تھا۔ آسواگا نے اس کی مدد کرنے کا فیصلہ کیا۔ بڑی کالی آنکھوں والی ایک پیاری سی گوری لڑکی نے اپنا ہاتھ اوپر اٹھایا۔ آسواگا نے کہا۔
''ہاں کہیے''
''یہ......''
''ہاں بولیے، میں بھی آپ کے سوال کا جواب دے سکتا ہوں۔ اس طرح سر کو ہم کچھ مہلت دے سکتے ہیں۔''
ویرونیکا کھڑی ہو کر کچھ حد تک پریشان لگ رہی تھی۔
''کیا آپ اپنا سوال بھول گئی ہیں؟''
آسواگا نے طنزیہ لہجہ میں پوچھا۔ ویرونیکا نے ساریا کیروگا والی وہ خاندانی ٹھنڈی اوپر اٹھائی جس نے پدرو دے منید وسا (1487-1537: بیونوس آئرس کا بانی) کے بانی کے ہلکے جہازوں سے سمندر جوتے تھے۔ اس کی آواز چار صدیوں کی توانائی سے بھری ہوئی تھی۔
''نہیں...... میں یہ جاننا چاہ رہی تھی کہ ہم نے جو مضمون لکھا ہے اسے ہم کب جمع کریں؟''
''کیا؟''
''فادر مارسیلین نے ہمیں مضمون لکھنے کو دیا تھا۔ ہم نے وہ تیار کرلیا ہے۔''
''اوہ! کس موضوع پر مضمون تھا؟''
''ہیگل پر!''

انھوں نے ایک ساتھ جواب دیا۔

''اوہو، دلچسپ! آپ لوگ اپنا مضمون جمع کر سکتی ہیں۔''

آسواگا اس کو تجسس بھری نظروں سے دیکھتا رہا۔ ان بے درد آنکھوں کو جواب مضمون پر ٹکی ہوئی تھیں، اور تیز چلتی ان انگلیوں کو جو جواب لکھ رہی تھیں۔ آخر میں کورینتیس چرچ کا صدر اس کے پاس آیا۔

''آپ بیٹھنا پسند کریں گے؟''

اس بھاری بھرکم آدمی نے کہا۔ آسواگا نے نرمی کے ساتھ حامی بھری۔ وہ دونوں لکڑی کے وزنی ڈائس پر چڑھ گئے، جوان کے وزن کی وجہ سے ڈگمگا گیا۔ کانفیڈریشن (اسپین سے آزادی کے ابتدائی سالوں میں بیونوس آئرس کے ماتحت ارجنٹینا کے علاقوں کا اتحاد) کے زمانے کی میز کے پیچھے پلاسٹک کی ایک آرام دہ کرسی تھی۔ کا سیریس خود میز پر بیٹھ گئے اور جواہرات جڑی انگوٹھی والی انگلی سے آسواگا کو کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ لڑکیاں یا تو جوش میں لکھ رہی تھیں یا اُداس ہو کر اپنے ہونٹوں کے درمیان قلم کو پھنسائے اپنے پڑوسیوں کی کاپیوں پر ترچھی نگاہیں ڈال رہی تھی۔ کمرے کے کسی کونے میں سرگوشی بھی ہو رہی تھی۔

''لڑکیوں، اپنا اپنا کام کرو''

بشپ نے ہدایت دی۔ اس کی بغل میں، اپنی کہنی پر سر ٹکائے، پرانی کرسی پر جھلاہٹ کے ساتھ بیٹھا ہوا آسواگا گرمی کی شدت کی وجہ سے پسینہ پسینہ ہو رہا تھا۔ اس نے کرسی پر کارڈ رائے کی اپنی جیکٹ ٹانگ دی اور ٹائی کچھ ڈھیلی کر دی۔ ایک لڑکی نے اپنا ہاتھ اٹھایا۔ آسواگا نے اسے اشارے سے بلایا۔ وہ ڈیسکوں کی قطاروں کے درمیان سے نکل کر آگے چلی آئی۔

> اس کی اپنی کچھ پریشانیاں ہیں۔ سترہ سال کی عمر میں اسکول ایک لمبا دالان ہے۔ سیڑھیاں، ہرے بھرے شجر، ناریل کے پیڑ، سجے ہوئے پھول، کھجور اور دیودار کے درخت، دھوپ میں نہاتی دہلیزیں، عمر رسیدہ ملائمیت جیسے کسی پیلی پڑی کتاب کے صفحوں کے درمیان فراموش پھول، خفیہ دکھ۔ اس کی کچھ پریشانیاں ہیں لیکن سردیوں کی ہوا کے تھپیڑے ان کے چہروں پر پڑتے ہیں اور ہوا اڑا لے جاتی ہے ان کے اسکارف صبح کے سخت نیلے پن میں، اور پہنچ جاتا ایک نقلی دیوتا کے ہاتھوں میں، اس بدمعاش لفنگے کی انگلیوں میں جس نے ننوں کی رشک بھری نگاہوں کا مذاق اڑایا تھا۔ اس کی کچھ پریشانیاں ہیں۔ سترہ

سال کی عمر میں زندگی کچھ سنجیدہ ہو جاتی ہے۔ اس لیے وہ دور کھڑکی کے باہر دیکھتی ہے۔ ہسٹری کی کلاس کو اس کی آنکھوں نے قربان کر دیا اور الیگزنڈر کو ایک آوارہ بادل کی طرح اڑا دیا۔ اس کی کچھ پریشانیاں ہیں۔ سترہ سردیوں میں، آسمان ابھی تک نہیں بدلا۔

اپنے چہرے پر ایک احساس جرم لیے وہ ڈائس پر آئی اور خوشامدی لہجے میں اس نے کہا۔

''سر...... اس میں ایک سوال ہے جسے میں نہیں سمجھ پا رہی ہوں۔''

اس نے آسواگا کو وہ سوال دکھایا، سوال اس طرح تھا:

سیسیرو (Cicero) کے ہاٹینسیوس (Hortensius) نے ایک عظیم مفکر کے فلسفیانہ ارتقا میں تعاون کیا، اس کا نام کیا تھا؟

(الف) ہیوم (ب) سینٹ آگاسٹین (ج) سینٹ اینسلم (د) سینٹ تھامس اکیوناس۔

آسواگا مسکرایا۔

وہ اس کی طرف پیار بھری نظر ایسے ڈالتا ہے جیسے کہ وہ کوئی اجنبی ہو، جیسے کہ اس کے الجھے ہوئے بال دور کہیں کسی کی لمبی ٹانگوں کے بیچ شام کا جھٹپٹا لے آئے ہوں۔ اس نے اپنے گندمی بال اپنی پیٹھ پر ڈال لیے تھے اور وہ اس کے سینے کے ابھار پر فریفتہ تھا۔ شیشے کے سامنے کپڑے اتارتی ہے اور دوسری گلابی گالوں والی لڑکی بھی اس کے بدن کو دیکھتی ہے۔ ایک دوسرے کی طرف شرمانے والی نگاہوں سے اشارہ بھی کرتی ہیں۔ اس نے کمرے کے دروازے کا تالا بھی لگا دیا تاکہ وہ سوچیں کہ وہ اپنے نوٹس، اٹلس اور نصابی کتابوں کو دیکھ رہی ہوگی۔ وہ سوچتے ہوں گے کتنی منہمک ہے۔ میز پر جھکی ہوئی کلاس کے لکچرس کا مطالعہ کرتے کرتے اپنی آنکھوں کو کمزور کر رہی ہے۔ انھیں کیا پتہ کہ وہ تو طوائف ہے۔ اُس رات کی طرح جو کھڑکی سے داخل ہوتی ہے۔ چاند اس بھڑکاؤ شیشے کے چاند کے ساتھ سڑک کا لیمپ پوسٹ بن جاتا ہے اور ستارے اس ہلکی پھوار میں قطاروں میں لگی گاہکوں کی بھیڑ ہیں جو ماہانہ تنخواہ سے اس کے ساتھ اپنی باری کا مزہ لوٹتے ہیں۔ زندگی یہی ہے۔ بات صاف ہے۔ لیکن کل پیر ہے۔ جب عمر سترہ کی ہو تو پیر کا دن سب سے برا لگتا ہے۔

آسواگا نے کہا۔

''آپ اس کے بارے میں سرے کیوں نہیں پوچھ لیتی ہیں۔ عیسائی فلسفہ کے متعلق مجھے کم علم ہے۔''

''سینٹ آگاسٹین!''

کاسیریس کی بارعب آواز سنائی پڑی۔

''شکریہ سر!''

اس نے نرم لہجے میں کہااور آسواگا کی طرف مشکور نگاہوں سے دیکھا۔

''شکریہ سر!''

گول اور بھرے بھرے کولہوں کو مٹکاتے ہوئے وہ اپنی سیٹ پر واپس چلی گئی۔ وہاں سے اس نے پھر مسکرایا۔ اپنی زبان سے پہلے نچلے ہونٹ کو نم کیا اور پھر دھیرے دھیرے اوپر کے ہونٹ کو بھی نم کیا۔ آسواگا کی مایوس تیوریاں اسے ویسا کرنے سے منع کر رہی تھیں۔

آسواگا نے پوچھا۔

''کیا نام ہے اس لڑکی کا؟'' کاسیریس نے مارسیلین کی پرانی نوٹ بک میں اس کے نام کی طرف اشارہ کیا۔

''سولیدادمونتویاسانابریاگنتیر''

> اس نے پوری رات جاگ کر گزاری تھی۔ صرف کھلی پڑی کتابوں پر اونگھتی تھی۔ آج صبح جب وہ اپنے دانت برش کر رہی تھی تو شیشے کو بھی اس کی سرخ سوجی ہوئی آنکھیں دیکھ کر افسوس ہو رہا تھا۔ اس نے تھوڑا اپنے بال سنوارے اور بغیر خواہش کے ناشتہ کیا۔ جب بس کا انتظار کر رہی تھی تو غنودگی کے عالم میں بھی وہ یاد کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ لیکن سب بیکار۔ اس لیے رات بھر کی غنودگی کے باوجود اس کا ہاتھ بغیر کسی آواز کے، ہمت کے ساتھ چوری سے ڈیسک کے اندر جاتا ہے، وہ اپنی انگلیاں لمبی کرتی ہے اور کتابوں کو ان کی ہیئت اور ضخامت سے ٹٹول کر پہچانتی ہے۔ نوٹ بک کی جانچ پرکھ کرتی ہے اور راستے کھول دیتی ہے۔ پھر اس کی نظریں خاموشی سے باہر نکل جاتی ہیں گویا متوازی الاضلاع اور مفروضے پر غور کر رہی ہوں۔ ٹیچر اس کو دیکھتا ہے لیکن کسی طرح کا کوئی شبہ نہیں کرتا۔ وہ اپنی تکنیک کو اچھی طرح جانتی ہے۔ نوٹ بک خود بخود اس کی

یادداشت کی جگہ لے لیتی ہے اور وہ اپنی کاپی میں جواب لکھتی چلی جاتی ہے۔ لیکن یہ سب اتنا آسان ہے نہیں جتنا دکھائی پڑتا ہے۔ نقل کرنا دراصل اسکول کے دشوار مرحلوں میں ہی سیکھا جاتا ہے۔ یہ ایک ایسا ہنر ہے جو بے عزتی اور انسان کو صفر تک پہنچانے کا کام کرتا ہے۔ جو بھی ہو پچھلی رات جب وہ پڑھ رہی تھی تب اس نے قسم بھی کھائی تھی کہ صبح تک وہ ان تمام تھیوری کو ضرور یاد رکھے گی۔

آسوا گا نے بھویں ٹیڑھی کرتے ہوئے دہرایا۔

''سولیدادمونتویا؟ جیسے گارسیالورکا کی نظم میں؟''

''ہاں، لیکن منتویا اس کا بیچ کا نام ہے۔ عُرفی نام نہیں۔ اس کے والد کا انتقال ہو چکا ہے۔ وہ ایک عاشق مزاج حجام تھا۔ یہ لڑکی لیلیسا کے شوہر کی بھانجی ہے۔ گذشتہ جون میں جب ہیگ آیا تھا۔ اس کے خلاف اس نے ایک بڑا جلوس منعقد کیا تھا۔ کالج کے لڑکے لڑکیوں کا۔ نظمیں لکھتی ہے اور ٹراٹسکی (Trotsky) کو پڑھتی ہے۔''

وہ ایک جاسوس ہے۔ اس کے پاس کوئی اور مشغلہ نہیں ہے وہاں پڑے رہنے کے سوا۔ جیسے ایک کتا کھانسی سے پریشان رہتا ہے، صرف یہ دیکھتا ہے کہ دودھ والا کب آتا ہے، کہ پڑوسی ہمیں ملنے کب آتا ہے، کہ ہم چاند کو ٹکٹکی لگا کر کب دیکھتے ہیں۔ کسی نے اسے اس کونے میں چھوڑ دیا۔ اپنی غدار ابجد چھپانے کے لیے اسے اخبار الٹا پلٹا پڑھنا بھی سکھایا۔ جب کبھی وہ ادھر سے گزرتا ہے، غصے کے ساتھ ایک انگلی سے اس کی طرف اشارہ کرتی ہے تاکہ نہ کوئی اسے وقت بتائے اور نہ ہی دعا سلام کرے۔ (وہ ایک ایسا آدمی ہے جو تکلیف دہ سانس لیتا ہے اور اور آنکھیں دھوئیں سے بھری ہوتی ہیں)...... مجھے پتا ہے کہ وہ ایک غریب انسان ہے لیکن اس کے جیسے بہت لوگ ہیں اور ان سب کے درمیان دنیا رہنے لائق نہیں رہ گئی ہے۔ گرمی سے پریشان چوہوں کی اس ذات کو میں بددعا دیتی ہوں اور قسم کھاتی ہوں کہ میں اسے کبھی بھی وائلن بطور قرض نہیں دوں گی۔

''ٹراٹسکی؟ کتنا عجیب ہے!''

آسواگا نے طنز میں کہا۔

''ہاں، ایک دن میرے پاس ایک نظم لے کر آئی کہ اس نے وہ سیروں کورا (Cerro Kora) میں مارشل لوپیز (Marshal Lopez) کی موت پر لکھی تھی۔ اس نے مجھے بتایا کہ ایک نوحہ ہے۔''

''وکٹر ہیوگو کی طرح، اولیری (Oleary) یا پھر آندرادے (Andrade) کی طرح۔''

''نہیں، صرف تین سطریں تھیں:

شاعروں نے تمھارے قصیدے پہلے ہی گائے
میں بس اس مصرعے کو جوڑوں گی
اب تم ہم ہی ہو!''

''ہاں...... بری نہیں ہے۔ اگر وہ خالص اپنی تخاطب 'تم' نہ ہوتا تو 'دئی کی نہیں تھی۔''

''وہ شاید اٹھارہ کی ہوگی...... مجھے لگتا ہے جذباتی ناپختگی کے سبب پرائمری اسکول میں کوئی کلاس دوبارہ کرنا پڑا ہوگا۔ وہ ایک عجیب لڑکی ہے، اس کے کتے کا نام رسکول نیکوو (Raskolnikov) ہے۔''

کچھ مہینے بعد......سیمون کاسیریس صاحب نے اپنے تکیے کے نیچے وہ بینگنی چمڑے کی جلد والی کتاب رکھی تھی۔ **ڈائن کو تم زندہ مت چھوڑنا**۔ وہ بائبل اس کی ملکیت تھی، کیونکہ یہ وہی تھی جس میں سے وہ لاسارو (Lazarus) کی دوسری زندگی کی کہانی اسے پڑھ کر سناتی تھی۔ شروع میں جب سولیداد جیل میں تھی، کاسیریس سوچتا تھا کہ مذہب کے بارے میں جاننے کے لیے وہ اس سے التجا کرے گی، عیسیٰ مسیح کی نصیحت سنانے کے لیے کہے گی اور جگوار کے ذریعہ نوچی گئی کتاب سے اسے پریشان کرے گی۔ لیکن اسے سب سے زیادہ تعجب تب ہوا جب اس نے ایک بار بھی اس کا ذکر نہیں کیا اور نہ ہی اسے یسوع کی نصیحت پڑھنے کے لیے کہا۔ وہ جذباتی بھی ہو جاتی تھی حالانکہ رات کو وہ اس پر ظلم ڈھاتے تھے۔ وہ کسی حد تک خوش بھی تھی کیوں کہ اس کی سیرابی اسے تقریباً ڈراؤنی لگتی تھی۔ آرچ بشپ کو بھی یہ پتا نہیں چلتا کہ نئی زندگی کسی کو مفت میں نہیں ملتی۔ یہ تو اونچی قیمت پر خریدی جاتی ہے اور اسے عظیم کارناموں کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے......لیکن یہاں ایک نئی کہانی، گنتیر نام کے شخص کے نئے روپ کی کہانی شروع ہوتی ہے۔ ایک دنیا سے دوسری دنیا کے سفر کی کہانی۔ ایک نئی حقیقت سے تعارف جس سے وہ تب تک بالکل انجان تھا۔

آسواگا کا دایاں ہاتھ ابھی بھی مارسیلین کی کھلی ہوئی نوٹ بک پر تھا۔ اپنی ٹھڈی ملتے ہوئے، اس نے طلبا کی فہرست کو پھر سے دیکھا۔ سولیداد کے نام پر اپنی انگلی رکھ کر اس نے کاسیریس سے پوچھا۔

''یہ لڑکی، کیا نام ہے اس کا......ایک طالبہ کی حیثیت سے کیسی ہے؟''

''مجھے نہیں پتا...... وہ مارسیلین کی اسٹوڈنٹ تھی...... ایک منٹ!''
بشپ نے دوسری زیادہ مضبوط اور ضخیم نوٹ بک کھولی۔ اس نے ایک فہرست پر نظر ڈالی جسے دیکھ کر وہ حیران ہو گیا۔
''ارے!''
''اوسطاً 'اے'!...... مارسیلین ایسا کم ہی کرتے تھے۔ ان بزرگ کی فہرست میں صرف ایک اور اوسطاً 'اے' ہے۔...... وہاں وہ گوری لڑکی۔''
کاسیریس نے اس کی طرف حیرانی سے دیکھا۔ ویرونیکا کچھ فکر مند تھی لیکن بغیر رکے لکھتی جا رہی تھی۔ اپنے محرابی ہونٹوں کے بیچ چپ چاپ اپنا 'کینٹ' قلم رکھ کر آسواگا فاتح لگ رہا تھا۔ اس ڈیل ڈول والے شخص نے کہا۔
''یہی لڑکی ساریا ہے، تمھیں کیسے پتا چلا؟''
''جب آپ سوالوں کے جواب دے رہے تھے اس نے اپنا ہاتھ اٹھایا تھا۔ یہ ہیگل پر لکھے اپنے اس مضمون کو جمع کرنے کے بارے میں جاننا چاہتی تھی، جو انھیں مارسیلین نے لکھنے کو کہا تھا۔ اس سے مجھے لگا کہ وہ دوسروں کے تئیں اپنی ذمہ داری محسوس کرتی ہے۔ آپ سمجھے؟ جیسے کہ وہ اُنہیں بچانا چاہ رہی ہو۔''

اس جان لیوا دوپہر کی سلگتی فضا میں، دھوئیں کے غائب ہوتے گول دائروں کو دیکھتے ہوئے آسواگا خوش تھا۔ وہ چپ چاپ انتظار کر رہے تھے۔ وقت ختم ہونے پر کاسیریس نے جواب نامے جمع کرنے کو کہا اور لڑکیاں بغیر کسی رکاوٹ کے وہاں سے باہر نکل گئیں۔ کاسیریس تھوڑی دیر کے لیے باہر گیا اور کیفے ٹیریا سے ٹرے میں بیئر اور کچھ چکن سینڈوچ کے ساتھ لوٹا۔ آسواگا نے کہا کہ بھوک لگی ہے۔ لیکن اس نے صرف بیئر ہی لی۔ جواب ناموں کے ڈھیر کو انھوں نے آپس میں بانٹ لیا اور تیزی سے انھیں جانچنے لگے۔ کبھی کبھی انھیں دروازے پر ٹھک ٹھک اور اپنے اپنے گریڈ کے بارے میں پوچھتی لڑکیوں کی نازک آوازیں بھی سنائی پڑتیں۔ بے چین ہوتے ہوئے کاسیریس نے انھیں بتایا کہ رزلٹ کا اگلے دن سے پہلے اعلان نہیں ہوگا اور اسی لیے انھیں گھر چلے جانا چاہیے۔ آخر میں جب انھوں نے ساری کاپیاں ختم کر لیں تو آسواگا نے بشپ سے یہ کہتے ہوئے اجازت لی کہ اسے ایلیسا کو لینے ہوائی اڈا جانا ہے۔ کاسیریس نے اپنی کار کی پیش کش کی لیکن آسواگا نے کہا کہ وہ ٹیکسی لینا بہتر سمجھتا ہے۔ اپنی کارڈرائے کی جیکٹ کو کندھے پر ڈال کر آسواگا نے ہلکے قدموں کے ساتھ ایک نم اور سایہ دار راستے کو پار کیا جس کی دونوں طرف دیواریں پوسٹروں اور نامور لوگوں کی تختیوں سے بھری پڑی

تھیں۔

شام کے سائے چھا رہے تھے۔اس کے باوجود باہر گرمی میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔اس نے تیزی سے پارک کو پار کیا اور سامنے کی فٹ پاتھ سے ٹیکسی دیکھنے لگا۔ایک بھی نظر نہیں آرہی تھی۔اُس نے ساتھ کے بس اسٹاپ کی دیوار پر اپنی پیٹھ ٹکالی۔ایک بھری ہوئی بس سامنے سے نکل گئی تبھی فولڈ ہونے والی ایک الفا رومیو (Alfa Romeo) کار فٹ پاتھ کے قریب آئی۔

''سر، کیا ہم آپ کو کہیں ڈراپ کر سکتے ہیں؟''

کچھ لمحوں کے لیے آسواگا ان کو ٹھیک سے پہچان نہیں سکا، لیکن ان کے ڈریس سے لگا کہ دونوں اسکول کی ہی لڑکیاں ہیں۔

''شکریہ۔لیکن مجھے کافی دور جانا ہے۔''

''کوئی بات نہیں۔پلیز گاڑی میں آجایئے!''

''بات یہ ہے کہ میں ہوائی اڈے جا رہا ہوں۔''

انھوں نے دروازہ کھول دیا۔آسواگا ایک لمحہ کے لیے ہچکچایا، اپنی گھڑی پر ایک نظر ڈالی اور گاڑی میں بیٹھ گیا۔شام کی ہلکی روشنی میں تب اس نے پہچانا۔

''یہ سولیداد سانابریا ہے اور میں ویرونیکا ساریا ہوں۔''

ڈرائیور نے کہا۔شور کے ساتھ گاڑی آگے بڑھی۔آسواگا نے چرس کا اپنا چھوٹا پیکٹ باہر نکال لیا۔انھیں بھی پیش کیا۔وہ تھوڑا چونکیں لیکن ویرونیکا نے لینے کا فیصلہ کیا۔

''لے لے سولے۔ایک میرے لیے جلا لے۔تو بھی لے گی۔''

سولیداد تھوڑا شرمائی اور پھر دو بنانے لگی۔آسواگا نے اسے لائٹر دیا۔ویرونیکا نے زور کا ایک کش لگایا اور اس کے چہرے پر چمک آگئی۔

''سر، کیا آپ ایلیسا کو لینے جا رہے ہیں؟ سر نے کہا تھا کہ وہ میسوا ونیس (Misiones) سے آج لوٹ رہی ہیں۔''

آسواگا نے ہاں میں سر ہلایا۔اس ذاتی جانکاری سے وہ تھوڑا حیران تھا۔کچھ دیر تک وہ خاموش ہی چلتے رہے۔ویرونیکا کے گندمی رنگ کے لمبے بال ہوا میں لہرا رہے تھے۔لیکن سولیداد جس کے بال چھوٹے تھے کچھ شرمندہ شرمندہ سی سر جھکائے ہوئے تھی۔

''امتحان میں اُس سوال کا جواب بتانے کے لیے شکریہ......''

آخر میں سولیداد نے تھوڑا ڈرتے ہوئے سرگوشی کی۔آسواگا بغیر کچھ کہے مسکرایا۔

''سولیداد ٹیچروں کے ساتھ بہت کھیل کھیلتی ہے!''

ویرونیکا نے کہا۔ آسواگا پھر مسکرایا۔

''تم دونوں اسٹوڈینٹ بہت اچھی ہو...... مارسیلین عام طور پر 'اے' نہیں دیتا تھا۔''

''لیکن کاسیریس سر سولیداد پر ذرا بھی توجہ نہیں دیتے ہیں۔ اس لیے تو کل اس نے ان کی بائبل ایک گھوڑے کی زنگ آلود کنگھی سے پھاڑ ڈالی تھی۔ اس میں اس کی انگلی بھی کٹ گئی تھی۔ سولے! چل دکھا سر کو اپنی انگلی۔ صبح اس سے اتنا خون بہہ رہا تھا کہ مجھے خون چوسنا پڑا اور زخم پر ہائیڈروجن پارا آکسائڈ لگانا پڑا۔''

وہ حیران سا انھیں دیکھتا ہی رہ گیا۔ سولیداد پھر شرما رہی تھی اور گھبراہٹ میں اس نے اپنا ہاتھ آسواگا کی ٹانگ کے درمیان رکھ دیا۔

ویرونیکا نے کہا۔

''میں معافی چاہتی ہوں، ہم کافی سکڑے سکڑے بیٹھے ہیں۔ ان کاروں میں صرف ایک سیٹ ہوتی ہے...... لیکن ایسے ہی بہتر ہے۔ کیوں ہے نا؟''

وہ تیزی سے چلے جا رہے تھے۔

''وہ بالکل نادیا کومانیس (رومانین جمناسٹ جس نے کئی اولمپک تمغے جیتے) کی ہم شکل ہے لیکن بال اس کے سنہرے ہیں۔'' ایلیسا نے کہا تھا۔

□□□

باب:2

سولیداد نے چیختے ہوئے کہا۔ ''لیکن چیپی بہت گھٹیا ہے!''

''ہمیں کسی کے ساتھ جانا ہوگا۔''

ویرونیکا بولتی ہے۔ یوسوئس وائل کے پردوں اور دیواروں پر مسکراتے رابرٹ ریڈفورڈ کے پوسٹروں والے اس کمرے میں سولیداد کچھ اداس ہو کر چہل قدمی کرنے لگی۔ چاندی کے فریم والا آئینہ اس کے آلو بخارے جیسے ہونٹوں کو تاک رہا تھا اور اس کی پیٹھ پیچھے ویرونیکا کی شرابی آنکھوں سے نکلتے شعلوں کی بھی چغلی کر رہا تھا۔

''چھی! وہ ہوائی جہاز سے بھی زیادہ ریاح چھوڑتا ہے۔''

سولیداد کہتی ہے۔ اس کا سینٹ سستے قسم کا لگتا ہے۔ لیکن اس شام وہ خوبصورت لگ رہی تھی۔

''دیکھو، اگر اس سے کوئی پریشانی نظر آتی ہے تو اسے ہم بس وہیں، چھوڑ دیں گے۔ ہمیں واپس بھی جلدی آنا ہے۔''

شراب والی دوسری کینڈی منہ میں ڈالتے ہوئے سولیداد نے کہا۔

''تو نے کہا نہیں تھا کہ تیری ماں ریسیس تینسیا (Resistencia) گئی۔''

''ہاں، گھر میں کوئی نہیں ہے۔ لیکن وہ پڑوسن۔ وہ بور کرنے والی بڑھیا ہمیشہ یہ دیکھتی رہتی ہے کہ میں کس وقت لوٹتی ہوں۔''

''وہ حرام خور؟''

نیچے سے ایوار یستو ساریا کیروگا کی آواز آتی ہے۔ وہ اپنی بیٹی کو پکار رہا تھا۔ ویرونیکا اوپر دالان کی ریلنگ پر جھکی۔ اس کے باپ نے نارنجی سورج کے رنگ والے اس ٹاپ کو دیکھا اور گلے کے ڈیزائن کو کچھ زیادہ ہی ماڈرن بتاتے ہوئے بُرا بھلا کہا۔ پھر اس سے پوچھا کہ وہ وہاں کیا کر رہی ہے۔

''میں اپنی ایک سہیلی کے ساتھ ہوں۔ ہم چیپی کے ساتھ باہر جا رہے ہیں۔''

''ٹھیک ہے۔ میں لارائن کے ساتھ شطرنج کی ایک بازی کھیلنے جا رہا ہوں۔ اس کے بعد لوٹوں گا۔''

''ٹھیک ہے پاپا!''

سات سمندروں کو پار کرنے والے جناب نے اپنی ٹھڈی کھجائی اور پھر آواز لگائی۔

''ویرونیکا......''

ویرونیکا ریلنگ پر پھر اسی ناپ کے ساتھ۔

''میری پیاری بیٹی! مجھے اچھا لگے گا اگر گھر دیر سے نہیں لوٹو گی۔''

سنگ مرمر کی سیڑھیوں پر ویرونیکا لمبی لمبی چھلانگیں لگاتے ہوئے اپنے پاپا کے پاس آئی اور اس کے کان میں سرگوشی کی۔

''پاپا...... مجھے لگتا ہے کہ رات میں اپنی سہیلی کے پاس ہی سوؤں گی، اس کی ماں ریسیس تینفیا گئی ہے۔ اس لیے اس نے مجھ سے کہا ہے کہ میں اس کے پاس رہوں۔''

جناب نے ایک میٹھی مسکان بکھیری۔ اس کے ننگے کندھے کو پیار سے سہلایا۔ کوئی خاص توجہ دیے بغیر اس نے اس کی نقل اتارتے ہوئے سرگوشی کے انداز میں کہا۔

''ٹھیک ہے مری پیاری بیٹی، لیکن تو مجھے اتنے آہستہ سے کیوں بتا رہی ہے؟''

ویرونیکا نے پیار کے ساتھ اپنی آنکھیں جھکالیں۔ رخصت ہوتے وقت اس نے اپنی پیشانی پر اپنے پاپا کے نم ہونٹوں کو محسوس کیا۔ سفید سیڑھیوں پر چڑھتے ہوئے، سڑک پر کھلتے دروازے کو باہر سے بند کرنے کی آواز اس نے سن لی۔ اپنے کمرے میں داخل ہونے پر اس نے سولیداد کو ہاتھوں میں پہنی گھڑی کو بے صبری سے گھورتے ہوئے اور اپنا منہ بناتے ہوئے دیکھا۔

''یہ چیپی بھی ہمیشہ دیر کرتا ہے۔''

''سولے، مجھے تیرے بال پسند نہیں ہے۔ ادھر آ، میں تیرے بال پھر سے سنوار دوں۔''

وہ اس کی چھوٹی چٹیا کھول دیتی ہے۔ سولیداد کوئی مخالفت نہیں کرتی ہے۔ وہ عمدہ قسم کی ریشمی گدی پر بیٹھ جاتی ہے۔ ویرونیکا نے تیزی سے کنگھی اور اپنی سخت انگلیوں سے اس کے بال ڈھیلے کر دیے۔ اس کی گردن پر اپنے نرم ہاتھوں سے جب اس نے مالش کی تو اسے بہت مزا آیا۔

''اب تو شام ہو رہی ہے...... چیپی کبھی بھی پہنچ سکتا ہے۔'' وہ خوشی سے پھسپھسا کر بولی۔

''اس چغد کو کرنے دے انتظار!''

اپنے دانتوں کے بیچ بکسواد بائے، ویرونیکا نے کہا۔

میرا ماتھا ٹھنکا کیونکہ چیپی اپنے ساتھ کسی دوست کو نہیں لایا تھا۔ ہم دونوں کا اکیلے اس کے ساتھ باہر جانا کافی عجیب لگ رہا تھا۔ آخر ہم پندرہ سال کے اوپر تھے لیکن وہ تو اکیلا ہی آیا تھا۔ ہم دونوں سامنے کی سیٹ پر بیٹھ گئے۔ میں نے سوچا کہ چیپی خوش تھا کیونکہ بیٹھنے کی جگہ کم تھی۔ ویرونیکا کے پیچھے تو وہ پاگل تھا۔ اس کے بدن سے چپکنا اسے پسند تھا۔ جب اسے گیئر بدلنا ہوتا تب اسے ویرونیکا کے گھٹنے چھونے کا موقع مل جاتا۔ میں کھڑکی سے باہر روشنی دیکھ رہی تھی۔ ہلکی ہوا بھی چل رہی تھی۔ مجھے کار کی سواری پسند ہے۔ جب سے پاپا کا انتقال ہوا ماں اور میرے پاس کوئی کار نہیں تھی۔ آپ اس پر یقین نہیں کریں گے۔ لیکن اس وقت مجھے بڑا عجیب لگ رہا تھا۔ میں نے چیپی سے پوچھا کہ میرا ساتھ دینے کے لیے وہ اپنے کسی دوست کو کیوں نہیں لایا۔ مجھے باڈی گارڈ بننا بالکل پسند نہیں۔ چیپی گونگا بنا رہا۔ اس نے سڑک پر سے اپنی آنکھیں بالکل نہیں ہٹائیں، جیسے وہ سمجھ نہیں رہا ہو کہ میں کس بارے میں بات کر رہی تھی۔ اس نے کہا کہ ویرونیکا نے اسے فون پر کہا تھا کہ وہ اکیلا ہی آئے۔ تب ویرونیکا نے کچھ اس طرح کہا جیسا کہ وہ ہمیشہ کرتی ہے جب بھی ہم اس کے ساتھ ہوتے ہیں۔ ''ارے دوسرے چغد کی کیا ضرورت ہے۔'' چیپی کا چہرہ لال ہو گیا۔ ویرونیکا کافی بری بھی ہے جب وہ ویسا ہونا چاہتی ہے۔ سر! آپ تو اسے اچھی طرح جانتے ہیں۔

وہ ایک کنارے پر کار پارک کر دیتے ہیں۔ ٹیبل پر بیٹھے جوڑوں سے گوشے والی وہ جگہ بھری ہوئی ہے۔ بچے سلائڈ سے خوش ہیں اور ہاکر شام کے اخبار بیچ رہے ہیں۔

''میں یہاں نہیں اتر رہی ہوں۔''

ویرونیکا کہتی ہے۔ سولیداد کشتیوں کو دیکھنے لگتی ہے۔ ندی اندھیرے میں ڈوبی ہے۔

''تم آئس کریم نہیں لوگی؟''

چیپی ایک ہلکی، کھوکھلی آواز میں بولا۔ اس کی تناؤ سے بھری ہتھیلیاں ابھی اسٹیئرنگ پر ہی تھیں۔

''لیکن اس بھیڑ کے بیچ نہیں۔''

''تم لوگ کہاں جانا پسند کروگی؟''

''ایک پب میں بیوقوف!''

چیپی کار پھر سے اسٹارٹ کرتا ہے۔

''اور وہ ایئر کنڈیشنڈ بھی ہو۔''

اسے ہر چیز میں گھٹن محسوس ہوتی ہے۔ ہوا، لوگ، رسم و رواج، اس تھوتھے لڑکے کی نہ تو کوئی

شخصیت تھی اور نہ اس کے پاس کوئی نظریہ ہی تھا۔ سڑک، ٹریفک لائٹ، کیوسک، دکان کے شوکیس اور دزدیدہ شبیہوں کو اس کی بے صبر آنکھیں نظرانداز کر رہی تھیں۔ اس کی ان بے چین آنکھوں میں تو صرف اس کی گھڑی، اس کی وہ سیدھی سادی، شام کے وقت خوشی مناتی ہوئی سہیلی، رنگ، بریک لگنے پر اٹھتا شور اور بجتے ہوئے ہارن تھے جن کا انتظار وہ بغیر سوچے سمجھے کرتی تھی۔ ایک کونے میں وہ اس کو اپنے ہاتھ سے پکڑ لیتی ہے۔

''لگتا ہے کہ تیرا دھیان کہیں اور ہے۔''

سولیداد کی حیران آنکھیں کھڑکی سے واپس لوٹتی ہیں اور وہ چپ چاپ مسکراتی ہے۔ ہوا اس کے بالوں کو بکھیر دیتی ہے جنھیں اس نے اپنے ڈھنگ سے بڑی خوبصورتی سے سنوارا تھا۔

سولیداد اپنا دوسرا ہاتھ ویرونیکا کے ہاتھ پر رکھتی ہے اور دھیرے سے قبول کرتی ہے۔

''مجھے یہ سب دیکھنا بہت اچھا لگتا ہے۔''

سر! میں جانتی ہوں کہ آپ ہمیشہ مصروف رہتے ہیں۔ میں آپ کا وقت برباد نہیں کرنا چاہتی۔ بات یہ ہے کہ میں نے اس کے بارے میں کسی کو کچھ نہیں بتایا لیکن آپ پر مجھے بھروسا ہے۔ پادریوں کا فرض ہے کہ وہ دوسروں کے راز کو راز ہی رکھیں؟ خیر، مجھے ٹھیک سے یاد نہیں ہے کہ ہم پب میں ایک گھنٹہ رکے تھے یا دو گھنٹے۔ یہ ان اونچی جگہوں میں سے ایک تھی جو بہت مشہور تھیں۔ شاید آپ اس جگہ کو جانتے ہوں، میں وہاں پچھلے سال ماں کی سالگرہ پر گئی تھی۔ جنرل گونسالیس، جو پاپا کے حجام کی دکان میں ایک گاہک ہوا کرتے تھے، انھوں نے ہمیں وہاں دو بجے شیمپین اور آئس کریم کے لیے دعوت دی تھی۔ ہاں مجھے یاد ہے ماں نے بہت ساری شیمپئن پی لی تھی اور پھر بڑے مزے مزے کی باتیں کرنے لگی تھی۔ جنرل، آپ انھیں جانتے ہیں، اسے سنجیدگی سے دیکھ رہا تھا۔ لیکن کہا انھوں نے کچھ بھی نہیں۔ وہ بہت عقلمند ہے۔ کل رات ہم نے آئس کریم کھائی اور چیپی نے وہسکی پی۔ اسے پینا بھی نہیں آتا ہے لیکن ویرونیکا پر رعب جھاڑنا چاہتا تھا۔ میں الجھن میں تھی۔ ویرونیکا اور چیپی کبھی کبھی باہر ساتھ جاتے ہیں۔ یعنی میرے بغیر۔ صرف وہی دونوں۔ مجھے نہیں پتا کہ کیوں۔ ویرونیکا کو یونیورسٹی کے لڑکے پسند نہیں۔ جو رگبی کھیلتے ہیں ان کے ساتھ وہ باہر بھی گئی تھی۔ سر! ان میں سے ایک ہے جس کی آپ کی طرح داڑھی ہے۔ ویرونیکا اس کے

پیچھے پاگل تھی۔ آپ کو پتا ہے کہ...... میں نہیں جانتی کہ آپ کو یہ سب بتا کر میں ٹھیک کر رہی ہوں یا نہیں لیکن مجھے لگتا ہے...... خیر! یہ صرف میرا قیاس ہے...... لیکن...... مجھے نہیں لگتا سر کہ ویرونیکا ابھی بھی کنواری ہے......

''چل سولے! ہم باتھ روم چلتے ہیں''

سولیداد نے ابھی تک اپنا کیلا ختم نہیں کیا تھا۔

''چل'' میں نے کہا تھا۔

ویرونیکا نے اس کی کلائی پکڑ لی۔

''تیرے بال ایک دم بکھرے ہوئے ہیں اور تو چغد، بل چکا کر آجا!''

چیچی نے انھیں میزوں سے اپنے کو بچا کر نکلتے دیکھا۔ اس نے اپنی شیوا ثر غٹ غٹ پی اور بیرے کو آواز دی

''ہاں بل لے آ''

ایسا لگا جیسے کسی مزاحیہ اوپیرا میں نیو پولیٹن (Neopolitan) تمبا کو بیچنے والا آواز لگا رہا ہو۔

سولیداد نے دیوار میں لگے عربی ڈیزائن کے بڑے آئینے میں خود پر ایک نگاہ ڈالی۔

''میرے بال اتنے بکھرے ہوئے تو نہیں ہیں!''

''میں جانتی ہوں کہ نہیں ہیں بکھرے ہوئے۔ تیرے بالوں میں کنگھی میں نے تو کی تھی۔ صرف تجھے یہ بتانا چاہتی ہوں کہ آج رات میں تیرے گھر پر رہوں گی''

''لیکن ہمارا امتحان تو ختم ہو گیا!''

''میں صرف آج رات رہنے اور تھوڑی دیر بات کرنے کے لیے آنا چاہتی ہوں...... ہم ایک کپ کافی پئیں گے اور بعد میں ساتھ ساتھ گرم بستر میں سو جائیں گے۔ میں نے پاپا کو پہلے ہی بتا دیا ہے۔''

سولیداد تھوڑا پریشان سی اپنے بالوں پر ہاتھ پھیرنے لگی۔

''ٹھیک ہے...... جیسی تیری مرضی!''

اپنی بڑی بڑی کالی آنکھوں کو اس بڑے شیشے کے بالکل قریب لا کر ویرونیکا نے اپنے ہونٹوں پر لپسٹک لگایا۔ سولیداد نے جھجک کے ساتھ سرگوشی کی۔

''دیکھ، گھر پر کوئی نہیں ہے۔ ماں ریسیس تینیسیا میں ہے اسلیے ہمیں اپنے لیے ناشتہ خود ہی بنانا ہوگا''

ویرونیکا نے اس کی ننگی پیٹھ پر ایک ہلکی تھپکی دی۔

''تیار! چلو چلتے ہیں۔''

میں نے سوچا کہ وہ نہیں چاہتی تھی کہ چیپی واپس گھر کے راستے میں اسے ڈراپ کرے۔

لیکن سر ایسی بات نہیں تھی۔

وہ سولیداد کے گھر کے سامنے رکے۔ چیپی نیچے اتر جاتا ہے۔ کار کے آگے سے چکر لگاتا ہے۔ کار کا دروازہ کھولتا ہے اور سولیداد کی نیچے اترنے میں مدد کرتا ہے۔

''ان سب کے لیے شکریہ چیپی!''

سولیداد اس کے گال کا بوسہ لیتی ہے۔ چیپی کار کا دروازہ بند کرنے کی کوشش کرتا ہے لیکن ویرونیکا اپنے پیر سے اسے روک لیتی ہے۔

''رک جا بے وقوف! دیکھ نہیں رہا ہے کہ میں بھی اتر رہی ہوں؟''

چیپی نے اپنی درد بھری حیرت کو ضبط کر لیا۔

''ارے معاف کرنا...... دیکھا نہیں تھا۔''

آسمان میں بجلی چمکتی ہے۔ ویرونیکا پٹری پر کھڑی ہو کر کہتی ہے:

''ٹھیک ہے اس سے پہلے کہ بارش ہو ہم اندر چلیں۔ اچھا پھر ملتے ہیں۔''

اس نے اس کی طرف جلدی سے اپنا ہاتھ بڑھایا۔ حیران چیپی انھیں دروازہ کھولتے ہوئے دیکھتا ہے اور دیکھتا ہے کہ تھکا ماندہ رسکول نیکو کس طرح ان کے پیروں کو چاٹتا ہے بغیر کسی جوش کے۔ سولیداد کے شکریہ کے جواب میں چیپی اپنا ہاتھ ہلاتا ہے۔

بغیر پیچھے مڑے ویرونیکا اندر چلی جاتی ہے۔ کار کے انجن کی دور جاتی ہوئی آواز اسے اندر سنائی پڑ جاتی ہے۔ سولیداد دروازہ بند کرتی ہے اور چابی کو اس کے پاس لٹکا دیتی ہے۔ وہ ویرونیکا کی طرف مڑتی ہے۔ چھوٹے دالان کے رات کے اندھیرے میں گلے لگنے کی خواہش میں پھیلے ہوئے اس خوبصورت پسینے سے تر ہاتھوں کو دیکھ کر وہ حیران تھی۔ اسے شاید وہ پہلی بار انگارے کی طرح لال گرم چہرے پر ایک چمک لیے بہت بے چین نظر آئی۔ اس کی آنکھیں مدہوش تھیں اور اس کے ہیجان انگیز، ٹھوس اور ہیرے کی مانند جاذب نظر بدن پر پسینے سے بھیگا اس کا نارنجی رنگ کا ٹاپ آگ کی لپٹ سا لگ رہا تھا۔ ویرونیکا اسے چپ چاپ اپنے کانپتے ہاتھوں میں لیتی ہے۔ ایک چاہت کا جذبہ اس کے چہرے کو تھپتھپاتا ہے اور اپنی پیاسی انگلیوں پر وہ آہستہ سے اسے اپنے ہونٹوں کی طرف اٹھا لیتی ہے۔ اس نے محسوس کیا کہ شدت جذبات سے کانپتی اس کی دوست اپنے جلتے ہاتھوں سے بے صبری کے

ساتھ اسے کس کر آغوش میں لے رہی ہے۔

میں آپ کو یہ بتا رہی ہوں سر کیوں کہ میں نہیں جانتی کہ یہ ایک گناہ ہے یا نہیں۔ یہ...... یہ صحیح ہے کہ اس کی شروعات اس نے کی۔ لیکن...... سر مجھے بھی اچھا لگا۔ وہ سب بہت برا ہے۔ ہے نا؟ یا خدا، میں بہت شرمندہ ہوں!

گرمیوں کے زبردست طوفان کی کڑکتی بجلی کی گونج کو جس وقت رات کا ڈھول پیٹ رہا ہوتا ہے بجلی کا ایک تیر اس بدحال کمرے کی بند ہوا کو پریشان کر دیتا ہے۔ بجلی کی اداس آنکھ مچولی میں سائے بنتے بگڑتے ہیں۔ مالینا ایک پتے کی طرح کانپ اٹھتی ہے۔ البیر تو مجھے چھوڑ دے...... پانی کی ذندی چابک کی چوٹ سے پرانی چھت کراہ رہی ہے۔ میرے پیارے، رومت...... شرمندگی میں بہتے، ہلکے بے شمار آنسوؤں میں بھیگے لڑکے کا ننگا بدن کانپ رہا ہے۔ آنگن میں لوکاٹ کے درختوں کا ایک نیا دھماکہ ایسے ہلا کر رکھ دیتا ہے جیسے سوکھے، بھاری بھرکم کوڑے کی مار۔ سارا گھر، ساری دیواریں ہل رہی ہیں۔ ایک خوفناک تیز دھار والی سیٹی طوفانی اندھیرے کو چیرتی ہوئی نکل جاتی ہے۔ پانی، ریت اور برف کے طوفانی تھپیڑوں کے ساتھ ہوا لال سڑک کی طرف سے داخل ہو رہی ہے۔ اپنے گندے برفیلے گدّے پر مالینا ابھی بھی اکڑوں بیٹھی ہے۔ پتھر جیسے ہونٹوں کی ہلا دینے والی جیل کے اندر اس کے دانت بج رہے ہیں۔ اس کے چھوٹے چھوٹے بال نیلے پڑے چہرے پر بکھرے ہیں اور وہ اپنے کو لینن کی اس پیلی چادر کے پیچھے بچانے کی کوشش کر رہی ہے جو اس طوفانی برفیلی ہوا سے چاک ہو چکی ہے۔ ایک کونے میں یادوں میں کھوئے ہوئے اس کے پرانے جوتے چمڑے کی اپنی زرد آنکھوں سے اسے ٹکٹکی باندھ کر دیکھ رہے ہیں۔ جھکے ہوئے، بے جان سے البیر تو سے اپنا بدن رگڑتے ہوئے وہ سمٹ کر بیٹھ جاتی ہے۔ طوفانی ہوا کے برفیلے مدہوش موتی کی مانند قطرے اس کے بال گیلا کر رہے ہیں۔ ڈارلنگ، اب کچھ بہتر ہونا؟ کان کے پردے چاک کرنے والی گرج دار آوازوں کے درمیان پستانوں کا زیر و بم۔ کسی نوزائیدہ بچے کی طرح زمین کا رونا جیسے انوکھا جنم۔

البیرتو...... وہ اس کے کان کے پیچھے گردن کو ایسے چومتی ہے جیسے اسے پسند تھا۔ جسم فروشی کا وہ غیر محفوظ کمرہ بجلی اور ہوا کی آغوش میں تھا۔ البیرتو نے اپنی آنکھیں اوپر اٹھائیں۔ مشقت کے ساتھ مڑا اور تھوڑی دیر تک مایوس خاموشی کے ساتھ دیکھتا رہا۔ اس خوفناک رات کے دہشت ناک دھماکے ماتمی شعلوں میں تھے۔ ایک کانپتا ہوا ہاتھ مالینا کے گالوں کو سہلاتا ہے۔ لڑکے کی سانس اب زیادہ پرسکون لگ رہی ہے۔ بغیر رکے وہ دھماکے سب کچھ ہلا رہے تھے۔ ان ہونٹوں کے اوپر لکڑی کی کھردری چھت لرزاں تھی جو اپنا اپنا راستہ تلاش کر رہے تھے۔ ان گتھے ہوئے جسموں کے اوپر، ان انگلیوں کے اوپر جو ایک دوسرے کو تلاش کر رہی تھیں۔ ان چہروں کے اوپر جو یہ تلاش کر رہے تھے کہ ایک کرائے کے بوسے کی خاموش اور زخمی زبان میں کیا کہنا چاہئے۔ روشنیوں میں دمکتا اور ہوشیاری سے سرگوشی کرتا وہ کمرہ، کمزور اور پالتو قسم کی سرائے تھی۔ تبھی مالینا کا ہاتھ اس آدمی کی ٹانگوں کے بیچ کچھ ڈھونڈنے لگتا ہے۔ وہ برہنہ جسم اپنے چھوٹے چھوٹے خوبصورت غریب مسکن ہاتھ اور ایک اداس کبوتر کی مسکراہٹ لیے اس کی طرف جاتی ہے۔ ابھی بھی آنسوؤں سے بھیگی ان آنکھوں، بچپن کی خفیہ بھول بھلیا سے بے خبر ان ہونٹوں، وقت سے قبل تیار ایتھلیٹ کی چھاتی، پلّے جیسے ہلکے بوسے کے درمیان ان خالی گھبرائے ہاتھوں اور ان چھوٹے چھوٹے بوسوں سے وہ خود کو الگ کر لیتی ہے جو ڈھونڈ لیتے ہیں شور اور بجلی کی چمک کے دوران ملائمیت کی گود، پانی کی تلواروں سے ہمیشہ کے لیے مسمار ہونے کی کنجی، بادلوں کی پھوار، آگ کے ان خطرناک شعلوں کی رات کا نشہ، جنگلی اور بھیگے بال۔ اندھے کنوئیں کی طرح وہ ایک دوسرے سے بوس وکنار کرتے ہیں۔ البیرتو کی زبان گلہری کے ملائم بالوں جیسے اس کے جسم، اس کی چکنی اور شہوت انگیز جلد پر اس مردانگی سے دوڑتی ہے جو کسی عورت کی مٹی سے ہی شروع ہوتی ہے۔

پاکیزگی، امید، کوٹھے کی کوند کو منہدم کرنے والا بحث ومباحثہ۔ وہ بھی بے صبری اور بے تابی کے ساتھ اس کے جسم میں سماتی ہے جو کبھی کسی کا نہیں ہوا تھا۔ وہ

ہیجان انگیز حرکتوں سے اسے برانگیختہ کرتی ہے۔ نسیں ایسے پھٹنے کو ہو رہی تھیں جیسے آتش فشاں یا جیسے ہرے بھرے درختوں پر چیتے کا حملہ...... وہ اس پر سوار ہو جاتا ہے۔ ایک بادل، مظلوم ٹھنڈی رات میں الٹی طرف لڑھکتا ایک پتھر، سورج اور چوٹ کے نشانوں سے سجے دن کی طرف اس نازک سرنگ سے گزرتے ہوئے، وہ سدا بہار۔ گرمیاں، تنہائی اور گرج کے وہ گھنٹے، جلد اور آگ جیسے لفظ زبان کی قید سے آزاد بولی میں پھسپھسائے جاتے ہیں اور کراہتے ہیں، لپٹوں میں چیختا افق، زمین کی نم چیخیں، جادوئی انگوٹھی۔ عشق کا گھڑسوار اس فانی گڈھے میں، اس عورت کے جبڑے میں لاوا اور گناہ، لیکن اس بات کا پتا ہی نہیں، سبھی عورتیں لیکن اس بات کا پتا ہی نہیں، چغل خور، پورا بھٹا، ایک بجلی۔ تیری وہ چڑیل ماں کہاں ہے؟ تجھے یقین ہے کہ وہ تجھے پیار کرتی ہے؟ اندھیری رات، پسینہ اور خواہش کے بیچ میں شعاع کا خونخوار سفر، کاغذات کترتا وہ منھ، فاک لینڈ کے لیے جبراً بھرتی کے بارے میں اپنے پاپا سے ہوشیار۔ کیا تو بھی ہر دن اپنے پاپا کے ساتھ شطرنج کے کھیل میں شامل ہوتا ہے؟ روایت، البیرتو، رواج ٹھونک دے اسے۔ مرد نہیں ہے؟ مار دھکا، تو کسی کام کا نہیں۔ پوری چھت ایسے ہی دھیرے دھیرے ڈھ رہی ہے۔ آہ میری بیٹی......
رات کی اچانک ایک پستولی گونج، ہیجان انگیز تڑپاتی روشنی، سب کچھ چیخ چلا رہا ہے، کانپ رہا ہے، ڈگمگا رہا ہے، بیچ سے تیرا خالی جسم۔ رک مت، چالو رہ، پیچھے مت ہونا، مقابلہ کر۔ کیا تو مرد نہیں ہے؟ ایک بار اور البیرتو۔ بغیر آرام۔ کچھ تو کر۔ اپنی اس نئی نوکرانی کا استعمال کر۔ آخر تو نے اس کے ایک انچ سوراخ کی دوگنی قیمت ادا کی ہے۔ ہر بال، اس کے ان دانتوں کی، سب کچھ کی۔ کیا وقت ہو گیا ہے، بوڑھا آدمی زیادہ نہیں سوتا ہے۔ جلدی کرتا کہ مجھے اس کی کڑوی زبان نہ سننی پڑے۔ وہ ناک بھوں چڑھاتا ہے۔ اس کی نیند ہی اڑ جائے گی اگر ایک بار بھی اسے احساس ہوا کہ طوائفوں اور نشہ خوروں کے ساتھ تھا۔ تیری تو آنکھ باہر نکال دے گا۔ جلدی کر، تب کسے بتائے گا البیرتو، کہ تو ہے سات گول کرنے والا، مشہور وزن اٹھانے والا، ملک کے کیروگا خاندان کے

بڑے کارواں کا وارث سار یا۔ ان کا رشتہ دار جو ہیں کو نے پر اور دوسری بڑی جگہوں پر رہتے ہیں اور جو تجھے ایک دن ایک ہاتھ تھمائیں گے۔ خاموش بان کے یار! کہاں گیا اب تیرا وہ غرور، رقص کے وہ اسٹیپ جو اتنے جتن سے سیکھے تھے؟ تو اس بازارو لڑکی کی ٹانگوں کے بیچ کیا کر رہا ہے؟ اس نالی میں لار ٹپکا رہا ہے جہاں رات میں ایک کوڑھی نے الٹی کی۔ کیا تو محسوس نہیں کرتا کہ یہ سب تجھے برانگیختہ کرتا ہے۔ پرانے پڑوس کی تیری چاچی کہتی تھی کہ بیٹا اسے اپنے آپ مت چھوا کر۔ تو پرانی یادوں، ایڈس اور اخلاقی گراوٹ کے خاتمے کے بغیر مکمل اداسی سے پہلے ہی مکدر رہے۔ باہر نکل، بھاگ کھڑا ہو۔ دوڑ لگا کیوں کہ ہم تیرے ساتھ ہیں جنھوں نے تجھ سے سڑک پر گرجدار اور بدبودار رات کے شگاف کے درمیان سے نکل جانے کو کہا تھا۔ تو اب ہمیں پیار نہیں کرتا۔ چلو دیکھیں وہ مضبوط ہاتھ ، وہ لمبے ہوتے لہراتے بال، بالوں سے بھرا سینہ، ڈارلنگ! تو ہمیں چھوڑ کر جا رہا ہے۔ چھت بھی لرز رہی ہے۔ البیرتو، تو مجھے درد دے رہا ہے...... البیرتو، تو نہیں سن رہا ہے...... تجھے اسے مارنا ہے، بجلی کی وہ کوند، گولیوں کی بوچھاروں کی وہی وحشی جنگ، یہاں اب پانی ہی پانی ہے۔ یہ بستر تو اب ایک تالاب، ایک زخم ہے۔ طوفان اب چھت کو پھاڑ رہا ہے۔ ہمیں بالکل گھیر لیا گیا ہے، اتر جا، گدھے، اب نکل چل...... بے چارہ نہیں جانتا ہے کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ تو نے مجھے لگ بھگ ڈبو دیا ہے...... بالکل ہڈیوں تک لت پت، آہ نیند، کاش میری صبح اس طرح بغیر کسی کام کے ہوتی۔ کیا مجھے بھی اب نکلنا ہے......؟ شاید کسی کو نہ پتا چلے گرمی کا پہیا، نہ یہ کہ کیسے آتی ہیں اتنی جلدی اوس اور صبح، دُم دار ستارے کی خفیہ کاری، جوان ہونے کی بے رحم حیرت، پھیکا پڑتا سکون، بیداری، صبح سے بھری ہوئی، جلدی سے اگتی مختلف مونچھیں، جانگیا، پسینے سے بھیگی پینٹ، رسم ادائیگی، قیاس آرائی کے تئیں انہماک، سڑک پر فی گھنٹہ کی مزدوری کی غلامی کے لیے سپردگی۔ وہ پر تشدد اعتماد تمھارے پچھلے درد کو تھکا دیتا ہے۔ آخر میں جس کا نام پاویسے تھا، وہ تھک جاتا ہے۔ کچھ زیادہ پیسوں کے لیے۔ کچھ کم راتوں کے لئے۔ کھڑکی ابھی بھی تشدد کے تھپیڑے

جھیل رہی تھی۔ واہ، شاید وہ بجلی اب آخری بار کڑک رہی ہوگی۔ نمک، آیوڈین اور دھوئیں کے بادل۔ کبھی ایک ہی بار میں ختم نہیں ہوتے۔ کسی وہم کے بغیر تو پانی اور شام کے اخباروں کی کائی بنی ہوئی ہے۔ وہ ہوا تیری نہیں ہے۔ دنیا تو کسی کی ہے ہی نہیں۔ تو نہ دعوت میں، نہ تیاریوں میں، نہ پت جھڑ میں اور نہ پوسٹ مارٹم کیلیے ہی مناسب ہے۔ بس ہتھیار ڈال دے۔ خدا کا نام لے لے۔ کیسے جل رہی ہے دور بجلی کی وہ پٹی۔ شاید طوفان ختم ہونے کو ہے۔ دیکھو وہ کیسے سو رہا ہے۔ اس کے لیے تیرا کیا مطلب ہوسکتا ہے؟ اگر یہ طوفان تھما بھی تو پھر دوسرا ہے۔ وہ کبھی نہیں چاہیں گے کہ وہ تیری بانہوں میں آرام سے اونگھے۔ نہ تو خواب دیکھ اور نہ اسے دیکھنے دے۔ تجھے اس کی اجازت نہیں ہے۔ تجھے یہ سبق کئی بار مل چکا ہے۔ اس غار میں سورج نکل رہا ہے۔ لیکن نہ اس کے ہاتھ ہیں، نہ پیار کی کوئی تھپکی، نہ نرمی اور نہ کوئی بات۔ تجھے اسے جھنجھوڑ کر جگانا ہوگا۔ البیرتو گھر جا...... پر تیرا تو یہی کام ہے۔ یہ کھرا نوٹ۔ دیکھو وہ کیسے سو رہا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ رات میں وہ باہر کہیں گیا ہی نہیں ہے اور نہ اس کے پاس سیلائن فوجی گھڑی ہے اور نہ حکم دینے والی کڑک آواز ہے۔ وہ سرجنٹ تو کیا ایک جسم فروش بھی نہیں بن سکتا ہے۔ البیرتو، ہفتہ کی اس روشنی میں آسمان کتنا زیادہ نیلا اور صاف ہے۔ ارے البیرتو...... اسے اور جھنجھوڑ۔ ایسا لگتا ہے کہ چھت گرنے ہی والی ہے۔ ارے، دیکھو تو اسے۔ یہ تو بالکل ننگا ہے۔ البیرتو دن نکل آیا ہے......
دھوپ سے جھلسا ہوا، نازک آدمی سو رہا ہے۔ اس کا ایک ایک عضو سو رہا ہے۔ تو کھڑی ہو جا۔ کمرے میں چکر ہی لگا لے تاکہ پڑوسی تجھے اس حالت میں دیکھ نہ لیں۔ تجھے کیا پرواہ ہے جب ہاتھ میں نوٹ ہے؟ وہ آج تیرے پاس آسکتے ہیں۔ لیکن اسے بھی دیکھ، شعلوں اور چنگاریوں کے بیچ تم دونوں جانوروں کی طرح گتھم گتھا تھے۔ تیرا جسم تو کرایہ پر ہے ہی۔ تیرے ناجائز تعلقات کو کوئی ڈرا دھمکا نہیں سکتا۔ تیرے یقین کی رات کو نہیں نگل سکتا، تیرے تہہ خانے کا بجلی بھی نہیں کچھ بگاڑ سکتی۔ اب صبح ہو رہی ہے اور وہ مجھے دھمکا رہی ہے...... ہوش کے ناخن لے۔ کپڑے پہن لے۔ دیر ہو چکی ہے...... بالوں پر کنگھی پھیر لے۔

تجھے تو اپنے کو بچانا ہی ہوگا۔ اسے زور سے جھنجھوڑ۔ وہ اٹھ تو جائے۔ اس نے سونے کے لیے رقم ادا نہیں کی ہے۔ یہاں مفت کچھ نہیں ہے۔ کم سے کم تو تو باہر نکل۔ پر تو نکلنا ہی نہیں چاہتی۔ تو تو وہیں پر گڑی ہوئی ہے۔ تو اسے پیار کرنے کے لیے مجبور نہیں ہے۔ یہ بھی کہیں نہیں لکھا ہے کہ تجھے اُس سانس، شوخ پلکوں کی اُس نرمی کو بوسہ دینا ہی ہے۔ وہ تباہ کن ہو سکتا ہے۔ اور وہ آنکھیں کھول رہا ہے۔ وہ تمھاری طرف مسکرا رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ مالینا مجھ سے شادی کر لے۔ میں مذاق میں نہیں کہہ رہا ہوں۔ تو فکر مت کر، میں پاپا سے کہوں گا میری منگیتر ایک آسمانی چیتا ہے……

□□□

باب:3

اسکول تھیٹر کے گرم کمرے میں، دھول جمی تختیوں پر بیٹھے، پیچھے کے چپ چپے پردوں سے سنے ہوئے جولرزتی سیڑھیوں پر ٹنگے تھے وہ کچھ زیادہ بے چین ہو رہے ہیں۔ پرانے اسکول کے ڈریس کے بغیر، جینس اور ہرن کے ملائم چمڑے کے جوتوں میں وہ کچھ بڑے لگتے ہیں۔ جیب میں ہاتھ ڈالے، تو تو آسواگا چپ چاپ، دھیرے دھیرے ان کئی رنگوں والے بے چین چہروں کو غور سے دیکھتا ہے۔ اسٹیج کے ایک کونے سے اپنے بھائی کی بغل میں کھڑی ویرونیکا اپنی ہری نیلی آنکھوں سے اسے دیکھتی ہے۔ رضا کاروں کی ٹولی کے بیچ سولیداد نہیں ہے۔ وہ بڑے لاطینی امریکی اسٹیج کو غور سے دیکھتا ہے جیسے لفظ ڈھونڈ رہا ہو۔ آخر میں اس کے ہونٹ کھلتے ہیں۔ وہ کہتا ہے: ''مارننگ بیکمس الیکٹرا (Mourning Becomes Electra)''

اس دن سورج کے طلوع ہونے سے پہلے، سیمون کا سیرس نے جب اسے کافی کا دوسرا کپ دیا تو آسواگا نے کہا۔

''شکریہ!''

نپولین سوم کے زمانے کی آرام کرسی میں تھوڑا سیدھے بیٹھے ہوئے کوورزیر (Courwoisier) کی اداس بوتل پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالی جسے وہ آدھے گھنٹے قبل خالی کر چکے تھے۔ بشپ کو کھانسی آئی۔ اس کی بکھری داڑھی نمی سے بھیگی ہوئی تھی۔

''چھت کے اس کمبخت پنکھے نے میرے گلے میں خراش پیدا کر دی ہے۔''

''ناٹک دیکھنے کے قابل تو ہونا ہی چاہئے۔ ناٹک بھی یہاں تخریبی مانا جاتا ہے۔ ہمیں ایسا کچھ انتخاب کرنا چاہئے جو نقصان دہ نہ ہو۔''

آسواگا نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ اس نے قمیض پہنی تھی پھر بھی چھاتی پسینے سے تر ہو رہی تھی۔

''بے شک! میں کچھ کلاسیکی قسم کا ناٹک کرنے کی سوچ رہا تھا۔ ان میں کسی طرح کا شعور پیدا کرنا

میری پریشانی کی وجہ نہیں ہے۔ میں پس ساختیاتی نظریہ کا حامل ہوں، میں خود کسی بھی چیز میں یقین نہیں کرتا ہوں۔ان کے دماغ میں میں کیا بٹھا سکتا ہوں اگر میں کسی بھی چیز کے بارے میں خود پر اعتماد نہیں ہوں۔ساتھ کے لیے جا رہا ہوں۔نطشے نے کہا ہے کہ ایک دن سماج کا سب سے بڑا اصول ہوگا کہ نفرت اور ڈر پیدا کرنے سے بہتر ہے دوبار مرنا۔اب ان کے دماغ میں میں کون سا نظریہ یا اصول گھسا سکتا ہوں؟''

''شک! شک پیدا کرنا خطرناک ہے!''

''میں تمھیں بتا رہا ہوں کہ ان معاملات میں شامل ہونے کا میرا ذرا بھی ارادہ نہیں ہے۔ میں تو ایک مکھی کو بھی نہیں مار سکتا''

''اچھائی غیر قانونی ہے۔''

آسواگا نے آرام سے اپنی پودینے کی کافی سڑک لی۔

''پادریوں اور کمیونسٹوں کے بارے میں جو بات مجھے پریشان کرتی ہے وہ یہ ہے کہ دونوں اخلاقیات کے ایک آفاقی نظریہ پر یقین کرتے ہیں۔ نہ اچھے لوگ ہوتے ہیں اور نہ برے لوگ ہوتے ہیں۔ ہوتے ہیں تو خوبصورت چہرے اور بدصورت چہرے یا دوسرے لفظوں میں ہم جیسے لوگ اور طوائفوں کی اولادیں۔لیکن اس میں سے کچھ بھی میری نیند نہیں حرام کرتا ہے۔''

''چاکو جنگ کے بعد سے میں بے خوابی کا شکار ہوں......''

کھڑکی سے اپنے پیروں کو جھلاتے ہوئے، کاسیریس اپنے کندھوں کو اچکا رہا تھا۔ بشپ کی میز پر آسواگا ایک سگریٹ ڈھونڈ رہا تھا لیکن وہاں بکھرے ہوئے کاغذ کے ساتھ کھلے ہوئے خالی پیکٹ اور سگریٹ کے ٹکڑوں سے بھرے ایک ایشٹرے کے علاوہ کچھ بھی نہیں۔ اس نے ان صاحب سے پوچھا:

''تمھارے پاس اور سگریٹ ہے؟''

''تم نے اپنے ساتھ میرا پیکٹ بھی پھونک ڈالا''

کاسیریس اپنے پیر جھلاتا رہا۔آسواگا نے منہ بنایا۔

''تمھارے پاس کار ہے؟''

''ہاں''

''چلو کچھ سگریٹ خرید لیتے ہیں۔ایسے ہم پوری طرح جاگ بھی جائیں گے۔''

''صبح ہونے ہی والی ہے، چھ بجے مجھے ماس میں حاضر ہونا ہے۔''

''بس ہم ابھی واپس جائیں گے۔''

داڑھی والا بڑی محنت سے کھڑکی سے چھلانگ لگا کر اتر گیا۔ اپنے بستر تک گیا۔ اپنی قمیض اٹھائی اور ساتھی کی قمیض اس کی طرف پھینکی۔ مرسڈیز کی چابی اٹھائی اور چہرے کے سامنے جھنجھنا کر بجائی۔

آسواگا نے اتنے میں اپنی قمیض پہن لی۔

''مہربانی کر کے دھیرے دھیرے۔''

وزنی دروازے کو جو بشپ نے اس کے لیے کھولا تھا پار کرنے سے پہلے اس نے کہا۔

''دراصل۔ یہ ایک مثلثیات ہے۔''

آسواگا دھیرے دھیرے طالب علموں کے درمیان قدم بڑھاتا ہے۔

''یعنی یہ تقریباً کلاسیک کہانی ہے۔ اس لحاظ سے اسکیلس کا اورستیا (Oresteia)......''

ویرونیکا خوشی سے سر ہلا دیتی ہے جبکہ اس کی بغل میں البیر تو ایک طنزیہ انداز میں مسکراتا ہے۔

پہلے باب کا عنوان ''گھر واپسی''...... ٹھیک ویسے ہی جیسے یونانی ڈرامہ آگا میمنون۔ اگر میں غلط نہیں ہوں تو اس کے چار باب ہیں۔ خیر یہ قطعی فکر کی بات نہیں ہے۔ حصہ دوم ''آزادی کا علمبردار'' جیسا ہے۔ اس کا نام ''شکار'' ہے۔ یہی حصہ ہے جو مجھے پسند ہے۔ تیسرا ''ایومینی دیس'' پر مبنی ہے اور ایک عجیب سا نام ہے اس کا...... ''آسیب زدہ''...... بالکل اونیل (O'Neil) کے کردار ہیں۔

ان نوجوانوں کے چہرے پڑھتے ہوئے، وہ خاموشی سے کھانستا ہے۔

''کیا تم نے اس سال اونیل کو پڑھا ہے؟''

''ہاں'' کچھ آوازیں آئیں۔

''کون سی کتابیں؟''

''بس شہنشاہ جونس''

آسواگا اپنی بات جاری رکھتا ہے۔

''ٹھیک ہے، تو ابھی اسی کے بارے میں کچھ باتیں کرتے ہیں''

''اسے پہلی مرتبہ 1931 میں اسٹیج کیا گیا تھا۔''

جس لڑکی نے ابھی کچھ کہا تھا، اس نے اپنا ہاتھ اٹھایا۔

''سر...... میں آپ کو بس یہ بتانا چاہتی تھی کہ ہم نے 'شہنشاہ جونس، ایک ڈرامہ کی شکل میں نہیں

پڑھا ہے۔ ایلیسا نے ہمیں تقابلی ادب کے طور پر ایک کتاب پڑھنے کو کہا تھا۔''

''اچھا''

''تو ٹھیک ہے، ہم 'اس دنیا کی سلطنت' سے اس کا موازنہ کرتے ہیں''

آسواگا مسکراتا ہے اور شکریہ ادا کرتا ہے۔ لڑکی واپس اسٹیج پر بیٹھ جاتی ہے۔

آسواگا ٹہلنا اور منہ بنانا جاری رکھتا ہے۔

''اس کا زمانہ امریکی خانہ جنگی کے فوراً بعد 1865 یا 1866 کے آس پاس۔ نیوانگلینڈ کے ایک چھوٹے سے ساحلی شہر میں ...... ظاہر ہے، یہ ایک خاندان کی کہانی ہے۔ مانون خاندان !! اونیل کے 'آگامیمون' کی طرح اس خاندان کے سرپرست کا نام ہے 'ایسرا' مانون۔ شوہر کی عدم موجودگی میں اس کی بیوی کرسٹین ، اسکیلس کی کلیتیم نسترا کی طرح، اپنے عاشق کپتان برانت، وہی ایستھس ، کے ساتھ رہ کر اس سے دغابازی کرتی ہے۔ اونیل نے بھی اسے عجیب نام دیا ہے...... آدم، آدم برانت''

البیر تو لاتعلقی سے کھڑکی کی دوسری طرف اس شاندار صبح کو دیکھ رہا ہے۔ ویرونیکا کہنی سے اپنی جانب متوجہ کرتی ہے۔

''مانون کے بچے، لاوینیا اور اورین ، الیکٹرا اور اوریتیس کے مقابلے میں بالکل ٹھیک بیٹھتے ہیں۔ اس لیے پلاٹ پہلے سے ہی سمجھ میں آجاتا ہے۔ کرسٹین کے ساتھ مل کر برانت بوڑھے مانون کا قتل کر دیتا ہے۔ تم لوگوں کو جس ڈرامے کو کھیلنے کا مشورہ دیتے ہوئے مجھے خوشی ہو رہی ہے وہ ہے 'شکار۔'' اس میں لاوینیا اپنے بھائی کو بدلہ لینے کے لیے اکساتی ہے۔ اورین برانت کو مار دیتا ہے اور کرسٹین خودکشی کر لیتی ہے۔ بس یہی سب ہے۔ ہمیں 'آسیب زدہ' میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔''

وہ اپنے ہاتھ اپنی چوتڑ پر رکھ لیتا ہے۔

کھلے کیوسک کی تلاش میں انھیں اس وقت شہر کے اندر بازار تک جانا پڑا۔ ایک فلم ہال کے کونے پر کاسیریس نے بریک لگایا اور اپنا بڑا سا سفید سر کالی مرسیڈیز کی کھڑکی سے باہر نکالا۔ ''چور بازار والے روبیوس کے دو پیکٹ دینا''

پوری رفتار سے ایئر کنڈیشن چلایا اور ہوا کی رفتار سے واپس ہوئے۔

''تمھارے ماس کا وقت ابھی نہیں ہوا''

آسواگا نے سرگوشی میں کہا۔ کاسیریس نے اسے اپنا پلیٹینم لائٹر تھمایا۔ ٹیڑھی نظروں سے دیکھتے

ہوئے داڑھی والے آدمی نے اس سے پوچھا۔

''تم کون سا ناٹک کھیلنے کی سوچ رہے ہو؟''

''ارے، جیسا کہ میں نے کہا، کچھ کلاسیکی قسم کا۔ مثال کے طور پر 'الیکٹرا'۔

''یوریپیدیس (Euripides) کا۔ ٹھیک ہے! کیا تم نے وہ فلم دیکھی؟''

''ہاں۔ میرے خیال سے ارے پاپاس کے ساتھ۔''

''ٹھیک ہے...... کچھ جدید بھی ہو سکتا ہے۔ دی فلائز (The Flies) یا بریخت کا ''انٹی گون!''

''سوچو بھی مت''

''کیوں؟''

''کمیونسٹ...... سارتر وغیرہ پر یہاں افسروں نے پابندی لگا رکھی ہے۔ اس کے علاوہ ناٹک انگریزی میں ہی ہونا چاہئے۔''

''کیا؟''

''ہاں، یہ دوزبانی اسکول ہے اور ماں باپ......''

''لیکن ناظرین میں سے آدھے کو تو ایک بھی لفظ سمجھ میں نہیں آئے گا۔''

''بالکل۔ آدھے لوگ اسے نہیں سمجھیں گے۔ لیکن ماں باپ چاہتے ہیں کہ ان کی بیٹیاں انگریزی میں عشق کریں۔ مرد کرداروں کے لیے ہمیں امریکی اسکول سے لڑکوں کو بلانا ہوگا۔''

سر ہلاتے ہوئے آسواگا نے سگریٹ جلالی۔

''مرے خیال سے ہمیں پولیس سے اجازت لینی پڑے گی۔''

کاسیریس نے کہا۔

''ڈنڈا کرنے والے پیچھے پیچھے آ جائیں گے اگر ہم نے ذرا بھی شیخی دکھائی''

آسواگا کی اداس آنکھیں اُن بلند خواہشات رکھنے والے اداکاروں اور اداکاراؤں کی اس بے صبر جماعت کو غور سے دیکھتی ہیں جو آپس میں ڈرامہ کی کاپیاں تقسیم کر رہی تھی۔

''کوئی اور سوال؟''

اس شور شرابے کے درمیان ایک لڑکی اپنا ہاتھ اٹھاتی ہے۔ آسواگا اسے فوراً پہچان لیتا ہے۔

ویرونیکا نے پوچھا۔

''لاوینیا کون بنے گی؟''

□□□

باب :4

''اچھا بیٹھو......''

''ہاں پاپا''

''بیرتا کی فکر مت کرو، وہ ہمارے لیے کافی نہیں لائے گی۔ جب بھی ہم اپنی لائبریری میں جا کر بیٹھتے ہیں، وہ وہیں ہمارے لیے کافی لانے کی کوشش کرتی ہے لیکن اس بار میں نے اس سے کہہ دیا ہے کہ وہ خلل نہ ڈالے۔ میں نے اس سے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ مجھے کوئی اطلاع بھی نہ دے جب تک کہ فارم ہاؤس سے کوئی ریڈیو سے اطلاع نہ ہو۔ اور آج شام مجھے کسی اطلاع کی کوئی امید نہیں''

''ٹھیک ہے۔ بول، تو مجھ سے کیا کہنا چاہتا تھا۔''

''پاپا! میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔''

''سچ!''

''بالکل سچ!''

''میں اس کی مخالفت نہیں کر رہا ہوں۔''

''یہ بات کہنے میں مجھے بہت دشواری ہو رہی تھی۔''

''بیٹا البیرتو، میں سوچ رہا تھا کہ تو کوئی سنجیدہ گفتگو کرے گا۔ پہلے تو یہ بتا کہ تیری پڑھائی کیسی چل رہی ہے؟''

''بس ہمارا امتحان ختم ہو گیا ہے۔''

''اور؟''

''میں اپنے سبھی سبجیکٹ میں پاس ہو گیا ہوں۔''

''پاس! سبھی سبجیکٹس میں صرف 'پاس' ہونا کافی نہیں ہے۔ میں اپنے سبجیکٹس میں صرف 'پاس' نہیں امتیازی نمبروں کے ساتھ پاس ہوا تھا۔ تو اپنی بہن سے کیوں نہیں کچھ سیکھتا ہے؟''

''وہ تو نقل کرتی ہے''

''کیا؟''

''ویرونیکا امتحان میں نقل کرتی ہے۔ وہ سب کچھ اپنے پیروں پر پہلے سے لکھ لیتی ہے۔ پرچیاں وہ اپنی برا میں چھپاتی ہے۔ تبھی تو اسے اچھے نمبر ملتے ہیں۔''

''بے تکی باتیں مت کر۔''

''اسی سے پوچھ لو۔''

''اس انداز میں مجھ سے باتیں مت کر۔''

''پاپا، تم میری بات پر یقین کیوں نہیں کر رہے ہو......''

''کیا مطلب...... میں تیری بات نہیں سن رہا ہوں؟ تو بول! تجھے روک کون رہا ہے؟

''تم بات چیت کا موضوع بدل رہے ہو۔ اس سے مجھے اور تکلیف ہو رہی ہے۔''

''البیر تو، میں تیرا پاپا ہوں۔''

''ٹھیک ہے! میں تمھیں بتا رہا ہوں کہ میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔''

''جب میں تیری عمر کا تھا۔ میں صرف اپنی پڑھائی کے بارے میں سوچا کرتا تھا...... میری سمجھ سے تجھے بھی اپنی ترقی اور بہتری پر غور کرنا چاہئے۔ اخلاقی طور سے جو ٹھیک لگے۔ کیا تو کسی لڑکی کو جانتا ہے؟ تجھے پسند ہے؟ یہودی ہے؟''

''نہیں۔''

''بہت اچھے! گھر لے آنا''

''میں اسے گھر نہیں لانا چاہتا ہوں۔ میں اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔''

''وہ تیرے اسکول کی ہی ہے۔''

''نہیں۔''

''ویرونیکا کی دوست ہے؟''

''نہیں، اس طرح کچھ نہیں ہے''

''کیا تو اُس سے کلب میں ملا؟''

''نہیں۔''

''یا خدا!...... لگتا ہے تو اسے جانتا ہی نہیں۔ کیا میں اس کے پاپا کو جانتا ہوں؟''

''نہیں۔''

''اس کے نام کے اخیر میں کیا ہے؟''

''شاید...... سانابریا۔''

''سانابریا۔''

''ہاں سانابریا۔''

''میں نے کبھی کسی سانابریا کے بارے میں نہیں سنا ہے۔ ہاں، ایک خوصے ضرور تھا جو کا سال کا رہنے والا تھا۔ اور یہ بات بہت پرانی ہے...... آخر تو اسے جانتا کب سے ہے؟''

''تقریباً ایک مہینے سے۔''

''افوہ! تو پہلی ہی نظر میں پیار! البیرتو، مجھے لگتا ہے کہ تو میرا وقت برباد کر رہا ہے۔''

''میں تمھارے ساتھ بس اچھے سے پیش آنا چاہتا تھا...... انگریزی کلاس میں یہی سکھاتے ہیں۔''

''مجھے تیرے طعنے پسند نہیں ہیں۔ کیا تمھیں امریکی اسکول میں یہی سب پڑھایا جاتا ہے؟''

''ٹھیک ہے، اگر تم مجھے سننا نہیں چاہتے ہو...... تو میں جا رہا ہوں۔''

''بیٹھ جا۔ میں نے ابھی اپنی بات ختم نہیں کی ہے۔''

''اور کیا جاننا چاہتے ہو؟''

''اس لڑکی کے بارے میں مجھے اور بتا۔ اس کا نام جاننا چاہتا ہوں، اس کی دلچسپیاں کیا ہیں، سب کچھ بتا۔''

''اس کا نام ہے مالینا۔ اس کا کوئی خاندان نہیں ہے۔ بس اس کی ماں ہے......''

''مالینا، میں نے یہ نام پہلے کبھی نہیں سنا۔''

''......''

''کوئی خاندان نہیں ہے۔ تو ہی کہہ رہا ہے نا؟ کیسے ہو سکتا ہے؟ کیا وہ کسی یتیم خانہ میں پلی بڑھی ہے؟''

''کچھ وقت پہلے اس کے پاپا کا انتقال ہو گیا تھا۔''

''کیا عمر ہے اس کی؟''

''سترہ!''

''سترہ! اس کا گارجین کون ہے؟ وہ کس کے ساتھ رہتی ہے؟''

''اپنی ماں اور ایک کتے کے ساتھ ایک چھوٹے سے گھر میں رہتی ہے۔''

''اس گھر کو چلاتا کون ہے؟''

''وہ خود کام کرتی ہے۔''

''اس کی عمر میں اگر کوئی روزگار مل سکتا ہے تو وہ صرف گھریلو نوکرانی کا۔ کیا وہ ایک گھریلو نوکرانی ہے؟''

''وہ ایک حمام میں کام کرتی ہے!''

''حمام میں؟ اس طرح کی جگہوں کو عزت کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا ہے۔''

''میں اس کے ساتھ خوش ہوں۔''

''ایک مالش کرنے والی لڑکی! تو بالکل اپنے دادا اور ان کے جیرینیم کی طرح ہے۔''

''میں اس سے ایک سال بڑا ہوں۔''

''تو کیا؟''

''پاپا! میں تمھیں بھروسہ دلاتا ہوں کہ وہ بہت اچھی ہے۔''

''البیرتو، تجھے تجربہ ہی کتنا ہے۔ میں نے کافی لمبی زندگی گزاری ہے...... تختہ پلٹنے والوں کے خلاف میں نے جنگ لڑی تھی...... ان لوگوں کا تو بھروسہ مت ہی کرنا جن کے خاندان کے بارے میں تجھے کچھ پتا ہی نہیں۔''

''لیکن مالینا سے میں نے کافی بات کی ہے۔ میں اسے اچھی طرح جانتا ہوں۔ اس کے علاوہ...... اس نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ شادی کے بعد وہ مالش کا کام چھوڑ دے گی۔''

''بہت خوب! وہ سوچتی ہوگی کہ تو دونوں کا خرچ اٹھا ہی لے گا۔''

''بالکل نہیں، وہ کوئی دوسرا کام کرنے کی سوچ رہی ہے۔ اگر ضروری ہوا تو ہم کوئی حل نکال لیں گے۔ مجھے فوراً کوئی کام نہیں ملا تو وہ میرے اسکول کا خرچ اٹھائے گی۔''

''اب مجھے واقعی فکر ہو رہی ہے۔ تجھے اس نے پوری طرح چکما دے رکھا ہے۔ میں اس لڑکی سے ملنا چاہوں گا۔ تو کہتا ہے کہ اس کا کوئی خاندان ہی نہیں ہے......''

''میں نہیں چاہوں گا کہ تم اس ذہنیت کے ساتھ ملو۔''

''دیکھ تو کہتا ہے کہ وہ اپنا...... کام چھوڑ دے گی...... اور کہ دوسری نوکری تلاش کرلے گی۔ ایسا ہی ہے نا؟''

''ہاں!''

''کون سی نوکری؟''

''میں کیا جانوں۔ شاید کسی دکان میں......''

''اس نے تعلیم کہاں تک حاصل کی ہے؟''

''مجھے نہیں معلوم۔''

''وہ ضرور ضدی ہوگی جیسے کہ سبھی غریب لوگ ہوتے ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ وہ پیدا ہی ویسے ہوتے ہیں...... لیکن وہ اپنی پرورش ٹھیک سے نہیں کر پاتے ہیں۔ مجھے پتا ہے!''

''وہ بہت عقلمند ہے۔''

''چپڑی روٹی دماغ پر اثر کرتی ہے۔''

''لیکن وہ بہت عقلمند ہے۔''

''البیرتو، تجھے وہ بے وقوف بنا گئی۔ وہ جانتی ہے کہ تیرے پاس پیسہ ہے۔ مردوں کی مالش کرنے کا دھندا چھوڑنے کے لیے اس کے پاس یہی ایک طریقہ ہے...... ایک حمام......''

''وہ انگریزی سیکھنے جارہی ہے۔ توتو کی ایک امریکی دوست ہے اور......''

''توتو! یہ توتو کون ہے؟''

''توتو آسواگا''

''یہ نام میں نے کبھی نہیں سنا''

''ویرونیکا کے اسکول میں وہ فلسفہ کا پروفیسر ہے یا ویسا ہی کچھ پڑھاتا ہے۔''

''جو فادر مارسیلین پڑھاتا تھا؟''

''ہاں! لیکن اب لگتا ہے کہ اس کی جگہ وہی آ گیا ہے۔''

''مجھے یقین ہے کہ وہ داڑھی والا ہی اسے لایا ہوگا۔ ضرور وہ غیر ملکی ہوگا۔''

''ہاں، وہ یونائیٹڈ اسٹیٹس آف امریکہ سے آیا ہے......''

''ذرا سوچو! ایک ایسے ملک سے جس کا صدر اپنے بیٹے کو بیلے ڈانسر بننے کی اجازت دیتا ہے''

''لیکن توتو چاسکوموس...... یا سانتاندیر کا ہے۔ مجھے ویسے ٹھیک سے پتا نہیں ہے۔''

''اور بھی برا ہے کیونکہ اسپین بھی اب اسپین نہیں رہا۔''

''کاسیرلیس اسے نہیں لائے۔ وہ یہاں صرف کسی سے ملاقات کے لیے آیا ہے۔ امریکہ میں وہ کافی مشہور ہے۔''

''مجھے کافی حیرانی ہے۔ وہ یہاں کس سے ملاقات کرنے کے لیے آیا ہے؟''

''ایلیسا!۔ ویرونیکا کی اینگلو امریکن ادب کی ٹیچر سے ملنے۔''

''ایک سیاہ فام کا وہاں کیا کام؟''

''......''

''وہ بھی ضرور طلاق شدہ ہوگی...... بس اسی کی کمی رہ گئی تھی۔''

''نہیں، اس کا شوہر ہے۔ کوئی گنتیر......''

''کیا عمر ہوگی اس آسواگا کی؟''

''میں نہیں جانتا۔ شاید پینتالیس''

''یہی تو میں سوچ رہا تھا کہ اس عمر میں کوئی مشہور کیسے ہوسکتا ہے۔''

''میں تمھیں صرف یہ بتا رہا تھا کہ مالینا کو ایلیسا انگریزی سکھانے جا رہی ہے تا کہ اسے کوئی کام مل سکے۔ میں نے ہی اسے اس کے لیے کہا تھا۔''

''لیکن تو اسے ایلیسا کیسے پکار سکتا ہے؟ وہ ٹیچر ہے نا؟''

''اس نے ہم سے کہا کہ ہم اسے اسی طرح پکاریں!''

''کیا اندھیر ہے! تیرا مطلب ہے کہ وہ تمھارے ساتھ تو تڑاک کرتی ہے۔''

''ہاں''

''یعنی وہ تجھ سے بھی تو تڑاک کرتی ہے۔''

''بالکل!''

''اور وہ دوسرا آدمی بھی تجھ سے تو تڑاک ہی کرتا ہے؟''

''ہاں بالکل......''

''وہ ویرونیکا کے ساتھ بھی بالکل ویسے ہی پیش آتا ہے؟''

''ہاں''

''میں کل صبح ہی تو روکس سے بات کرنے جا رہا ہوں۔ پہلے تو ایسا کبھی نہیں سنا۔''

''پاپا، تم پریشان مت ہو!''

''تو چپ رہ، ان بے وقوفوں کو دیکھ دیکھ کر میں بالکل تھک گیا ہوں۔ شکر ہے کہ تو نے اسکول تک تو پڑھ لیا۔''

''ابھی نہیں۔''

''کیا کہہ رہا ہے؟''

''اسکول کھلنے پر ایک ڈرامہ اسٹیج کرنے کے لیے ہم نے ریہرسل شروع کر دی ہے۔''

''تو بھی؟''

''ہاں، امریکن اسکول سے کئی لڑکے حصہ لے رہے ہیں۔''

''اور ویرونیکا؟''

''وہ بھی ہے اور اس کا تو اہم رول ہے۔''

''واہ بہت خوب!''

''اس کے علاوہ ڈرامہ انگریزی میں ہے۔ تم ہمیشہ ہی کہتے تھے کہ ڈرامہ انگریزی میں ہی ہونا چاہئے۔''

''کیا نام ہے؟''

''مارننگ بکمس الیکٹرا''

''فحش ڈرامہ! اسے کس نے منتخب کیا؟''

''تو تو نے!''

''بے حیا، بے شرم!''

''پاپا، میں تمھیں بتا دوں کہ وہ فلسفہ اور ادب میں پی ایچ ڈی ہے۔''

''تو کیا؟ مارکس بھی ایک بڑا دانشور تھا۔''

''لیکن تو تو ایک مارکسی...... نہیں ہے۔''

''وہ تو سب کہتے ہیں! ایک شخص کو اگر اپنی طالبہ کے ساتھ تو تڑاک اور فرائڈ کی تشہیر کرنے کی اجازت ہے تو وہ بداخلاق ہے۔ مسیحی کی کمی کی وجہ سے ہی یہ ملک ایسا ہو گیا ہے۔ یہ نوجوان فوجی کچھ ست ہیں۔ یہ پنوچیت (Pinochet) سے کیوں نہیں کچھ سیکھتے؟''

''پاپا یہ انگریزی میں ہے۔ کوئی ایک لفظ بھی نہیں سمجھے گا۔''

''......تو لالا ونچا امریکی ہے؟ میں نے سوچا کہ وہ افریقی ہے۔''

''نہیں، مجھے لگتا ہے کہ وہ واشنگٹن میں رہتی ہے۔''

''سبھی امریکی عورتیں رنڈی ہوتی ہیں۔''

''اس لفظ کو میں نہیں جانتا۔''

''کوئی بات نہیں۔''

''ٹھیک ہے! میں تمھیں بس بتانا چاہتا تھا کہ مالینا سے شادی کرنے جا رہا ہوں۔''

''اس پر ہم بعد میں بات کریں گے۔''

''میں اب اور زیادہ انتظار کرنے کو تیار نہیں ہوں۔''

''کیوں؟ تو نے کچھ...... جلد بازی دکھائی ہے؟''

''تمھارا مطلب ہے کہ میں نے اسے حاملہ کر دیا ہے؟''

''ارے باپ رے باپ...... چھی چھی توبہ توبہ...... چل وہی سہی!''

''نہیں، وہ ہوشیار رہتی ہے۔''

''کیا زمانہ آ گیا ہے۔ اٹھارہ سال کی عمر میں......''

''سترہ!''

''اپنی زبان بند رکھ! تجھے نہیں معلوم کہ تو کیا کر رہا ہے۔ تو دوسری لڑکیوں کے پاس کیوں نہیں جاتا؟ آوارہ لڑکیوں کو کیوں پکڑتا ہے، کلب کیوں نہیں جاتا ہے؟''

''میں تو وہاں ہمیشہ جاتا ہوں۔''

''اور وہاں تجھے تیری پسند کی کوئی نہیں ملی؟''

''مجھے صرف مالینا پسند ہے۔''

''مالینا! کتنا عجیب نام ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس نے کلب میں کبھی قدم بھی نہیں رکھا ہوگا۔''

''میں اسے وہاں کبھی لے ہی نہیں گیا اور میرا خیال ہے کہ اسے وہاں اچھا بھی نہیں لگے گا۔''

''بے شک! اور ایک ایسی...... کے ساتھ مجھے بھی اچھا نہیں لگے گا۔ تو نے کیا کہا...... کیا ہے اس کا خاندانی نام؟''

''سانابریا!''

''یہ ضرور اس کا بدلا ہوا نام ہوگا؟ یہودی اکثر عیسائی نام رکھ لیتے ہیں۔''

''نہیں، میں نے تم سے کہا تھا نا کہ وہ یہودی نہیں ہے۔''

''حمام! تو سوچ بھی نہیں سکتا ہے لوگوں نے ان جگہوں کے بارے میں مجھے کیسی کیسی باتیں بتائی ہیں۔ سبھی وہاں صرف مالش کروانے نہیں جاتے...... تجھے کچھ پتا بھی ہے؟''

''......''

''وہ وہاں نوکری کے لیے پہنچی کیسے؟''

''کسی شخص نے اس کی سفارش کی تھی۔''

''کون تھا وہ؟''

''مجھے نہیں پتا۔ میرا خیال ہے کہ کسی جنرل نے......''

''کوئی پادری یا اسی طرح کا کوئی؟''

''مجھے نہیں معلوم!''

''دیکھ، البیرتو تجھے پتا ہے کہ تیری ماں کی وجہ سے ہمیں ہمیشہ پریشانی رہتی ہے۔ تو میرا یقین کر۔ اس طبقے کی عورت کے ساتھ اگر تو رہے گا تو تیری ماں بہت ناراض ہوگی۔''

''مجھے ایسا نہیں لگتا۔''

''کیا؟''

''میں اپنی ماں کو تم سے بہتر جانتا ہوں۔''

''تیری ہمت کیسے ہوئی ایسا کہنے کی!''

''......''

''دیکھ میرے بیٹے! مجھے لگتا ہے کہ شاید تجھے تھوڑے اور پیسوں کی ضرورت ہے۔ اپنے لیے کچھ نئے کپڑے خرید لے اور انھیں پہن کر اپنے رنگی والے دوستوں کے ساتھ کلب میں جا۔ ہزاروں جوان لڑکیاں ہیں جو تیرے خاندانی نام سے رشتہ جوڑ کر اپنے کو خوش نصیب سمجھیں گی۔ تو ایک جاذب نظر، دلکش، عقلمند اور اچھے گھر کا لڑکا ہے۔ اگر تو چاہے تو خوب موج مستی کر سکتا ہے۔ بھول جا اس معمولی لڑکی کو۔''

''نہیں، وہ مجھے پیار کرتی ہے اور میں اس سے...... کلب میں لڑکیوں کو صرف خوبصورت چہرے اور پیسے چاہئے۔''

''البیرتو، میرے پیارے بچے! جو بات میں کہہ رہا ہوں اس کے لیے معاف کر دے...... تجھے پتا ہے کہ میں گالی گلوچ کبھی نہیں کرتا۔ لیکن...... مجھے تیری فکر ہو رہی ہے بیٹے! مجھے لگتا ہے کہ تو کسی...... طوائف کے چنگل میں پھنس گیا ہے۔''

''یہ لفظ میری سمجھ میں نہیں آیا۔''

''ٹھیک ہے...... میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایک چالو عورت ہے۔ سمجھا؟''

''تمھارے کہنے کا مطلب کہ ایک......''

''بات کو سمجھ بیٹا!''

''نہیں پاپا، مجھے یقین ہے کہ مالینا ویسی نہیں ہے۔''

''تجھے کوئی...... بیماری تو نہیں لگی نا؟ سچ سچ بتا!''

''خدا کے لئے؟ پاپا اس کی تو سانس میں بھی بدبو نہیں ہے!''

□□□

باب :5

''ہیلو میڈم، میرے پاپا ہیں یہاں؟''

''شکریہ!''

''پاپا مجھے معاف کرنا، مجھے تم سے تمھارے دفتر میں بات کرنی پڑ رہی ہے۔''

''شکریہ، پاپا!''

''ہاں، میں تم سے کچھ صلاح لینا چاہتی تھی۔''

''ہاں، ٹھیک ہے۔ تو فکر مت کر، تجھے پتا ہے کہ میں اس کی طرح نہیں ہوں۔''

''بے شک، البیر تو ایک ایسی عمر میں ہے، پاپا......''

''نہیں، کیا نام بتایا تھا؟''

''مالینا؟ میں اسے نہیں جانتی۔''

''اچھا میں تو بس تمھیں اپنی دوست سولیداد کے بارے میں بتانا چاہتی تھی۔ میرا خیال ہے کہ میں نے تمھیں اس کے بارے میں پہلے بتایا تھا۔ وہ غریب ہے لیکن عزت دار......''

''ہاں، تب سے جب ہم ننھی بچیاں تھے۔''

میں نے تجھے یہ خط لکھنے کا فیصلہ کیا کیوں کہ آمنے سامنے تجھے یہ سب بتانے کی ہمت مجھ میں نہیں ہے۔ میں جانتی ہوں کہ تو بہت ناراض ہوگی۔ ویرو، میں تجھے ناراض بالکل نہیں کرنا چاہتی۔ لیکن میں تیرے ساتھ رہ بھی نہیں سکتی۔ میں ماں کو اس گھر میں اکیلا کیسے چھوڑ سکتی ہوں؟ اس کے علاوہ، ویرونیکا یہ سوچ کر مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے کہ کہیں لوگ ہمارے بارے میں ایسی ویسی باتیں نہ شروع کر دیں۔ میں تجھے بتا رہی ہوں، ویرو، کہ بات سنجیدہ ہے۔ میں نہیں جانتی کہ اب کیا کروں۔

''شکریہ، پاپا۔ اسے کچھ کہنے سے پہلے میں صرف تم سے کچھ صلاح لینا چاہتی تھی۔''

''شکریہ''

''نہیں، اس کے پاپا کا انتقال ہوگیا ہے۔ وہ اپنی ماں کے ساتھ اکیلی رہتی ہے۔''

''...... مجھے لگتا ہے کہ وہ کسی سرکاری دفتر میں کام کرتی ہے یا شاید کسی عدالت میں کوئی ایسی ہی نوکری۔ وہ ہمیشہ اپنے ریٹائرمنٹ کی بات کرتی ہے۔''

''جو بھی ہے۔ ان لوگوں کی زندگی بس اسی طرح چلتی ہے۔''

''ان کا کوئی ہے ہی نہیں۔ بس ایک ماما ہے جو غیر ملک میں رہتا ہے۔''

''نہیں، میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا ہے۔ وہ شاید کبھی کبھی آتا ہوگا ان سے ملنے۔ اس کی ایک بیٹی ہے جو نا بینا ہے۔ سولیداد ہی اس کی گارجین ہے۔''

''ظاہر ہے!''

''نہیں، کرایہ کا گھر ہے۔ وہ کافی غریب ہیں لیکن عزت دار ہیں۔''

''بے شک میں اس کی مدد کرنا چاہوں گا۔''

''اس سے اچھی بات کیا ہو سکتی ہے۔ اس طرح سے ہم ایک ساتھ یونیورسٹی میں پڑھائی کر سکیں گے...... آرکیٹکچر...... دونوں۔ وہ تو سوشیولوجی چاہتی تھی لیکن میں نے اسے تیار کر لیا ہے۔''

''مجھے خوشی ہے!''

''یعنی اگر وہ آتی ہے تو کوئی مسئلہ نہیں ہے۔''

''تو نے کیا کہا؟''

تجھے پتا ہی ہے کہ میں بھی بہت خوش رہتی ہوں جب ہم ایک ساتھ ہوتے ہیں۔ لیکن ویرو! مجھے بہت شرم آتی ہے۔ میں نہیں جانتی کہ مجھے کیا ہو جاتا ہے۔ یقیناً میرا ذہن کہیں بھی مرکوز نہیں ہو پاتا۔ مجھے ویسا ہی کچھ ہونے لگتا ہے جیسا کہ تب جب ہم ایک ساتھ مطالعہ کر رہے تھے اور تو نے کتاب کو زور زور سے پڑھا تھا۔ میں ہمیشہ بے چین ہو جاتی ہوں اور میں جانتی ہوں ویرونیکا کہ تو بھی میرے ساتھ بہت خوش رہتی ہے۔ تجھی بہت اچھے ہیں ویرونیکا اور تیرے پاپا بھی، جو میری پڑھائی کا خرچ اٹھانے جا رہے ہیں۔ میں سوشیولوجی کا مطالعہ کرنا چاہتی ہوں، لیکن انھیں آرکیٹکچر پسند ہے...... خیر، سب ٹھیک ہے۔ مجھے نہیں معلوم ویرو کہ اس کے لیے کس طرح شکریہ ادا کروں...... لیکن میں تیرے ساتھ نہیں آ سکتی ہوں۔

''اور...... ماں لو وہ وہیں رہتی ہے...... تنہا......''

''نہیں، ان کے پاس نوکرانی بھی نہیں ہے۔ دراصل کوئی گھریلو نوکر نہیں ہے۔''

''ہاں، وہ کافی غریب ہیں۔ تم سے میں نے پہلے بھی کہا تھا۔''

''خیر، مجھے لگتا ہے کہ یہ تو اس کا ذاتی مسئلہ ہے۔''

''ہاں۔''

''بے شک وہ خوش قسمت ہے۔''

''افوہ، مجھے بس ایسا لگا......اور کچھ نہیں۔''

''نہیں پاپا، تمھارا ساتھ تو میرے لیے سب سے زیادہ اہم ہے لیکن سولیدا ایک بہن کی طرح ہے۔تم سمجھ رہے ہو نا؟''

''نہیں، بات صاف ہے۔وہ ہمارا خون تو نہیں ہے نا!''

''ٹھیک ہے، قربانی کی خاطر......''

''کسی مثالی عیسائی کی مانند، ہے نا؟''

''تو تمھارا کیا خیال ہے، کب ٹھیک رہے گا؟''

ماں اور میں ہمیشہ بالکل دوست بن کر رہے ویرونیکا، خاص کر پاپا کے انتقال کے بعد۔ تجھے پتا ہے کہ گھر ٹھیک کرنے، کپڑے دھونے، کھانا بنانے میں میں اس کی مدد کرتی ہوں۔ اگر میں اسے اکیلا چھوڑ دوں تو یہ سب کون کرے گا؟ وہ کسی لڑکی کو نہیں رکھ سکتی۔ اس کی تنخواہ مشکل سے ہمارے لیے پوری ہو پاتی ہے۔ کچھ چھوٹے موٹے کام میں بھی کر لیتی ہوں۔ میں بہت کم میں بسر کر لیتی ہوں۔ لیکن یونیورسٹی میں کلاس کے ٹائم ٹیبل کے مطابق مجھے کام ملے گا یا نہیں، پتا نہیں۔ کہتے ہیں کہ کالج میں بہت پڑھنا پڑتا ہے۔ان دنوں ہر کوئی ایک آرکیٹکٹ یا انجینئر ہونا چاہتا ہے۔ ویرو، میں بہت فکر مند ہوں۔ میں امید کرتی ہوں کہ تو مجھے ضرور سمجھے گی۔ ہے نا، ڈارلنگ؟

''میں سوچ رہا تھا کہ آج ہی......''

''نہیں، وہ پاس میں ہی رہتی ہے۔''

''غالباً ہاں۔ وہ آج ایک بیگ کے ساتھ آسکتی ہے اور بعد میں ضرورت کے مطابق سامان لے آئے۔''

''میرا کمرہ بھی بڑا ہے۔''

''ہاں، وہ تو ہے۔''

''سچ میں چاہتی ہوں کہ وہ آج رات کو ہی آجائے۔ ایمان سے!''

''بے صبر کہیں کی!''

''پتا نہیں کیوں۔''

''اوہ...... میرے دل میں بس ایسے ہی خیال آ گیا۔''

''ہاں، میں ہمیشہ اس کے گھر پر رہتی ہوں۔''

''لیکن ایک فرق ہے!''

''میں نہیں جانتی...... مجھے لگتا ہے کہ اگر ہم ایک ساتھ سوئیں تو ہم میں قربت بڑھے گی۔''

''ہاں، گہری دوستی...... اس کا مطلب ہے کہ ہم کافی دیر تک پڑھائی کر سکتے ہیں۔''

''تو تم کیا کہتے ہو؟''

''نہیں، میں چاہتی ہوں کہ تم مجھے ابھی بتاؤ۔''

''میں جانتی ہوں، لیکن مجھے آج رات ہی یہ چاہئے۔''

''ایسا کیا ہے جو تمھیں پریشان کر رہا ہے؟''

میں تیرے بوسوں کو کبھی نہیں بھول سکتی ہوں، ویرو۔ ایسا لگتا ہے جیسے وہ میرے منہ سے چپک گئے ہیں اور جیسے لوگ مجھے دیکھ رہے ہیں اور...... لگتا ہے کہ اس طرف ماں کا ذہن بھی گیا ہے۔ آج صبح جب ہم ناشتہ کر رہے تھے، وہ میرے ہونٹوں کو عجیب نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ تجھے انھیں اتنی بُری طرح نہیں کاٹنا چاہئے تھا، ویرونیکا!

''اچھے نمبر پا کر میں کیا کروں اگر تم مجھے خوش ہی نہیں دیکھنا چاہتے ہو۔''

''نہیں، میں تمھیں بعد میں فون نہیں کرنا چاہتی۔''

''نقل سے؟''

''تمھیں یہ کس نے کہا؟...... وہ تو پاگل ہے۔''

''ہاں!''

''ناٹک کی اداکارہ۔''

''تو کیا میری انگریزی خراب ہے؟''

''مہینے کے آخر میں۔''

''بے شک، میں نے یاد کر لیا ہے۔''

''آج رات!''

''تم ضدی معلوم ہوتی ہو۔''

''نہیں، میں معافی نہیں مانگوں گی۔''

''ضدی!''

''مجھے ہرگز پرواہ نہیں۔ میں کچھ اور بدتر کہنے والی ہوں۔''

''دیکھو، میں بہت اُداس ہوں۔''

''تو پھر جہنم میں جاؤ...... سن رہے ہو، جہنم میں۔ میں چاہتی ہوں آج رات میرے ساتھ سونے کے لیے سولیدادآئے۔''

''کل نہیں! آج!!''

''تو پھر میں تمھارے دفتر آرہی ہوں اور تمھاری سکریٹری کے سامنے تمھاری خبر لوں گی۔''

''میں سب کچھ سن رہا ہوں......''

بس ڈارلنگ، میں تمھیں یہی سب کچھ بتانا چاہتی تھی۔ میں بھی تمھارے گھر آنے کے لیے مری جارہی ہوں۔ میں تمھارے ساتھ رہنے کے لیے پاگل ہوئی جارہی ہوں، ویرو! لیکن اُدھر ماں کو بھی تنہا نہیں چھوڑ سکتی۔ اس کے علاوہ، جیسا کہ میں نے کہا، مجھے بہت شرم آرہی ہے۔ میں ڈرتی ہوں کہ کہیں لوگوں کو پتا نہ چل جائے۔ تو تصور بھی نہیں کر سکتی کہ مجھ پر کیا گذر یگی اگر لوگوں کو میرے متعلق پتا چل گیا۔ ماں کو تو ہوا نہیں لگنی چاہیے۔ وہ تو یوں بھی بہت فکر مند رہتی ہے کہ میں مارکوز (Marcuse) اور ماریاتیگی (Mariategui) جیسوں کی کتابیں پڑھتی ہوں۔ وہ تو پیرون (Peron) کی اُس کتاب سے بھی خوف زدہ رہتی ہے جو میں نے تجھے دی تھی۔ وہ کچھ کہتی نہیں لیکن میں جانتی ہوں کہ اُنہیں میری بہت فکر رہے گی۔ ان کا خواب ہے کہ میں امریکی اسکول کے کسی لڑکے سے شادی کروں۔ تمھیں معلوم ہے کہ وہ انکل پانچو کی پوجا کرتی ہے۔ ارے وہی جو یونائیٹڈ اسٹیٹس آف امریکا جا کر بہت مشہور ہوئے۔ تجھے نہیں معلوم کہ پاپا کے گذرنے کے بعد میری تعلیم جاری رکھنے کے لیے اُس نے کتنی قربانیاں دی ہیں۔ اسی لیے تو میں نے بھی کچھ چھوٹے موٹے کام کئے۔ اپنے لیے وہ کبھی کچھ نہیں خریدتی، ویرو! سب کچھ صرف میرے لئے۔ اور پھر میرے ایک ماما ہیں جو بہت سخت مزاج ہیں۔ اگر میں نے شادی نہیں کی تو وہ میرا قتل کردیں گے۔ اور اگر ماں کو چھوڑ دیا، تب بھی وہ مجھے نہیں چھوڑیں گے۔ اگر اُنہیں میرے بارے میں ایسا ویسا کچھ پتا چل گیا تو...... ویرو! میں اُن سے بچ نہیں پاؤں گی۔

''کون؟ بات مت بدلنا۔''

''اچھا، آسواگا۔ ہاں، اُس کے بارے میں تو معلوم ہے کہ وہ ڈرامہ کا ہدایت کار ہے۔''

''اُس نے ہم سے کہا ہے کہ ہم اُسے 'تو' کہہ کر مخاطب کیا کریں۔ میرے لیے تو سب ٹھیک ہے۔''

''مجھے کیا پتا!''

''خیر! ان میں مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے پاپا!''

''کسی نے مجھے وہ زبان نہیں سکھائی ہے۔''

''کیا خیال ہے؟''

''یہ صرف ایک ڈرامہ ہے، بس۔''

''نہیں، اسپینی زبان کا ایک لفظ نہیں۔''

''ریہرسل بھی اسی کی ہدایت کاری میں ہوتا ہے۔''

''تو تو''

''اب میں اُسے جیسے چاہوں پکاروں۔''

''نہیں، میں نہ تمھاری مُنی ہوں اور نہ لاڈلی!''

''مجھے تمھیں دیکھنا بھی گوارہ نہیں۔''

''نہیں، میں لنچ پر بھی تمھارا انتظار نہیں کرونگی۔ میں سولیداد کے ساتھ ہی لنچ کرونگی جب تک کہ تمھارا دماغ درست نہیں ہو جاتا۔ میں گھر بھی نہیں آؤنگی جب تک کہ تم فیصلہ نہیں کر لیتے۔''

''تم دیکھ لینا۔''

''میں تمھارے دفتر بھی نہیں آؤنگی۔ مجھے تمھارا جواب چاہئے۔''

''ویسا جواب نہیں!''

''پاگل!''

خیر، میں اس خط کو اب ختم کر رہی ہوں ویرو کیونکہ اس کے قبل کہ تو مجھے ملے میں اسے تیری خاطر تیرے گھر پر بیرتا کے پاس چھوڑ دونگی۔ مجھے معاف کرنا، میری پیاری ویرو! میں ماں کو تنہا نہیں چھوڑ سکتی۔ ایسا ہرگز مت سوچنا کہ میں کوئی بہانا بنا رہی ہوں۔ یہ سچ ہے کہ مجھے اس پر بھی بہت شرم آ رہی ہے جو ہم دونوں کر رہے ہیں۔ ویرو، مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ تو مجھ سے اتنا پیار کرتی ہے لیکن لوگوں سے مجھے بہت ڈر لگتا ہے۔ اگر لوگوں کو اس کا پتا چلا...... تو مجھے لگتا ہے کہ...... میں خودکشی ہی کر لونگی۔ سچ کہہ رہی ہوں، ویرونیکا!

''شکریہ پاپا!''

''میں تمھیں بہت پیار کرتی ہوں۔''

''ہاں، تو بہت خوش ہے نا!''

''چلو، پھر ملتے ہیں۔''

یہی وجہ ہے کہ میں اس خط کو، میری پیاری دوست، اب ختم کرنا چاہتی ہوں۔ چھ بج رہے ہیں اور میں نے تجھ سے وعدہ کیا تھا کہ میں اپنے بیگ کے ساتھ تیرے گھر ساڑھے چھ بجے تک پہنچ جاؤنگی۔ ویرو، ابھی تو مجھے اس خط کو جلانا بھی ہے۔ میں نہیں چاہتی کہ ماں کو جلے ہوئے کاغذ کی بو ملے۔ مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ تو اس خط کو کبھی پڑھے گی ہی نہیں۔ نہ میں تجھے بتاؤنگی کہ میں نے ایسا کوئی خط کبھی لکھا تھا۔ میں اس پر تیری خاطر دستخط بھی کر رہی ہوں حالانکہ میرے دائیں ہاتھ میں ماچس کی ڈبیا ہے۔ ویرو، میں تجھ سے پیار کرتی ہوں۔ ایسے ہی میں بہت خوش ہوں، ویرو!

□□□

باب:6

ڈاکٹر ایواریستو ساریا کیروگا کا ذاتی طور پر استقبال کرنے کے لیے بریگیڈیر گومیر سیندو لارائن باہر نکلے۔ اپنی حویلی کے دروازے سے اس نے آرام سے انھیں کالے رنگ کی رولس سے اترتے ہوئے، ڈیوڑھی کی پتھر کی سیڑھیوں پر چڑھتے ہوئے اور اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا۔ وہ دبلا پتلا شخص تھکا ہوا تھا اور تناؤ میں تھا۔ اس کے پیلے بے تاثر چہرے کے پیچھے پریشانی بھی تھی۔ لارائن نے ہمیشہ کی طرح پیار سے اس کی پیٹھ تھپتھپائی۔ جنرل کی گرینڈ مارنیئر کی مہک لینے کے لیے دون ایواریستو نے ہلکے سے اپنا سر تھوڑا آگے کی طرف جھکایا۔ ''ہیلو بریگیڈیر...... آپ سے گزارش ہے کہ اس طرح بے وقت آنے پر مجھے غلط نہ سمجھیں۔''

''اسی لیے تو ہم دوست ہیں! کیا لائبریری میں بیٹھ کر باتیں کرنا ٹھیک نہیں رہے گا۔''

اس شخص نے ہلکے سے حامی بھری۔ موٹے شخص نے اس کے بازو ہلکے سے ایسے پکڑے جیسے چینی مٹی کے بنے ہوں اور دونوں گھر میں داخل ہو گئے۔ انھوں نے سونے کے فریم والے شیشوں اور تولیدو کے پردوں سے سجے ہوئے ہال کو پار کیا اور سیب، کدو، لوکی کی امپریشن تحریک والی تصاویر، سونے کے پرانے فرانسیسی سکّوں، سنگ مرمر کے فریم اور ہرن کے چمڑے والے غلاف میں برٹینیکا لغت سے سجے ایک کمرے میں بیٹھ گئے۔ لارائن نے گھنٹی بجائی۔ فوراً ایک مریل، چاپلوس بوڑھا خانساماں آیا جو اپنی سنکی مونچھوں کے نیچے مسکرا رہا تھا۔ لارائن نے پوچھا:

''آپ کیا پینا پسند کریں گے ڈاکٹر؟''

ساریا کیروگا مسکرایا۔

''ایسا ہے...... بریگیڈیر، آپ کو میری بات کچھ حیرانی میں ڈال سکتی ہے۔ لگتا ہے کہ مجھے کچھ تیز چیز کی ضرورت ہے۔''

''کوئی دقت نہیں ہے۔ میں آپ کا ساتھ دوں گا۔ کیا لیں گے؟''

''رم!''
''اس کے ساتھ تھوڑا کوکا کولا چلے گا؟''
''آپ کا اشارہ اس خطرناک کاکٹیل 'کو بالبرے' کی طرف ہے نا؟''
لارائن ششدر رہ گیا اور پھر اس نے اپنے گلے کو صاف کیا۔
''شاید اسے یہی کہتے ہیں۔''
''نہیں، شکریہ۔ میں خالص پسند کرتا ہوں۔ بس تھوڑی سی برف اور لیمو کے کچھ قطرے ڈال سکتے ہیں۔''
لارائن نے چپ چاپ جھک کر خانساماں سے کہا۔
''سمجھ گئے؟ ہاں، میرے لیے سوڈا کے ساتھ وہسکی اور خوب ساری برف۔ نہیں، بہتر ہے کہ برف الگ سے لے آؤ۔''
خانساماں دمشق کے غالیچے پر اس طرح چل کر واپس گیا جیسے کوئی بلّی۔ لارائن کھڑا ہوا اور سنہری پالش کے ایک بریکیٹ سے اس نے پکھراج جڑے چاندی کے ایک سگریٹ کیس کو اٹھالیا۔ اس نے جیسے ہی اسے کھولا، اس میں سے ایک دل آویز موسیقی پھوٹ پڑی۔ اس نے وہ اپنے دوست کو دکھایا۔ ساریا کیروگا نے بڑے نرم لہجے میں کہا:
''شکریہ، میں سگریٹ نہیں پیتا ہوں۔''
''میں جانتا ہوں ڈاکٹر کہ آپ سگریٹ نہیں پیتے ہیں۔ میں آپ کو یہ دکھا رہا ہوں تا کہ آپ سنیں۔ آپ نے موسیقی سنی۔ جب بھی اسے کھولو۔ یہ لارا کا گیت بجاتا ہے۔ یہ جاپانی بھی نا! ایسا کچھ نہیں ہے جو یہ نہیں بناتے ہوں۔''
''ہاں بس ایسا ہی ہے۔''
دھیمی آواز میں، ہنس کے پنکھوں سے بنے صوفے سے کوئی چبھنے والی چیز ہٹاتے ہوئے دون ایواریستو نے جواب دیا:
''کیا کہا؟''
منتیر کرستو (Montercristo) سگار کے بچے ٹکڑے کو کانچ کے ایک برتن، جس میں گوٹین برگ بائبل رکھی تھی، کی سمت تھوکتے ہوئے بریگیڈیر بڑبڑایا۔ اس نے جواب نہیں سنا۔ اس نے اپنی جیب سے ایک پلیٹینم کارٹیر نکالا، ایک ہوانا سگار جلایا اور دھوئیں کے گھنے بادل اڑانے لگا۔
''جاپانی بھی کیا چیز ہیں! مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ جنگ کیسے ہار گئے۔''

وہ ساریا کیروگا کی بغل میں بیٹھ گیا۔ کچھ پل اسے غور سے دیکھتا رہا۔

''ڈاکٹر، جنگ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟''

''کیا کہا؟''

''عالمی جنگ کے بارے میں؟''

''ارے، ایک بڑا موضوع ہے۔ آپ کو نہیں لگتا؟''

''ہٹلر کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟''

''ہٹلر!''

''کیا آپ کو لگتا ہے کہ وہ پاگل تھا؟''

''اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اس کے اندر کچھ انتہا پسندی تھی۔''

''تو آپ کو لگتا ہے کہ اس کے معاملے میں راست گوئی سے کام نہیں لیا گیا؟''

''ہو سکتا ہے''

''لیکن آپ یہودیوں کو برداشت نہیں کر سکتے ہیں۔''

ساریا کیروگا مسکرایا۔

''شاید یہ کہنا صحیح نہیں ہوگا۔ بس مجھے اچھا نہیں لگتا ہے اگر وہ راستے میں میرے سامنے آجاتے ہیں۔ بس اتنی سی بات ہے۔''

''آپ بھی ان گیس چیمبرس اور دوسرے ویسے ہی حادثوں کے خلاف ہیں نا؟''

''بالکل''

''کتنی اچھی بات ہے!''

اس مغرور شخص نے حیرانی سے دیکھا۔

''کیوں؟''

''کبھی کبھی میں آپ کو نہیں سمجھ پاتا ہوں ڈاکٹر صاحب۔ آخر ہم ایک جمہوری ملک میں رہتے ہیں...... ہے نا؟''

اس نے ایک لمبی سانس لی۔ ساریا کیروگا پھر مسکرایا۔ لیکن کچھ گھبرایا ہوا بھی تھا۔ خانساماں ایک ٹرے کے ساتھ لوٹا۔ لارائن نے کہا:

''وہ سب مجھ پر چھوڑ دو۔ میں اپنے آپ بنا لوں گا۔''

سفید جیکٹ والے اس پر اسرار بوڑھے خانساماں کے خاموش قدموں کو وکیل تجسس بھری نظروں

سے دیکھ رہا تھا۔

''کوئی خاص بات؟''

ساریا کیروگا نے اپنا سر ہلایا۔

''نہیں نہیں...... بس میرا دھیان تھوڑا اس آدمی کی چال پر چلا گیا...... اس کی آہٹ تقریباً نا کے برابر سنائی دیتی ہے۔''

''وہ بوڑھا؟ ارے غریب بے چارہ! وہ پچھلے دنوں...... جرمنی سے آیا تھا۔ میرے ساتھ وہ پچھلے کئی سالوں سے ہے۔ میری بیوی اسے برداشت نہیں کرتی ہے۔ اسے حاملہ بلّیوں کے ساتھ تجربہ کرنا پسند ہے۔ آپ دیکھیں گے کتنی خوبصورت بلّیاں ہیں۔ ایک آنکھ نیلی تو دوسری ہری! اس غریب بوڑھے کو سائنس پسند ہے۔ لیکن جیسا کہ آپ اسے دیکھ رہے ہیں ابھی بھی اس میں بہت طاقت ہے۔ بے شک وہ ہم دونوں سے زیادہ دن زندہ رہے گا۔''

ساریا کیروگا نے اپنی بھویں چڑھائیں۔ لارائن نے آگے کہا:

''میرا مطلب ہے کہ وہ میری مرحوم بیوی اور مجھ سے زیادہ دنوں تک زندہ رہے گا۔''

اس نے دو گلاس بنائے جبکہ دوسرا تکان بھری لمبی سانس لے رہا تھا۔

''اور بریگیڈیر، میں بھی...... حیرانی کی بات نہیں ہے۔ آپ جانتے ہی ہیں کہ میں بھی دل کا مریض ہوں۔ اسی کے بارے میں میں آپ کو کچھ بتانا چاہتا تھا۔''

''میں سن رہا ہوں۔''

لارائن صوفے میں ٹھیک سے بیٹھ گیا۔ ہاتھ میں جانی واکر کا گلاس تھامے بے تابی سے سگار کا کش لے رہا تھا۔

''ویسے یہ میرے وصیت نامے کے بارے میں ہے۔''

لارائن اپنی جگہ پر ایسے چونک کر بیٹھا جیسے بجلی کا جھٹکا لگا ہو۔

''...... میری پریشانیاں بڑھ رہی ہیں۔ مثال کے طور پر اسی شام میں اپنے لڑکے البیرتو سے بات کر کے کافی دکھی ہوں۔ آپ کو یاد ہے؟ مجھے لگتا ہے کہ میں نے اس کے بارے میں آپ کو پہلے بتایا بھی تھا۔''

اس موٹے آدمی نے بغیر پلک جھپکائے چپ چاپ حامی بھری۔

''خیر...... ایسا لگتا ہے کہ اس کے کچھ...... بازارو قسم کے رشتے رہے ہیں۔ اس نے مجھے بتایا کہ اس لڑکی نے اپنی عمر صرف اٹھارہ بتائی ہے...... لیکن وہ اس سے جھوٹ بول سکتی ہے۔ وہ ایک بہت ہی

بھولا بھالا رومانٹک لڑکا ہے۔ بچپن سے ہی اس کا اپنی ماں سے زیادہ لگاؤ تھا۔ اور مجھے تو ڈر ہے کہ شاید اس پر میری بیوی کی بیماری نے کافی اثر ڈالا ہے حالانکہ وہ ہمیشہ ہی فرماں بردار رہا ہے۔ بغاوت کی عمر میں بھی اس نے مجھے کبھی کسی خاص مصیبت میں نہیں ڈالا لیکن اس شام مجھے وہ کچھ بے چین لگ رہا تھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ وہ اس لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے۔''

''واہ، کیا بات ہے!''

''میں نے اس بات کو کوئی زیادہ اہمیت نہیں دی۔ دراصل میرے پاپا بھی اس کا غیر ضروری بچاؤ کرتے ہیں۔''

''صوفی منش آدمی ہے۔''

''کیا آپ میرے پاپا کو جانتے ہیں؟''

''ارے وہ تو ملک کی شان ہیں!''

''میرا مطلب ہے کہ آپ ان کو ذاتی طور پر جانتے ہیں؟''

''نہیں!''

''بس، اپنی ذاتی زندگی میں بھی وہ اسی طرح ہیں۔ چاکو جنگ کے بعد انھوں نے جیرونیم کے پھول اگانے کے علاوہ کچھ بھی نہیں کیا۔ بس جیرونیم کے پھول اگاتے ہیں اور بیٹی کے ساتھ شاعری پر بحث کرتے ہیں۔ وہ تو اپنی پنشن بھی نہیں لیتے ہیں۔ کیا آپ کو اس میں کوئی سمجھداری نظر آتی ہے کہ......''

''شاندار آدمی ہیں!''

''خیر...... خوش قسمتی سے البیرتو کو کوئی...... چھوت کی بیماری نہیں لگی۔ یہ آوارہ سڑک چھاپ لڑکیاں جنسی تعلقات کے معاملے میں بے پروا ہو جاتی ہیں۔ اپنی صفائی اور پاکیزگی کا خیال نہیں رکھتی ہیں لیکن میں سب سے زیادہ فکر مند اس بات سے ہوں کہ البیرتو کچھ بری عادتوں کا شکار ہو سکتا ہے۔ میں اس لڑکی کے بارے میں کچھ زیادہ معلومات چاہتا ہوں۔''

''ارے، ہم فوراً اس کی کھال اتروا دیں گے۔''

''البیرتو نے مجھے صرف یہ بتایا کہ اس کا نام کچھ...... مالینا یا ایسا ہی کچھ ہے۔ کیا آپ نے کبھی ایسا نام سنا ہے؟''

''کبھی کبھار......''

''کوئی ماڈرن نام ہو سکتا ہے۔ میں نے کبھی ایسا نام سنا نہیں۔ یقینی طور پر اپنے نام، اپنی عمر اور ان

سب کے بارے میں وہ شاید اسے دھوکہ دے رہی ہے۔ اب، یہ سب تو مجھے دیکھنا ہی ہوگا۔ اہم بات یہ ہے کہ آپ بھی میرے بیٹے کی آوارہ گردی پر ذرا نظر رکھیں۔ باقی تو سب کہانی ہے۔"

"ہاں میں سمجھتا ہوں۔"

"میری ایک بیٹی ہے جس کا نام ویرونیکا ہے۔ البیرتو سے وہ ایک سال چھوٹی ہے۔"

"ایک جوان لڑکی۔ مجھے وہ خوبصورت لڑکی یاد ہے۔"

"ہاں مجھے اس کے بارے میں کوئی شکایت نہیں ملی۔ وہ کافی ذمہ دار اور بالیدہ ذہن ہے۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں پچھلے دنوں کچھ برے اثرات کی وجہ سے جون کے مظاہروں میں اسے بھی گھسیٹا گیا۔ پھر بھی وہ ایک اچھی لڑکی ہے اور ہمیشہ سب سے بہتر اسٹوڈینٹ رہی ہے۔ وہ گھر پر کم وقت گزارتی ہے۔ لیکن اب گھر پر زیادہ رہے گی کیوں کہ وہ اب اسکول کی ایک دوست کو اپنے ساتھ رہنے کے لیے لا رہی ہے۔ اس لڑکی کا نام ہے سولیداد۔ وہ لڑکی یوں تو ایک غریب گھر کی ہے لیکن ہے اونچی ذات کی۔ میری سمجھ سے وہ دونوں کالج میں آرکی ٹیکٹ کی پڑھائی کریں گی۔"

"انھوں نے اسکول کی پڑھائی پوری کر لی؟"

"ہاں، اس سال۔"

"اور لڑکے نے؟"

"اس نے بھی...... امریکی اسکول سے۔"

"اب وہ کیا کرنا چاہتا ہے؟"

"اب آپ نے یاد دلایا تو خیال آیا کہ میں نے تو اس سے کچھ پوچھا ہی نہیں! اس نے تو مجھے صرف شادی کرنے کے پاگل پن کی بات ہی بتائی...... اس آوارہ لڑکی نے تو اس کا دماغ ہی خراب کر دیا ہے۔"

"یہ لڑکا کسی مصیبت میں پھنس گیا ہے۔"

"ٹھیک کہہ رہے ہیں۔"

ساریا کیروگا نے تھوڑی رم لی۔ کچھ کچھ بے چین لارائن نے اپنا سگار مسل دیا۔

"ڈاکٹر صاحب میں آپ کی مدد کس طرح کر سکتا ہوں؟"

"معاف کریں، میں دراصل براہ راست موضوع پر نہیں آیا جب کہ میں نے پہلے کہا بھی کہ بات میرے وصیت نامے کے بارے میں ہے۔"

"لیکن آپ ابھی ایسا کیسے سوچ سکتے ہیں؟ آپ تو ابھی کافی جوان ہیں۔"

''نہیں، میں حقیقت میں اب بیس سال کا خود کو محسوس نہیں کرتا ہوں۔ میرے چیک اپ میں ویسے زیادہ خطرناک تو کچھ نہیں آیا لیکن آپ جانتے ہیں کہ دل کا مرض کیا ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ میں آگے کی دیکھتا ہوں۔''

''بھئی، ایک دوررس آدمی تو دو کے برابر ہوتا ہے۔''

''اچھا، اگر آپ کی اجازت ہو تو اس سلسلے میں آپ سے کچھ بات کرنا چاہوں گا۔''

''ڈاکٹر صاحب! مجھ پر بھروسہ کرنے کے لیے میں آپ کا شکرگزار ہوں۔''

''دراصل میری بیوی کی حالت دن بہ دن بدتر ہو رہی ہے اور اس کی کوئی امید نہیں کہ وہ اپنی دیکھ بھال کر سکے گی۔ اس لیے اپنی جائداد میں اپنے دو بچوں میں برابر برابر تقسیم کر رہا ہوں...... فطری طور پر، ایک وصی ہوگا جو میری بیوی کی دیکھ بھال کے لیے رقم کا انتظام کرے گا۔''

''مجھے تو اس میں بڑی سمجھداری نظر آ رہی ہے۔ آپ کے بچے تو نابالغ ہیں نا؟''

''بالکل، اسی لیے ان کی دیکھ بھال، ان کی عیسائی تعلیم، ان کی اخلاقی اور دینی سرپرستی، جائداد کے انتظامات اور دوسری تمام باتوں کے لیے میں نے ایک گارجین طے کیا ہے۔ اس کی خدمات کے عوض اس شخص کو جائداد کا دس فیصد حصہ ملے گا۔''

''دس فیصد تو کافی ہوگا!''

''میں سوچتا ہوں کہ یہ بالکل مناسب ہے۔''

''تو...... آپ کی نظر میں کوئی ہے؟''

''ہاں! بریگیڈیر، آپ سے درخواست ہے کہ میرے اس بھروسے کے لیے مجھے معاف کریں گے لیکن میں نے آپ کے بارے میں ہی سوچنے کی جرأت کی ہے۔''

''ڈاکٹر صاحب!''

''مہربانی ہوگی بریگیڈیر!''

''یہ ایک کافی بڑی ذمہ داری ہے۔''

''میری التجا ہے!''

''مجھے نہیں پتا ڈاکٹر صاحب...... آپ جانتے ہیں کہ میں آپ کی حکم عدولی نہیں کر سکتا۔ لیکن یہ سنجیدہ مسئلہ ہے۔ آپ کے بچوں، آپ کی بیوی کی دیکھ بھال......''

''آپ کے لیے یہ کوئی ناممکن کام نہیں ہے بریگیڈیر۔ البیر تو تو اب اٹھارہ سال کا ہو گیا ہے اور ویردینکا سترہ کی۔ وہ جلد ہی بالغ ہو جائیں گے...... اور میں کل ہی مرنے تو نہیں جا رہا ہوں۔''

''وہ بات تو آپ کی صحیح ہے ڈاکٹر!''

''تو آپ کو منظور ہے؟''

''یہ کام تھوڑا مشکل سا لگتا ہے...... ایک شرط ہے۔''

''آپ جو بھی کہیں۔''

''میں یہ دس فیصد نہیں لے سکتا ہوں۔ اگر کچھ گڑبڑی ہو بھی جاتی ہے تو مجھ پر بھروسہ کیجیے...... آپ کے بچوں کو میں بالکل اپنے بچوں کی طرح ہی سمجھوں گا۔''

''شکریہ بگیڈیر، میں جانتا تھا کہ میں آپ پر بھروسہ کر سکتا ہوں۔''

موٹے آدمی نے 'بلیک لیبل' والا اپنا گلاس اٹھایا اور کہا۔

''آپ کی درازئی عمر کے لئے!''

□□□

باب:7

''میں نہیں جانتی کہ ان سب کے لیے میں آپ کا شکریہ کیسے ادا کروں مادام۔''

''بہت آسان ہے...... مجھے مادام مت کہو، بس!''

''میں آپ کو کیا کہہ کر پکاروں؟''

''ایلیسا!''

''معاف کیجیے گا، آپ نے کیا کہا؟ یہاں یہ فون بہت شور کرتا ہے۔''

''ایلیسا۔''

''ہاں۔بس ایلیسا!''

''...... مجھے آپ سے کچھ اور کہنا ہے۔''

''کیا کوئی مسئلہ ہے؟''

''ایسا ہے کہ......شاید آپ ناراض ہو سکتی ہیں۔''

''دیکھ مالینا، تجھے پتا ہے کہ میں نے ہاتھ پر گھڑی باندھ رکھی ہے۔اس لیے جو کچھ بولنا ہے جلدی کر......''

''دراصل بات یہ ہے کہ......ابھی یہ پکا نہیں ہے کہ میں البیرتو سے شادی کروں گی ہی۔''

''یہ تمھارا ذاتی معاملہ ہے۔''

''لیکن آپ مجھے انگریزی اس لیے پڑھانے جا رہی ہیں کہ آپ اس کی دوست ہیں۔''

''میں یہ سب دوستی کے لیے نہیں کرتی ہوں۔نہ مجھے احسان لینا پسند ہے اور نہ کرنا۔''

''لیکن البیرتو نے ڈاکٹر آسواگا سے آپ کو یہ کہنے کو کہا تھا کہ آپ مجھے......''

''دیکھ، مجھے اس سے کوئی مطلب نہیں ہے کہ تو البیرتو سے شادی کر رہی ہے یا نہیں۔ بے وقوف! ابھی تجھے انگریزی سکھانے کے لیے میرے پاس وقت ہے اور مجھے ایسا کرنا پسند ہے۔ جب میرے پاس وقت نہیں ہوگا اور مجھے ایسا کرنا پسند نہیں ہوگا تو میں تجھے بتا دوں گی مالینا۔ ابھی تو اس کا

فائدہ اٹھالے اور بقیہ باتیں بھول جا۔''

''آپ ناراض نہیں ہوں گی اگر میں البیرتو کو چھوڑ دوں تو؟''

"Gosh damn! I am all in"

''کیا میں نے کچھ ایسا کہا جس نے آپ کو پریشان کر دیا۔ ایلیسا آپ نے کچھ انگریزی میں کہا نا؟''

''ہاں ڈارلنگ، لیٹن میں کہتے ہیں Certum est quiea impossibhl est اور اسپینش میں

Que vaina tan arrecha!"

''میں ابھی بھی نہیں سمجھی مادام!''

''کوئی بات نہیں مالینا۔ کیا تیرے پاس نوٹ بک ہے؟''

''آپ بھی کتنی عجیب ہیں مادام، میرا مطلب ہے ایلیسا!''

''......''

''آپ ڈاکٹر آسواگا سے شادی نہیں کرنے جا رہی ہیں؟''

''......''

''ایلیسا آپ ٹھیک تو ہیں نا؟''

''ہاں!''

آپ تو بہت خوبصورت ہیں ایلیسا...... البیرتو نے مجھ سے کہا تھا کہ آپ سانولی ہیں اور آپ کی آنکھیں سبز رنگ کی ہیں''

''اس سے تیرا کچھ لینا دینا نہیں ہے مالینا!''

''آپ کی پہلے بھی شادی ہو چکی ہے نا؟''

''ہاں!''

''آپ کی ایک نابینا لڑکی ہے...... البیرتو نے مجھ سے کہا تھا۔''

''......''

''یہ بچی آپ کو کیسے ہوئی؟''

''یا خدا! تجھے نہیں پتا، بچے کیسے پیدا ہوتے ہیں؟''

''ڈاکٹر آسواگا ہیں اس کے پاپا؟''

''نہیں...... تیرے پاس نوٹ بک ہے نا؟''

''تو پھر کون ہیں؟''

''تو اسے نہیں جانتی ہے...... لیکن تو کیوں جاننا چاہتی ہے؟''

''اس بچّی کے پاپا سے شادی کیوں نہیں کی ایلیسا؟''

''ہاں، میں نے شادی کی۔ میں نے اس بچّی کے پاپا سے ہی شادی کی تھی۔''

''کیا آپ اسے پیار کرتی ہیں؟''

''ہاں، بہت پیار کرتی ہوں۔''

''آپ اسے زیادہ پیار کرتی ہیں یا ڈاکٹر آسواگا کو؟''

''تو تو میرا دوست ہے اور گنتیر میرا شوہر۔ یہ دو الگ الگ باتیں ہیں۔''

''شوہر کا نام کیا ہے ایلیسا؟''

''گنتیر!''

''اور اس چھوٹی بچّی کا نام کیا ہے؟''

''مالینا، تجھے نہیں لگتا کہ تو کچھ زیادہ ہی ذاتی سوال کر رہی ہے؟''

''اس چھوٹی بچّی کا نام تو بتاؤ نا۔''

''چھی!''

''کیا یہی اس کا نام ہے؟''

''نہیں۔''

''......''

''میں تجھے سن نہیں پا رہی ہوں مالینا۔ زور سے بولو۔''

''میں پوچھ رہی تھی کہ کیا گنتیر کی پہلے کسی اور سے شادی ہوئی تھی؟''

''تو مجھے بہت غصہ دلا رہی ہے مالینا! بہت زیادہ سوال ہو گئے۔ تیرے پاس نوٹ بک ہے نا؟''

''ہاں۔''

''اچھا تو ایک کتاب اور ایک لغت کا نام لکھ جو تجھے خریدنی ہے اور میرے اپارٹمنٹ کا پتا بھی۔''

''کیا میں آپ سے ایک آخری سوال پوچھ سکتی ہوں ایلیسا؟''

''ٹھیک ہے۔ بس آخری سوال۔''

''کیا آپ کے پہلے شوہر کا انتقال ہو گیا تھا؟

''تجھے کیسے پتا کہ میرا پہلے بھی ایک شوہر تھا؟''

''......''

''ہیلو؟''

''...... مجھے نہیں پتا ایلیسا! آپ نے مجھے بتایا...... کیا ان کا انتقال ہو گیا تھا؟ کیا وہ پائلٹ تھے؟''

''پائلٹ کیوں؟''

''فوجی پائلٹ اکثر مارے جاتے ہیں۔ جیسے فاک لینڈ میں ہمارے ملک کے لوگ۔''

''......''

''میری ماں نے مجھے بتایا ہے کہ پائلٹ بہت جلدی جنت میں چلے جاتے ہیں۔''

''جنت جیسی کوئی چیز نہیں ہے۔''

''کیا آپ کو خدا میں یقین ہے؟''

''......''

''آپ کسی بھی چیز میں یقین نہیں رکھتی ہیں؟''

''بے شک، کرتی ہوں۔ میں بہت سی باتوں پر یقین رکھتی ہوں۔''

''آپ...... کمیونسٹ تو نہیں ہیں نا؟''

''خدا کے لیے مالینا۔ اپنی نوٹ بک نکالو اور اب زیادہ پریشان مت کرو۔''

''اچھا مادام!''

''تو ہنس کیوں رہی ہے؟''

''...... دیکھا، آپ یقین کرتی ہیں؟ آپ نے کہا نا 'خدا کے لیے مالینا۔''

بریخت نے کہا ہے کہ غیر متوقع طریقوں کے ذریعہ ایک روایت کو بدلا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر اپنی لائبریری میں بیٹھے ساریا کیروگا کا کاغذات کو الٹنا پلٹنا اور اپنی وصیت میں ردّ و بدل کرنے سے زیادہ روایتی کیا ہو سکتا ہے......؟ قاری امید کر سکتا ہے کہ جلد ہی وہ لارائن کے ساتھ شطرنج کی ایک اور بازی کھیلنے کے لیے گھر سے نکل پڑیگا۔ اگر کردار فوراً بغاوت کر دیتا ہے جیسا کہ پراندیو کے مزاحیے میں ہوتا ہے، حالانکہ اس نے انا مونو کی ہی نقل کی تھی، اور اپنی سطحیت وا کھرے پن کے لیے مجھے ذمہ دار ٹھہراتا ہے تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہوگی۔ بس ایسا محسوس ہوگا کہ یہ پہلے بھی ہو چکا ہے...... لیکن نہیں...... ساریا کیروگا کو فوراً کچھ جلنے کی مہک آنے لگی اور وہ ہوشیاری سے سونگھنے لگتا

ہے۔نہیں، یہ باورچی خانے سے نہیں آ رہی ہے، اور نہ ہی گیراج سے...... یہ جلنے کی مہک کہاں سے آ رہی ہے؟ اوپر کی منزل میں کچھ جل رہا ہے۔اس کی بیوی! کچھ اور شور! بھاگو، لمبی چھلانگیں مارو...... اندر سے بند بیڈروم کے دروازے کو کھڑ کھڑا کر چلاّ تا ہے۔

کاموکے عربوں کے قتل عام کی طرح اس ڈرامائی صورت حال میں بھی بے انتہا امکانات ہیں۔ سب سے زیادہ واضح بات یہ ہے کہ گھر میں آگ لگی ہے، کہ کچھ خوفناک ہوسکتا ہے اور وہ بھی صرف تھوڑے ہلکے سے دھوئیں کی وجہ سے۔اب دروازے کے کھلنے کی آواز۔ساریا کیروگا کی دکھتی آنکھوں کے سامنے پورے کمرے میں پھیلتا دھواں۔کیا اس کی بیوی آواز دے رہی ہے؟ کیا وہ اپنے آر پار نظر آنے والے گاؤن میں لیٹی مر چکی ہے؟ کیا اس کے لیے وہ کوئی خط لکھ کر چھوڑ گئی ہے؟

'آمادیس'تو خود کلامی کی ایک لمبی جماہی کی طرح پھیلتا ہے لیکن گھوتے مریم کی کمسنی اور فلپ دوئم کے عدل وانصاف پر بربریت سے بھری ہنسی کی مانند ہے...... جس ڈر کے ساتھ ساریا کیروگا اس بستر کے پاس جاتا ہے اس میں ایسا کچھ ہے جو بورژوا قسم کا نہیں ہے...... ڈراتا ہوا دھواں اور اس اندھیرے میں اپنی عورت کے جسم کو چھونا۔وہ اسے جھنجھوڑتا ہے۔ڈر جاتا ہے...... ان آنکھوں میں چھائی ہوئی دہشت ہی پوری سچائی ہے......

بیوی کی چھاتی میں پورے وحشی پن کے ساتھ گھسے چاقو پر ساریا کیروگا کا کانپتا ہوا ہاتھ...... ابھی بھی گرم دستہ...... ان کے لیے دراصل لفظوں کا کوئی معنی نہیں ہے۔''شاعر سب سے اداس سطریں لکھ سکتا ہے آج کی رات......'' اتنی بامعنی بات نہیں ہے جتنی کہ وہ بات جب خود شاعر کہے کہ'' سب سے اداس سطریں لکھ سکتا ہوں آج کی رات''...... اہم یہ ہے کہ قاتل ابھی کمرے میں ہے! اہم یہ ہے کہ کالے کراہیت بھرے دھوئیں میں چمکتی ایک جوڑی بلّی کی آنکھیں ساریا کیروگا کو تاک رہی ہیں اور اس پر جھپٹا مارنے کا منصوبہ بنا رہی ہیں......

ساریا کیروگا کی آنکھیں اس وقت قاری کی آنکھیں اور اس کے کان قاری کے کان ہیں۔جو مہک اسے لگ رہی ہے وہی مہک قاری کو بھی لگتی ہے جیسے ہیمنگوے کی ماجرہ سازی میں، جس میں دھواں زیادہ گہرا ہے...... خطرہ بالکل تلوار کی طرح لٹک رہا ہے اور بوسہ ایک رسیلے آلو بخارے کی طرح ہے...... ساریا کیروگا کی افسردہ، دھوئیں سے دھندلی آنکھیں زندگی سے اتنے قریب پہلے کبھی نہیں ہوئی تھیں۔بستر پر کے کردار کو کپکپی چھوٹ رہی ہے۔موٹے پردے پر لگی آگ کی لپٹ میں دہشت پیدا کرنے والی روشنی نظر آتی ہے...... خون کے جمع قطروں کے درمیان قاتل کے پسینے اور سانس کی مہک آ رہی ہے...... کارڈن کی سبز چار خانے کی قمیض والا اب اس کی طرف بڑھ رہا ہے...... اس کی

کالی مٹھی میں دوسرا چھرا...... اس کردار کے زرد چہرے کو، جو موت کے کنارے کھڑا کانپ رہا ہے، صرف وہی بے معنی امید ہے جسے کہ آج کے دن صرف آپ پڑھ رہے ہوں...... یا جیسے کہ یہ باب ابھی لکھا ہی نہ گیا ہو......

آج علی الصبح راجدھانی میں، گاؤں کی دیہی تنظیم اور مقامی عدالت عظمیٰ کے سابق صدر ڈاکٹر ایواریستو سارا کیروگا اور ان کی بیوی کی دردناک موت سے سبھی شہریوں کے دل کو گہری چوٹ پہنچی ہے۔ مرحوم کیروگا ہمارے معاشرے کے سب سے معزز گھرانوں میں سے ایک کے جانشیں اور مشہور کرنل دون آلیکھاندرینو ساریا کیروگا کے صاحب زادے تھے جنھوں نے ہمارے پڑوسی ملک کی دعوت پر نوجوانوں کو ساتھ لے کر پاراگوائی کی چاکو جنگ میں شجاعت اور بہادری کا مظاہرہ کیا تھا۔ آنجہانی نے کئی فلاحی تنظیموں اور کھیل کے اداروں کی سرپرستی بھی کی۔ اس اخبار کے لیے یہ ایک ایسا خسارہ ہے جس کی تلافی ممکن نہیں ہے کیونکہ ان دانشوروں کے خیالات کو شائع کرنے اور ان کے امن پسند اداریے، اُنکی شفقت پانے کا شرف ہمیں حاصل تھا۔ ان کے بہترین انداز بیان، ان کی مخصوص طرز تحریر اور ان کی بے مثل رائے کے بغیر ہمارے ہفتہ واری ضمیمے پہلے کی طرح نہیں رہ پائیں گے...... نوٹوں کی خرید و فروخت، چیکوں کا تبادلہ، رقم، سونا اور تمام طرح کی غیر ملکی مالیاتی خدمات...... آج کے دن صرافہ بازار کے بدلتے ریٹ ...... ڈالر، جرمن مارک، اُروگوائی کا پیسو، کروزیرو، گوارانی، پونڈ اسٹرلنگ، فرنچ فرینک، سوس فرینک، پے سیتا، لیرا، این، پیرو کا سول! قانونی نوٹس میرے دفتر میں دس بجے صبح...... اس شہر کی فلاں فلاں سڑک پر سول کورٹ کے جج کی ہدایت کے مطابق فلاں فلاں ماڈل اور انجن کی کار، فلاں فلاں پچیس جو چلتی ہوئی گاڑی کی شکل میں موٹر گاڑیوں کے ڈپارٹمنٹ میں رجسٹرڈ ہیں شروعاتی بولی کے بغیر نیلام کی جائیں گی۔ قانونی ہدایت فلاں فلاں صفحہ کے مطابق گاڑی کی فروخت کی رقم دس فیصد نقد اور چار فیصد کمیشن کے طور پر خریدار کی ذمہ داری ہوگی۔ برائے مہربانی خواہش مند حضرات توجہ دیں کہ نیلام کرنے والے سکریڑی کے مطابق مذکورہ گاڑی معائنہ کے لیے فلاں فلاں ورک شاپ میں فراہم ہوسکتی ہے...... اس تصویر میں آپ کو رنگینیس فن تعمیر کے نادر نمونہ ساریا کیروگا کے شاندار اور مضبوط محل کو آگ سے پہنچنے والے نقصانات کو دیکھ سکتے ہیں، ہمارے کیمرہ مین نے پیشہ وارانہ جرأت اور ہمت کے ساتھ اپنے جاپانی ٹیلی فوٹو لینس کی مدد سے اس خوف ناک آگ کی تصویر اُتاری ہے، یہ عوام اور شمالی مشرق کے اشراف کے غم اور رنج کی عکاسی ہے، اتنے ہیبت ناک ڈھنگ سے مارے گئے مظلومین نے اپنی حب الوطنی اور قربانی کے جذبے اور گھریلو

فارمیسیوں کے سبب ہمیشہ اس طبقے میں مقبول رہے۔ پاک روح کو ان عنایتوں کے لیے بہت بہت شکریہ، ان کی غیر موجودگی میں خوبصورت جوڑے گھر کی دیکھ بھال کی تجویز رکھتے ہیں...... وکیل، انتظامی امور، سول اور تجارتی ٹیکس کے مسائل، بے دخلی، طلاق، کاغذات بنانے کا خرچ...... عدلیہ کی طرف سے انصاف، قرض کی ہدایت، دیوالیہ پن کی کاروائی، ترقی کے لیے اقدامات کی شروعات، پیمائش کی نوٹس، ڈرائی کلیننگ، بھاپ والی استری کی گھریلو خدمات، صاف صفائی، باتھ روم، سفید اور رنگین فٹنگس، فاسیٹ، ٹینک، ڈھکن اور جستے پلاسٹک وغیرہ کا سامان، پائپ، گلزڈ ٹائکس، دوائیوں کے لیے الماری، ہر طرح کی کیل 'دبلا پتلا رہنا ہمارا نعرہ ہے'، خالص گیہوں کی روٹی اور رول آپ کی چائے کے لئے ہر روز، کریم والے بن اور آدھے چاند کی مانند رول، دودھ سے بنی میٹھی بریڈ، ناریل کی پڈنگ، کئی مختلف ذائقہ دار غذا، سوکھے آٹے کا اچھا خاصا اسٹاک، نہایت ملائم مکھنی بریڈ، خاص قسم کی مشہور بریڈ، میٹھے ذائقے والی، بہترین یوربی لوازمات سے تیار بے داغ روایتی خوبیوں سے مزین ایکسٹرا سوئس لذت والی، ایمرجنسی کی میعاد بڑھا دی گئی ہے...... اپنے قارئین کی معلومات میں اضافے کے لیے ہم نے انسپکٹر روبیر تو آمادورسومائیا سے سوالات کئے جو جائے وقوع پر آگ لگنے کے کچھ ہی گھنٹوں کے اندر موجود تھا۔ ہم نے مدد کی مانگ کی۔ میڈیا کے ساتھ ہمیشہ کی طرح تعاون کرتے ہوئے اس اعلیٰ آفیسر نے بتایا کہ جانچ کرنے والوں کو جو ثبوت ملے ہیں ان کی بنیاد پر اس سانحہ کے لیے کسی پر شبہہ نہیں کیا جاسکتا ہے۔ انسپکٹر کے مطابق یہ سبھی جانتے ہیں کہ محترمہ ساریا کیروگا کچھ وقت سے ایک نفسیاتی مرض میں مبتلا تھیں۔ آج صبح زبردست ذہنی تناؤ کی وجہ سے انھوں نے خود کو شوہر کے ساتھ کمرے میں بند ہونے سے پہلے کمرے میں بھی آگ لگا دی۔ اس سے آگ اس قدر پھیلی کہ 'فلورینٹائن ولا' کا بایاں حصہ تباہ ہوگیا۔ یہ پوری طرح راکھ ہوگیا ہوتا اگر فائر بریگیڈ کی جانباز ٹیم بروقت حرکت میں نہ آتی۔ انسپکٹر روبیر تو آمادورسومائیا نے کہا۔

''مس! میں آپ کے غم میں برابر کا شریک ہوں۔ برائے مہربانی آپ میرے ساتھ آ کر مرنے والوں کی شناخت کرلیں۔''

''ہاں، ٹھیک ہے۔''

ویرونیکا نے کہا جس نے اب تک ایک بھی آنسو نہیں بہایا تھا۔ وہ اُس وقت تک نہیں روئی جب تک کہ سولیداد کے ساتھ خود کو کمرے میں بند نہیں کرلیا۔

''جس چیز کا مجھے افسوس ہے وہ یہ کہ سبھی نفیس الماریاں اب باہر فٹ پاتھ پر پڑی ہیں۔ یہاں ہاتھ کی صفائی دکھانے والے کئی ہیں۔''

''کوئی بات نہیں انسپکٹر!''

''آپ نے کیا کہا؟''

''سب کی دیکھ بھال میں کرلوں گی۔ اب یہ میری ذمہ داری ہے۔''

ویرونیکا نے ایک بے آواز کراہ بھری، سولیداد نے محسوس کیا کہ ویرونیکا نے اس کا ہاتھ اتنی زور سے پکڑا تھا کہ اس کے ناخن اس کے ہاتھ میں چبھنے لگ گئے۔

□□□

باب:8

''خیر! تمھارے والد نے مجھ پر سب کچھ چھوڑ دیا ہے کہ میں تمھیں راہ راست دکھاؤں......تو بات یہ ہے بچے کہ تمھیں میرے ساتھ بالکل سیدھے راستے پر چلنا ہے...... سمجھ گئے؟''

اس بڑی میز پر بالوں سے بھرے موٹے موٹے بازوؤں کو نکالتے ہوئے لارائن نے گہری سانس لی۔

آبنوس کی اس بڑی میز پر دوسری طرف خاموشی سے بیٹھا البیر تو اسے غور سے دیکھتا رہا۔ پھولی گندی توند، موٹی میلی چمڑی، سور کی سی موٹی گردن، وحشی کمینگی بھرا چہرہ، بدشعار جوکر، سوجے ہوئے موٹے ہونٹ والا پگلا، وحشت پیدا کرتے ہوئے پھپھولے والے ہونٹ کے کٹاؤ، بدبودار کریہہ منہ جیسے بے توجہی کی شکار بدبودار قبر یا بند نالا جس میں خونی گندگی کے ساتھ چوہے اچھل کود مچا رہے ہوں، قابل اعتراض غیر انسانی مسکراہٹ جس سے حماقت، بدصورتی، بربریت، ہوس اور لالچ ٹپک رہا ہو، کھجلی سے متاثر، مینڈک کی روغنی دوہری ٹھڈی، راکھ جیسے بہتے مہانسے، نیلا، گلٹی دار چھالہ اور پھوڑے کی کھرونچی گئی پپڑی۔ وہ تصور کر رہا تھا جیسے کہ سیل کے کیڑے لگے خستہ حال نکیلے دانت، کیسینو کے گدھ کے پنجے، اجگر یا گھڑسوار کا سوزاک، توپچی یا غنڈہ بدمعاش، کاغذی جنرل یا معمولی سپاہی...... اسے نفرت ہونے لگی اس بدتمیز، بداخلاق گدڑی کے لال، بزدل اور لونڈے باز مونچھ والے سے، کوٹھے پر بار بار تھوکنے والے ان کوڑھی اور بدمعاش بینگنی ہونٹوں سے، سانڈ جیسے سپاہی کی تیز سانسوں اور اس کے طنز میں نہاں جنسی اشتعال سے، اُبھری نسوں والی غار جیسی اندھی آنکھوں سے، ان لسلسی پلکوں کی حیوانیت سے، ان آنکھوں کے کٹوروں اور وحشیانہ نظروں سے، بڑھاپے کے آنسو کی کالک سے......

''بیٹا، مجھے لگ رہا ہے کہ تم میری بات نہیں سن رہے ہو۔ تم یہ بات سمجھ نہیں پا رہے ہو کہ آج سے میں تمھارا سرپرست بھی ہوں اور نگراں بھی!''

□□□

باب:9

مصالحے دار مچھلی کے ایک اور ٹکڑے کی مانگ کرتے ہوئے اور الواماسیاس سلاد کو اپنے کانٹے سے اُٹھاتے ہوئے ایلیسا نے مجھ سے کہا:

''سرپرست لفظ سے البیرتو کو ہمیشہ سے نفرت تھی۔ بچپن سے ہی اسے نفرت تھی کیونکہ اس کے پاپانے، جو اس وقت اپنے فارم پر رہتے تھے، اسے بورڈنگ اسکول میں مارسیلین کی نگرانی میں رہنے کو مجبور کیا تھا۔ اس رات تجہیز و تکفین کے بعد، میں وہاں موجود تھی، جب وہ اس کے بارے میں سولیداد کو بتا رہا تھا۔ اب وہ اسے مالینا کے نام سے نہیں پکارتا تھا۔''

تب میں نے فادر مارسیلین کو مار ڈالا، تیری قسم، سولیداد! اسکول کے طالب علم ہمیشہ دکھی رہتے تھے۔ ہم صرف اتوار کو ہی باہر نکل پاتے تھے۔ کچھ کو ان کے رشتے دار لینے آتے تھے اور انھیں چڑیا گھر یا میٹنی شو دکھانے لے جاتے تھے۔ مجھ سے ملنے صرف بیرتا آتی تھی وہ مجھے ماس لے کر جاتی تھی یا پھر ریڈیو پر مجھے پاپا سے اپنے گریڈ کے بارے میں بتانے کو کہتی تھی۔

ہم سبھی ایک ساتھ ایک بڑے کمرے میں سوتے تھے جس میں بیس چارپائیاں لگی ہوئی تھیں۔ وہ لوہے کی پرانی چارپائیاں تھیں جن پر آدھے میں ایلاسٹک کے تانت تھے۔ ہم سب بہت سویرے اٹھ جاتے تھے کیونکہ وہاں صرف ایک ہی باتھ روم تھا۔

آدھے لوگ وہاں اس لیے رہتے تھے کہ ان کے ماں باپ وہاں رہنے کھانے کی فیس ادا کرتے تھے اور باقی اس لئے کہ وہ غریب تھے اور انھوں نے پادریوں سے کہہ رکھا تھا کہ وہ بھی انھیں کی طرح پادری بننا چاہتے ہیں۔ لیکن ہم سب ایک ساتھ کھیلا کرتے تھے۔ کلاس کے بعد ہم ہاسٹل میں کھانا کھانے چلے جاتے تھے اور جو ہاسٹل میں نہیں رہتے تھے وہ اپنے اپنے گھر چلے جاتے تھے۔

کھانے کا کمرہ بھی بہت بڑا تھا جس میں سردیوں میں بہت ٹھنڈک ہوتی تھی۔ لوہے کی بینچ کے بجائے یہاں لکڑی کی دو لمبی میزیں تھیں۔ ایک میز پر پادری کھانا کھاتے اور دوسری پر طلباء۔ فادر

مارسیلین ہماری میز کے سرے پر بیٹھتے جہاں سے وہ اس بات کی نگرانی کرتے کہ ہم ایک دوسرے پر ہڈیاں اور روٹی کی گیندیں بنا بنا کر نہ پھینکیں۔ فادر مارسیلین ہمارے وارڈن تھے اور گندی زبان استعمال کرنے کی اجازت کا تو سوال ہی نہیں تھا۔ صرف 'یا خدا' کہہ سکتے تھے۔ اگر ہم نے ان کی بات نہیں مانی تو وہ ہماری انگلیاں مروڑتے جس سے ہم اپنا ہوم ورک نہیں کر پاتے اور ہمارے گال پر زور کی چٹکی بھی کاٹتے۔ ہفتہ کو ہمارے گال پر چٹکی نہیں کاٹتے تاکہ اگلے دن آنے والے ہمارے رشتہ داروں اور دوسرے شناساؤں کو ہمارے گال پر لال نشان نہ نظر آئیں۔

مفت میں تعلیم پانے والے طلباء کے ساتھ فادر مارسیلین کچھ زیادہ ہی سختی سے پیش آتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر وہ پادری بننا چاہتے ہیں تو انھیں عبادت وریاضت کرنا سیکھنا ہی ہوگا۔ وہ انھیں حکم دیتے کہ اپنے جوتوں میں کنکر پتھر رکھیں اور انھیں چائے پیش کرتے وقت اپنے ننگے بائیں ہاتھ سے ابلتی ہوئی چائے کی کیتلی پکڑیں کیونکہ وہ شیطان کا ہاتھ ہے۔ عبادت کرنے کے لیے وہ انھیں صبح صبح جگا دیا کرتے تھے۔ کبھی کبھی وہ کسی طالب علم کے ساتھ اپنے بند کمرے میں گھنٹوں رہتے تھے۔ وہ طالب علم روتا ہوا کمرے سے باہر نکلتا اور ہمیں کبھی نہیں بتاتا کہ انھوں نے وہاں کیا کیا تھا۔ مجھے ہمیشہ یہ جاننے کا بہت تجسس رہتا کہ آخر فادر مارسیلین کے اس کمرے میں ہوتا کیا تھا۔

ایک دن میں نے ان سے کہا کہ میں 'کنفیشن' کرنا چاہتا ہوں۔ وہ بہت خوش ہوئے اور مجھے اپنے کمرے میں لے گئے۔ انھوں نے اندر سے دروازہ بند کرلیا وہاں صرف ہم دونوں ہی تھے۔ کمرہ کچھ تنگ اور کچھ زیادہ لمبا تھا۔ ٹھیک ویسا ہی جیسا کہ خود فادر مارسیلین۔ اور وہاں بلّی کے پیشاب کی بدبو بھی آرہی تھی۔

وہاں صرف ایک بستر، ایک پیلی مچھر دانی، ایک کرسی اور ایک میز تھی۔ میز کے اوپر کچھ کتابیں اور صلیب تھی۔ انھوں نے مجھ سے بالکل بھی نہیں پوچھا کہ میں نے کون سا جرم کیا تھا۔ ہم دونوں جب دیوار سے پیٹھ ٹکا کر ساتھ ساتھ بستر پر بیٹھ گئے تو انھوں نے مجھ سے میری ماں اور پاپا کے بارے میں بہت ساری باتیں پوچھیں۔ ہم نے خوب باتیں کیں۔ اس کے بعد انھوں نے گدّے کے نیچے سے ایک فوٹو البم نکال کر مجھے دکھایا۔ کچھ فوٹو بہت پرانے اور پیلے پڑ چکے تھے۔ ان تصویروں میں فادر مارسیلین کافی چھوٹے لگ رہے تھے۔ وہ اپنے ماں باپ اور کچھ دوسرے بچّوں کے ساتھ، جو کہ ان کے بھائی بہن تھے، فرانس کے واسک علاقہ میں رہتے تھے۔ انھوں نے مجھے اس دن کی کچھ تصویریں دکھائیں جس دن وہ پادری بنے تھے۔ انھوں نے کہا کہ ان کے زندگی میں وہ سب سے زیادہ خوشی کا دن تھا لیکن فوٹو میں وہ بہت سنجیدہ لگ رہے تھے۔ اس کے بعد انھوں نے جب وہ صفحہ پلٹا تو...... میں

ڈر سے کانپ گیا تھا۔ اپنے چوغوں کے ساتھ دو ہم شکل فادر مارسیلین تھے۔ ایک سانپ نما سیڑھی پر بیٹھے ہوئے، مسکراتے ہوئے۔ فادر مارسیلین میری ٹانگوں کو اپنے گرم ہاتھ سے سہلانے لگے اور مجھ سے کہا کہ ڈروں نہیں۔ اس تصویر میں جو نظر آرہا تھا وہ ان کا ہم شکل جڑواں بھائی تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ وہ بھی ایک پادری بن گیا۔

میں نے ایک ٹھنڈی سانس بھری اور اپنی ٹانگوں کے بیچ اندر کی طرف میں نے فادر کا گرم ہاتھ محسوس کیا۔ میں نے فادر سے جھوٹ بولا کہ مجھے نکلنا ہوگا کیونکہ مجھے باتھ روم جانا ہے۔ تب انھوں نے البم اپنے گدّے کے نیچے رکھ دیا اور دروازہ کھول دیا۔ میں سیدھے باتھ روم بھاگا اور اندر سے دروازہ بند کر کے رونے لگا۔

اگلے دن ہم بنجر زمین کی طرف گئے جسے ہم کھیل کے میدان کی طرح استعمال کرتے تھے۔

اسکول سے آدھے بلاک کی دوری پر ایک خالی میدان تھا جہاں وہ ہمیں ورزش کرنے اور فٹ بال کھیلنے بھیجتے تھے تاکہ ہم گندے خیالوں سے آلودہ نہ ہوں۔ ہم وہاں ہمیشہ ایک قطار میں جاتے۔ قطار کے شروع میں غریب طلباء میں سے سب سے بڑی عمر کا ایک ریاکار طالب علم ہوتا جس کے پاس ایک گیند اور ایک سیٹی ہوتی تھی۔ تھوڑی دیر ہم خوب مزہ کرتے۔ پھر کھیل کے لیے ٹیموں کا چناؤ ہوتا۔ ہر ایک ٹیم میں چھ لوگ ہوتے تھے۔ چونکہ ہم کبھی ایک بار میں نہیں کھیل سکتے تھے اس لیے ہم باری باری کھیلتے حالانکہ اس ریاکار اور عیار کی پسند کے مطابق ہی پورا کھیل کھیلا جاتا۔ ہم میں سے جو کھیلتے نہیں تھے، وہ کنارے سے کھیل دیکھ سکتے تھے۔ لیکن وہ علاقہ خوب دھول بھرا ہوتا تھا کیونکہ میدان میں گھاس نہیں تھی۔ یا پھر ہم وہیں آس پاس تھوڑا چکر لگا سکتے تھے۔ سڑک کے پار جانا بالکل منع تھا۔

میدان کے کنارے فٹ پاتھ پر ٹہلنا مجھے اچھا لگتا تھا۔ کنارے پر وہاں ایک گھر تھا جس کے دروازے ہمیشہ بند رہتے تھے۔ لوگ کہتے تھے کہ اس گھر میں بھوت رہتے تھے لیکن ہمارے ساتھ جو بڑی عمر کے طالب علم تھے وہ اپنی چیزیں ہمیشہ وہاں رکھا کرتے تھے اور کبھی کسی بھوت نے انھیں پریشان نہیں کیا تھا۔ دوسری طرف ایک لکڑی کی جھونپڑی تھی جہاں ایک بوڑھی عورت کینڈی اور کولڈ ڈرنک بیچا کرتی تھی۔ وہ پیسٹری بھی بیچتی تھی لیکن میں نے کبھی نہیں خریدی کیونکہ بیرتا کہا کرتی تھی کہ آٹے کو وہ اپنے پیروں سے گوندھتی تھی اور اسے کھانے سے پیٹ میں درد ہو جاتا تھا۔ میں اس بوڑھی عورت سے باتیں کر لیا کرتا تھا۔ وہ بہت نرم دل تھی اور اکیلی رہتی تھی کیونکہ اس کے ایک بیٹے کی موت ہو چکی تھی۔ کبھی کبھی وہ مشہور فٹ بال کھلاڑیوں کی شکل کی دودھ والی کینڈی مجھے بالکل مفت دے دیتی تھی۔ اس کے کئی دانت غائب تھے۔ اس لیے بولتے وقت اس کے منہ سے عجیب سی آواز نکلتی تھی۔ وہ

مجھے کئی باتیں بتاتی تھی۔ پاس میں ہی اس کا ایک چھوٹا سا گھر تھا۔

ایک شام وہ اپنی الماری سے کلف لگا ایک لباس میرے لیے لائی جسے اس نے سالوں پہلے کبھی رقص کے پہلے پروگرام میں تب پہنا تھا جب وہ حسن کی ملکہ کہلاتی تھی۔ اسے وہ مجھے میری 'معشوقہ' کے لیے تحفے میں دنیا چاہتی تھی کیونکہ اس کے مطابق وہ لباس بہت خوش نصیب تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ میری کوئی معشوقہ نہیں ہے کیونکہ میں تو ابھی اسکول کا طالب علم ہوں۔ اس نے سر ہلا کر کہا کہ سب سے اچھے عاشق معشوق تو اسکولی بچے، بانجھی اور دکھی جوان ہی ہوتے ہیں۔ میں نے اس سے وعدہ کیا کہ جب میری کوئی معشوقہ ہوگی، تو اس لباس کو لینے ضرور آؤں گا۔ اس نے بھی مجھ سے وعدہ کیا کہ وہ اسے نیپتھلین کی گولیوں، پودینے کی پتیوں اور سویا کے ساتھ قرینے سے تہہ لگا کر رکھے گی۔

وہ جڑی بوٹی بھی بیچتی تھی جن سے ہر طرح کی بیماریوں کا علاج ہوتا تھا۔ ایک بار میں بھی ڈر گیا تھا جب اس نے سانپوں سے بھرا کانچ کا ایک بڑا برتن مجھے دکھایا۔ اس نے کہا تھا کہ وہ سانپ بہت زہریلے ہیں لیکن ان سے ڈھیر ساری باتیں کر کے اس نے انھیں پالتو بنا لیا تھا۔ ان کے زہر سے اس نے کئی دوائیاں بنا ڈالی تھیں۔ میں نے اس سے ان سانپوں میں سے ایک مجھے تحفے میں دینے کو کہا۔ اس نے ایک سانپ ایک چھوٹے سے جار میں ڈال کر مجھے دے دیا اور مجھے یہ بھی بتایا کہ اس کی بہت حفاظت کرنی ہوتی ہے۔ میں نے اس سے وعدہ کیا کہ اسے اپنے پلنگ کے نیچے رکھوں گا اور اس کی اچھی طرح دیکھ بھال کروں گا تاکہ میرا بھی نصیب جاگ اٹھے۔

رات میں باتھ روم جانے کے لیے بستر سے باہر نکلتا۔ فادر مارسیلین، جو وظیفے کی کتاب لیے ہال سے گزرتے، مجھ سے پوچھتے کہ بستر پر جانے سے پہلے میں پیشاب کیوں نہیں کر لیتا۔ میں انھیں بتاتا کہ میں نے کچا امرود کھا لیا تھا جس سے مجھے پیچش ہوگئی۔ آخرکار وہ مجھے جاگتا دیکھنے کے عادی ہو گئے اور انھوں نے مجھ سے پوچھنا بند کر دیا تھا۔ اپنے پائجامے کی جیب میں میں ہمیشہ سانپ کا جار لے کر ہی اٹھتا تھا۔

ایک رات، میں جب باتھ روم سے لوٹ رہا تھا، میں نے فادر مارسیلین کے کمرے کا دروازہ کھلا پایا۔ اس میں کوئی بھی نہیں تھا۔ میں جلدی سے اندر گیا اور ان کے بستر کی چادر کی تہہ میں وہ زہریلا سانپ ڈال دیا۔ اس کے بعد میں سونے چلا گیا......

اگلے دن فادر مارسیلین نے ہمارے ساتھ ناشتہ نہیں کیا۔ دوسرے پادریوں نے ہمیں بتایا کہ صبح کے وقت ان کی طبیعت بگڑ گئی تھی۔ ہم نے کہا تو کچھ نہیں لیکن ہم سب چاہتے تھے کہ وہ مر ہی جائیں۔

چونکہ وہ اتوار کا دن تھا، دوپہر میں بیرتا مجھ سے ملنے آ گئی تھی۔ وہ مجھے ''رابن ہوڈ اور خونی تیر'' نام

کی فلم دکھانے لے گئی۔ اس کے بعد وہ مجھے میری دادی ارنیستینا اور دادا الیکھا نیدر ینو کے گھر لے گئی۔ دادی نے میرے لیے بہت ہی مزیدار' کی بے بے' بنایا تھا۔ دادا جان اخبار دیکھ رہے تھے اور کہہ رہے تھے اگر کامپورا نے کرسی چھوڑی تو سب کچھ بکھر جائے گا۔

پیر کے روز صبح عام دنوں کی طرح بیرتا مجھے واپس اسکول لے آئی۔ دوسرے پیر کے دنوں کی طرح، ہر کلاس میں لڑکے جماہی لے رہے تھے۔ جس جس طالب علم نے جماہی لی فادر مارسیلین نے اس اس کی انگلیاں مروڑیں۔ ایک غریب طالب علم کی انگلی تو چیخ ہی گئی تھی۔

میں خوش تھا حالانکہ اور کوئی نہیں جانتا تھا کہ فادر مارسیلین مر چکے تھے اور جو دوسرا مارسیلین وہاں نظر آرہا تھا وہ دراصل ان کا ہم شکل بھائی تھا جسے پادریوں نے بلا لیا تھا تاکہ ہمیں کچھ بھی پتا نہ چلے۔

بعد میں، ممی پاپا اور ویرونیکا فارم سے واپس میرے ساتھ ہی رہنے آ گئے تھے۔ پاپا نے مجھ سے کہا تھا کہ مجھے ان کی طرح وکیل بننے اور معاشرے کی فلاح و بہبود کے لیے اپنی پڑھائی میں سخت محنت کرنی ہوگی۔

□□□

باب:10

ویرونیکا نے بستر میں ہی منھ بناتے ہوئے کہا:

''لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تو کچھ سمجھا ہی نہیں البیرتو؟ تو نے کیا کبھی کوئی جاسوسی ناول نہیں پڑھا؟''

مباشرت کرنے کے بعد، دونوں ریشمی چادر پر سولیداد کے ساتھ ننگے ہی لیٹے ہوئے تھے۔ وہ ایک پتلی چلم سے گانجا پی رہے تھے اور دسمبر کی شام والی اداس روشنی کی طرح اس کی آگ بھی بجھتی جا رہی تھی۔ البیرتو نے کہا:

''یہ تو طے ہے کہ لارائن ہی وہ انسان ہے جو بوڑھے کی موت سے سب سے زیادہ فائدہ پائے گا لیکن عجیب بات تو یہ ہے کہ پاپا نے سب کچھ اس کے حوالے کر دیا۔ فوجیوں کی تو سب سے زیادہ برائی کرتے تھے، لارائن سے دوستی تو انھوں نے صرف اس لیے کی تھی کہ شطرنج کھیلنے کے لیے کوئی ساتھی چاہیے تھا۔''

ویرونیکا نے کہا: ''بالکل بھی نہیں! بوڑھا تو کئی فوجیوں کا وکیل تھا۔ جن کی وہ برائی کرتا تھا وہ تو روساس، پیرون جیسے لوگ تھے۔ نئے گوریلوں کی برائی کبھی نہیں کرتا تھا۔ وہ ان کی کئی تنظیموں میں شامل تھا۔ لارائن تو اس کا خاص آدمی تھا۔ اس کے علاوہ، اگر لارائن نے اسے مارا تو وہ وصیت نامہ جلا بھی سکتا تھا اور اسے اپنی پسند کے ایک نقلی وصیت نامہ سے بدل بھی سکتا تھا۔''

اپنے بائیں گال کو البیرتو نے جب سولیداد کے پیٹ پر رکھا تو اس نے اپنی ٹانگوں کو تھوڑا کھول دیا تاکہ اسے اور زیادہ آرام ملے۔ پھر وہ بولا:

''مجھے نہیں پتا کہ کیوں، لیکن میں محسوس کرتا ہوں کہ لارائن ایک بزدل ہے۔ میرے خیال سے وہ دو لوگوں کو چھرا نہیں مار سکتا ہے۔ پاپا تو ایک طاقتور انسان تھے۔''

ویرونیکا بولی:

''ارے، انھیں تو اُسے چھرا مارنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ وہ انھیں گولی مار سکتا تھا۔ ان کے جسم

تو آگ میں جلنے ہی والے تھے۔ اور تو اور پولیس نے لاش کے معائینے کی اجازت بھی نہیں دی۔''
البیرتو کے بھورے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے سولیداد نے کہا۔
''لیکن کاسیریس سر نے جج کے سامنے مقدمہ دائر کیا تھا۔''
ویرونیکا بولی:
''ارے ہاں، لارائن میں اتنی قابلیت ہے کہ جج سے اس بوڑھے کی جھوٹی وصیت اپنے نام کروا سکتا ہے۔ وہ جج بکے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ، تو نے کہا نہیں تھا کہ لارائن ایک کوٹھے کا مالک بھی ہے؟''
سولیداد نے کہا:
''ہاں، میں نے اسے کئی بار دیکھا ہے۔ یہ وہی ہے جس نے مجھے کہا تھا کہ میرا نام وہاں مالینا ہوگا کیونکہ کوئی بھی لڑکی اپنا اصلی نام استعمال نہیں کرے گی۔ ایک بار میں نے اس سے بحث بھی کی تھی کہ وہ مجھ پر زبانی معاہدہ کیوں تھوپنا چاہتا ہے۔ وہاں میں صرف پیر، بدھ اور جمعہ کو کام کرتی تھی اس لیے تحریری معاہدہ کرنا میرا حق تھا۔ وہاں کی میڈم نے مجھے بتایا کہ اس کے کوٹھوں کی تو متعدد شاخیں ہیں۔''
البیرتو کو چلَم تھماتے ہوئے ویرونیکا نے کہا۔
''دیکھا؟ انھیں خود مارنے کی اسے ضرورت نہیں تھی۔ اسے تو اپنے کسی غنڈے یا دلال کو کہنے بھر کی دیر تھی اور بس اتنا ہی کافی ہوتا۔''
''یہاں کتنا اچھا لگتا ہے......''
البیرتو نے سرگوشی میں سولیداد کی طرف مسکراتے ہوئے کہا۔ اس نے پیار سے اس کے سر کو اپنی ٹانگوں کے بیچ دبا لیا۔ اس کا عضو بے قابو ہونے لگا تھا۔ اس لیے اس نے جھینپتے ہوئے اپنی ٹانگوں کے اوپر چادر کھینچ لی۔ ویرونیکا اٹھی۔ اس نے ایک جگ میں کچھ اور بیئر ڈالی اور پھر بوتل دوسروں کو تھما دی۔ پھر وہ واپس بستر پر بیٹھنے کے لیے آئی اور پلنگ کے سرہانے سے پیٹھ ٹکا کر بیٹھ گئی۔ کالی بوتل میں سے اس نے بچی ہوئی بیئر پی لی۔ البیرتو تب جھکا اور اس کے منہ کا ایک طویل بوسہ لیا۔ ویرونیکا نے اس کے پُٹھے پر دھیرے سے ایک لات ماری اور مذاق میں کہا:
''چھی، پھر سے شروع مت ہو جانا......اور ویسے بھی پہلے وہ مجھ ہی ملی تھی۔''
البیرتو اور سولیداد الگ ہو گئے اور کسی فرماں بردار کی طرح اسی سرہانے سے پیٹھ ٹکا کر بیٹھ گئے۔
تب سولیداد نے کہا: ''ہاں، مجھے بھی لگتا ہے کہ لارائن نے یا تو ان دونوں کو خود مارا یا انہیں مروا دیا۔ اس

میں کوئی شک نہیں ہے کہ وہاں بہت کچھ داؤں پر تھا۔''

تھوڑی دیر تک وہ خاموشی میں ہی گانجے کے کش لیتے رہے۔ ویرونیکا نے گھبراہٹ میں ایک آہ بھری۔ پھر وہ کھڑی ہوگئی۔ اس نے دوسری بوتل کھول دی۔ صوفے پر پھیل کر بیٹھ گئی اور ایک ہی سانس میں پوری بوتل پی گئی۔ البیرتو اور سولیداد اسے پوری بوتل کو بغیر رکے پیتے ہوئے اور اس کی پسینے سے بھیگی لمبی خوبصورت گردن کو خاموشی سے دیکھ رہے تھے۔ ویرونیکا نے خالی بوتل کو رابرٹ ریڈفورڈ کے پوسٹر کی طرف پھینکا۔ پھر کھڑی ہوگئی اور فکر میں ڈوبی ہوئی کمرے میں چکر کاٹنے لگی۔ مخمل کے گلابی صوفے پر اس کے پسینے نے اس کے پستانوں اور پیٹھ کے نقوش کو چھاپ دیا تھا۔ ویرونیکا نے فوراً کہا۔

''ہمیں لارائن کو ختم کرنا ہوگا۔''

البیرتو ہنس پڑا اور بولا۔

''تو تو بڑی بیوقوف ہے۔ ارے وہ تو کئی باڈی گارڈوں سے گھرا ہوتا ہوگا اور ہمارے پاس کوئی اسلحہ بھی تو نہیں ہے۔''

ویرونیکا نے کہا۔

''چغدمت بن۔ میں نے اسکول کے اپنے لاکر میں بوڑھے کی پستول چھپا کر رکھی ہے۔ یہ وہی پستول ہے جو دادا جان نے اسے کرسمس پر دی تھی۔ تجھ پر وہ کبھی شک نہیں کرے گا۔ بس تجھے اس کے گھر جانا ہے۔ تھوڑی دیر اس سے بات کرنا۔ اس وقت کا انتظار کرنا جب تم دونوں اکیلے ہو اور پھر اس کے سینے میں دو گولیاں داغ دینا۔''

''کتنی عقل مندی بھرا مشورہ ہے!''

البیرتو نے اس کا مذاق اڑایا تو سولیداد نے کہا۔

''تو نے تو کہا تھا کہ جب تو چھوٹا تھا تب تو نے فادر مارسیلین کو ختم کیا تھا۔''

انھیں ایک ساتھ سونا پسند تھا تاکہ وہ دیر رات تک باتیں کر سکیں۔ وہ ہمیشہ اپنے دانت صاف کرنے سے پہلے مباشرت کیا کرتے تھے۔ سولیداد اتنی ہی شرمیلی بستر میں تھی جتنی کہیں اور۔ انھیں خوش کرنے کے لیے اسے کچھ بھی کرنا منظور تھا۔ البیرتو اور ویرونیکا ایک دوسرے کو کبھی چھوتے بھی نہیں تھے۔ سولیداد ان سے مذاق میں بار بار کہتی کہ اسے صرف ایک معشوق رکھنا پسند تھا۔ البیرتو کے جسم میں ویرونیکا۔ وہ ہنستے ہوئے کہتی کہ ''ایسا نہیں ہے کہ مجھے عورتیں پسند نہیں، مجھے دراصل عورت نما مرد پسند

ہیں۔'' دراصل سب سے خاص بات نہ تو مباشرت تھی نہ بیئر اور نہ اسموکنگ۔ ایک دوسرے کے ساتھ کا احساس ہونا، ایک دوسرے کو بچپن کی باتیں بتانا اور ایک دوسرے کو سننا سب سے خاص بات تھی۔ ان تھوڑے سے دنوں میں زندگی میں پہلی بار سولیداد نے اپنے پاپا اور مرے ہوئے حجام آنپلیو سانا بریا کے بارے میں کسی سے بات کی تھی۔

پاپا ایک اچھے آدمی تھے۔ ایک اخبار نے لکھا تھا کہ وہ کمیونسٹ تھے لیکن یہ سچ نہیں ہے۔

ان کی سب سے پرانی یادیں کوریئنیس میں قیام کے دنوں کی ہیں جہاں میں پیدا ہوئی تھی اور جہاں میں تقریباً پوری زندگی رہی۔ اس وقت کی کچھ دھندلی یادیں ہیں۔ میں دراصل اتنی چھوٹی تھی کہ کنڈرگارٹن بھی نہیں جاتی تھی۔

ہم ایک چھوٹے سے گھر میں رہتے تھے جسے ماما پانچو نے کرایہ پر دیا تھا اور جو شہر سے دور بھی نہیں تھا۔ ماں باغیچے کی خوب دیکھ بھال کرتی تھی جو تھا تو چھوٹا لیکن اس میں خوب پھول کھلے رہتے تھے۔ جب وہ آفس سے لوٹتی، جہاں وہ ایک سکریٹری تھی، تو باغیچے کی دیکھ بھال میں میں بھی اس کی مدد کیا کرتی تھی۔ وہ باغیچہ جیرینیم کے پھولوں سے لدا ہوتا تھا۔ ماں کا ایک خواب تھا کہ کسی دن وہاں سامنے ایک پورچ بھی بنے۔

ہمارا گھر اس حجام کی دکان کے پاس ہی تھا جہاں پاپا کام کرتے تھے۔ کبھی کبھی وہ کچھ حجاموں کے ساتھ گھر لوٹتے، کافی دیر تک باتیں کرتے اور ریکارڈ لگا کر موسیقی سنتے۔

پاپا کو موسیقی کا بہت شوق تھا۔ ہفتہ کے دن ان کے بہت سے دوست ہمارے گھر آیا کرتے تھے۔ وہ گٹار بجاتے، گانے گاتے اور شام تک رکے رہتے۔

انھیں ڈرامے میں بہت دلچسپی تھی۔ سال میں دو یا تین بار گیت اور موسیقی کے ساتھ ایک ڈرامہ تیار کرتے جس میں ان کے کئی دوست اور کچھ حجام بھی حصہ لیتے۔ کبھی کبھی اپنا ڈرامہ وہ گاؤں میں دکھانے جاتے۔ وہ انھیں یونیورسٹی میں بھی دکھاتے جہاں پاپا اور ان کے دوست رات میں پڑھائی کرنے بھی جایا کرتے۔

مجھے نہیں پتا کہ اس اخبار نے کیوں کہا کہ وہ برے تھے۔ گانا گانا، گٹار بجانا اور ڈرامہ کھیلنا برے لوگوں کو تو پسند نہیں ہوتا ہے۔ انھیں تو لوگوں کو دکھی دیکھنا پسند ہوتا ہے۔

کوریئنیس ایک چھوٹا سا شہر ہے جہاں بہت گرمی ہوتی ہے اور لوگ ہسپانوی بولتے ہیں۔ جو انگریزی میں بات کرنا چاہتے ہیں انھیں وہ قونصل خانے میں سیکھنی پڑتی ہے کیونکہ دوسری جگہوں پر سب کچھ ہسپانوی میں ہے۔ یہاں تک کہ ٹیلی ویژن پر کارٹون بھی۔ وہاں تو چمکیلے پتھر بھی ہسپانوی

بولتے ہیں۔ بہت سارے لوگ گوارانی میں بھی بات کرتے ہیں لیکن ہم وہ بہت اچھی طرح سے نہیں سمجھتے تھے۔ پاپا کو نہ انگریزی میں بات کرنا آتا تھا اور نہ گوارانی میں حالانکہ وہ فرانسیسی زبان جاننے کی اداکاری ضرور کرتے تھے۔ ماں تو انہیں عالم بتاتی تھی۔

گھر کے پاس، چرچ کے سامنے سے ایک بہت پرانی ٹرام شور مچاتی ہوئی گزرتی تھی۔ کبھی کبھی ٹرام کے بجلی کے تار کنڑ پر لوکاٹ کے درخت کی لال شاخوں میں الجھ بھی جاتے تھے۔ دوپہر کی دھوپ میں ان تاروں سے نکلتی چنگاریاں بجلی گرنے کا احساس دلاتی تھیں اور چرچ کے گنبد کے اوپر عیسیٰ مسیح کے سر سے برستی ہوئی معلوم ہوتی تھیں۔

وہاں ایک بازار بھی تھا۔ رات میں بھنے ہوئے گوشت کا لطف اٹھانے کے لیے ہفتہ کو کافی جلدی گوشت کی سب سے اچھی بوٹیاں خریدنے کے لیے ہم پاپا کے ساتھ نکل پڑتے تھے۔ خچروں کے ذریعے کھینچے جانے والے لکڑی کے ٹھیلوں کو ہم دیکھتے جن پر آلو، سلاد، بند گوبھی، گاجر اور میپی یو کا لدے ہوتے تھے۔ مجھے تھوڑا پسینہ بھی آجاتا تھا کیونکہ سلاد کے لیے سب سے میٹھا پیاز اور اچھے لال ٹماٹر کی تلاش میں ہم کئی ٹھیلوں کے چکر لگا لیتے تھے۔ دوسرے دنوں ہم ایک سپر مارکیٹ بھی جاتے تھے۔ وہاں ایئر کنڈیشننگ تو تھا لیکن ویسے گندے اور خوشبودار کھانے والی بات کہاں!

ان دنوں ہمارے پاس ایک کار بھی تھی جسے پاپا ہمیشہ ڈھلان پر کھڑی کرتے تھے تاکہ اس کا انجن آسانی سے چالو ہو سکے۔ گوشت اور سبزیاں خریدنے کے بعد ہم وہسکی خریدنے کے لیے جاتے تھے۔ کار کافی پرانی تھی۔ اس لیے پٹرول بہت کھاتی تھی جو کافی مہنگا بھی تھا۔ مزے کی بات یہ کہ وہسکی سستی تھی کیونکہ اسے اسمگلنگ سے لایا جاتا تھا۔ پاپا کہتے تھے کہ پٹرول کی کمائی صدر کو اور وہسکی کی کمائی اس کے دوستوں کو جاتی تھی۔

ہم پورا سال کورینٹیس میں نہیں گزارتے تھے۔ جب کبھی پاپا کو چھٹی ملتی تھی ہم بیونس آئرس میں دادی کے گھر جایا کرتے تھے۔ وہاں پاپا بہت سارے ریکارڈ اور کتابیں خریدتے تھے۔ تقریباً ہر رات ماں اور پاپا ڈرامہ یا فلم دیکھنے جاتے یا کسی جشن میں میوزک سننے۔ میں دادی کے ساتھ ٹیلی ویژن دیکھنے کے لیے رک جاتی۔ مرسیدیس سوسا نام کی ایک گلوکارہ پاپا کی دوست تھی۔ ایک بار جب وہ اپنے شوہر پوچو کے ساتھ ہمارے گھر آئی تھی تو مجھے اس نے گیس سے بھرا ایک غبارہ اور سانتافے کے کچھ کیک دیئے تھے۔ اپنے کسی دوست کی تحریر کردہ ایک موسیقی کی کتاب پاپا کو دکھائی تھی۔ اس کی تحریر کچھ عجیب طرح کی تھی۔ شاید اس لیے کیونکہ وہ آدمی یونانی تھا۔ اس نے 'سوربا' نام کی ایک مشہور فلم کے لیے موسیقی دی تھی۔ مجھے لگتا ہے کہ وہ حقیقت میں کمیونسٹ تھی۔ میری دادی جو آویلا کی تھی اس نے کہا کہ 'لال

سلام' والے ملحد تھے لیکن فرانکوان سے بھی بدتر تھا۔ مرسیدیس ہنس پڑی اور اس کی ہنسی ایسی معلوم ہوئی جیسے کوئی گیت گا رہی ہو۔ اس نے مجھ سے یہ بھی کہا کہ میرا نام سولیداد اسے بہت پسند ہے۔

بیونس آئرس میں ہمارے پاس کار نہیں تھی، ہم پیدل ہی چلا کرتے تھے۔ وہاں ٹرین کو ٹیوب کہتے تھے۔ بعد میں جب میں نیویارک آئی تو وہاں اسے کچھ اور کہتے تھے جب کہ بات ایک ہی تھی۔ پاپا وہاں کوریئنیس اسٹریٹ میں کتابوں کی دکانوں میں گھس جاتے تھے اور ماں کو سانتا فے اسٹریٹ پر جوتے خریدنا پسند تھا۔ وہاں فلوریڈا نام کی ایک سڑک تھی جہاں کار نہیں جاتی تھی اور صرف پیدل چلنے والے ہوتے تھے۔ وہاں وہ میرے لیے آئس کریم اور رسالے خریدتے تھے۔ رسالوں کے اسٹال پر کتابیں، سگریٹ اور کینڈی بھی بیچی جاتی تھیں۔ پاپا میرے لیے مٹھائیاں نہیں خریدتے تھے کیونکہ انکا خیال تھا کہ وہ میرے دانت سڑا دیں گی۔ جب ہم شام کو گھر لوٹتے تو ہمارے کپڑے گاڑیوں کے میلے پن سے گندے ہو جاتے تھے لیکن اپنے اپنے پیکٹ کھول کر دیکھنے میں ہمیں خوب مزہ آتا تھا۔ پاپا کی خریدی ہوئی کتابیں دیکھ کر دادی شکایت کرتی کہ پولیس کہیں انھیں ضبط نہ کر لے کیونکہ وہ داڑھی والے لوگوں کی تصویروں سے بھری ہوتی تھیں۔ پاپا نے ایک بار اس سے کہا تھا کہ ایک داڑھی والے نے، جانوروں کو چرانے والا تھا یا ایسا ہی کچھ کرنے والا، فاک لینڈ او یہاں تک کہ پاراگوائی کی حمایت میں بہت کچھ لکھا تھا۔ دادی کہتی تھی کہ بلی تک کا کھانا دن بدن مہنگا ہوتا جا رہا تھا۔

ایک رات پاپا اور ممی مجھے ایک بہت بڑے ڈرامہ گھر لے گئے تھے۔ اوورکوٹ پہنے لوگوں سے وہ کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ وہاں ایک آرکسٹرا اور کچھ رقاصائیں تھیں۔ دروازے پر گیٹ کیپر مجھے اندر نہیں جانے دے رہا تھا۔ پاپا نے اس سے بات کی اور اس کے کندھے پر کچھ تھپکیاں دیں۔ مجھے موسیقی بہت پسند آئی تھی۔ پاپا نے مجھے بتایا تھا کہ ان رقاصاؤں نے کئی سال رقص کا مطالعہ اور ریاض کیا تھا اور تب وہ ویسا رقص کرنے میں مہارت حاصل کر سکیں تھیں۔ مجھے ایک سرکس کی یاد آئی تھی جسے ہم نے کوریئنیس میں دیکھا تھا۔ میں نے پاپا سے پوچھا تھا کہ وہاں جوکر اور بڑی بڑی چرخیاں کیوں نہیں تھیں۔ ہوا میں جھولنے اور بچوں کو ہنسانے کے لیے انھیں بھی تو کافی ریاض کرنا پڑتا ہوگا۔

ہم ہمیشہ ایک ایسی خستہ حال اور سست کشتی میں لوٹتے تھے جو ندی میں ایسی آواز پیدا کرتی ہوئی چلتی تھی جیسے تھک گئی ہو۔ اس میں پیلے مکڑ جالوں اور لہسن کی مہک سے بھرا ایک بہت پرانا ڈائننگ ہال بھی تھا۔ وہاں سوپ بہت مزیدار ہوتا تھا۔ میں نے اتنا مزیدار سوپ پہلے کبھی نہیں چکھا تھا۔ ڈائننگ ہال کی کھڑکیوں سے ساحل پر اترتی شام کا نظارہ لیا جا سکتا تھا۔ دور کے پہاڑ اور خاموش درخت نیچے ندی کے بہاؤ کے ساتھ پھسلتے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ ممی اور پاپا ڈیک پر ایک دوسرے کو بانہوں

میں لے لیتے اور مجھے ایک کمبل میں لپیٹ دیا جاتا تا کہ مجھے سردی نہ لگے اور میں ٹھیک سے سو پاؤں۔ میں تب سوچا کرتی کہ اس اندھیرے پانی میں چاند کو بھی ٹھنڈ محسوس ہو رہی ہوگی۔ جب ہم ناشتہ کرتے تو ڈائننگ ہال میں جیسے جان آ جاتی۔ ایک بار ایک پادری سے اور ایک بار بچوں کا ادب تخلیق کرنے والی ایک مشہور مصنفہ سے ہماری ملاقات ہوئی تھی۔ سبھی دل سے خوش تھے۔ جو لوگ کشتی سے سفر کرتے ہیں وہ اچھے ہوتے ہیں کیونکہ کبھی عجلت میں نہیں ہوتے۔ یادداشت کے لیے پاپا ہماری تصویریں بھی لیتے تھے لیکن صرف بلیک اینڈ وہائٹ کیونکہ رنگین فلم تب بہت مہنگی ہوتی تھی...... پھر ایش ویڈنیس ڈے (Ash Wednesday) کی اُداس خاک کی مانند وہ رنگ مجھے یاد آتے اور اُنہیں یاد کرنا مجھے بہت اچھا لگتا تھا۔

□□□

باب:11

برسات کی اس رات تو تو آسوا گا اپنے کمرے میں 'ماتے' چائے بنا رہا تھا اور اپنے گٹار پر کوئی دُھن بجا رہا تھا۔ اس نے دروازے پر اچانک ایک ہلکی دستک سنی۔ اس نے گٹار بجانا بند کر دیا۔ پھر دستک ہوئی۔ آسوا گا اٹھ کر گیا اور اس نے دروازہ کھولا۔ پانی میں شرابور ویرونیکا کمرے میں داخل ہوئی۔ آسوا گا نے کہا:

''ویرونیکا! تو بالکل بھیگ گئی ہے۔''

''مجھے تم سے ابھی بات کرنی ہے۔''

آسوا گا نے اسے کرسی پر بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بستر پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

''بیٹھ تو جا۔ بات کیا ہے؟''

ویرونیکا نے سرگوشی میں کہا۔

''بات یہ ہے کہ...... بس ایک بہانہ!''

پردے کے پیچھے کھڑی ویرونیکا سوچتی ہے:

''اور ناظرین میں وہ سبھی لوگ ایک ایسے المیے کی پذیرائی کرنے کا انتظار کر رہے ہیں جس کی زبان وہ سمجھتے بھی نہیں۔''

''تو میرا قیاس ہے کہ تو نے دلال کو خود دعوت دی کہ وہ تجھے بہکائے۔ ایک کوٹھے کا چکر لگا تا رہا ہے۔ ابھی سیکس کے خطروں سے واقف نہیں ہے۔ ہمارے خاندان کا کوئی بھی مرد کبھی بھی ان کمینوں اور جسم فروشوں کے جال میں نہیں پھنسا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تو اس کوٹھے کو بھول جا۔ میرا حکم ہے کہ تو اس جسم فروش سے اپنا پیچھا چھڑا لے...... سمجھ گیا۔''

''ہاں پاپا!'' البیر تو نے کہا تھا۔

''آپ لوگوں نے انشائیے، نظم اور مختصر کہانیوں کا مطالعہ کیا ہے..... وہ بولی جانے والی زبانوں کے ہی روپ ہیں۔'' اسکول کے اس ڈرامہ گھر میں جہاں وہ ریہرسل بھی کرتے تھے آسواگا نے اسی بورڈ کی سمت میں دھواں چھوڑا جس پر لکھا تھا 'سگریٹ پینا منع ہے۔' اس نے بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا، 'لیکن ڈرامہ میں اتار چڑھاؤ سب سے زیادہ اہم ہوتے ہیں۔ اتار چڑھاؤ الفاظ کی جگہ لے لیتے ہیں۔ صرف جسم نہیں، جذبوں کا اتار چڑھاؤ بھی۔ یہاں صرف پلاٹ کے تصادم سے سابقہ نہیں پڑتا بلکہ اس کے فنی پہلو سے بھی۔ فحش مزاح اور طنز کا تصادم، روزمرّہ کی زندگی اور تنقیدی نظر کا ڈرامائی تصادم، معمولی اور غیر معمولی کا المناک تصادم، اور یہی ہے جس میں اس وقت ہماری دلچسپی ہے۔''

سومائیا چلایا:

''وہ کمینہ پادری بھی اس میں شامل ہے۔''

سولیداد نے گھبراہٹ کے ساتھ کہا:

''ایسا نہیں ہوسکتا۔''

سومائیا پھر چلایا۔

''کیوں نہیں؟''

سولیداد کہتی ہے:

''اگر جرم ایک گھنٹے پہلے ہوا تھا تو کاسیریس سر کا اس میں کوئی ہاتھ نہیں ہے۔ ڈرامہ کے دوران وہ میرے ساتھ ویرونیکا کے لباس بدلنے کے کمرے میں موجود تھے.....''

ویرونیکا نے کہا:

''ہاں، میں نے انھیں کہا تھا کہ وہ میرے ساتھ ہی رکیں، یہ میرے لیے مبارک ہوگا۔''

سومائیا پھر چلایا۔

''پاراگوائی کے اسی پادری کا قصور ہے۔''

تبھی سولیداد نے کہا:

''لیکن پورے وقت تو وہ میرے ساتھ تھے۔ میں قسم کھا کر کہتی ہوں انسپکٹر، کاسیریس سر تو بہت اچھے اور نیک صفت آدمی ہیں۔''

آسواگا نے کہا تھا۔

’اونیل کے ساتھ ہم ایک کھیل کھیلنے جا رہے ہیں۔ آپ لوگ جانتے ہی ہیں کہ اس ڈرامے میں اس نے یونانی اساطیر کو ہم عصر تناظر میں دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ ایک قدیم المیے کو جدید روپ دیا ہے۔ لیکن اب اس کا ڈرامہ بھی پرانا پڑ گیا ہے۔ اس کو زندہ کرنے کے لیے آپ لوگوں کو میرا ایک مشورہ ہے کہ سب کچھ اُلٹ دیں کچھ اس طرح کہ یہ ایک یونانی ڈرامہ لگے۔ اس میں ہم مکھوٹے وغیرہ استعمال کریں گے لیکن ہم کلاسیکی انداز کے مکھوٹے استعمال نہیں کریں گے بلکہ لاطین امریکی جگوار کے مکھوٹے۔ کیا خیال ہے آپ لوگوں کا؟ شاید آپ لوگوں کو کچھ نا مناسب لگے لیکن مشق کرتے کرتے آپ لوگ اس کے عادی ہو جائیں گے۔ سبھوں کو مکھوٹا پہننے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ ویرونیکا کا مکھوٹا سب سے زیادہ اہم ہوگا۔ ڈرامے میں مکھوٹا اس بات کی تصدیق کرتا ہے کہ جو اداکاری کر رہا ہے وہ اُس لمحے صرف ایک کردار ہوتا ہے، اور کچھ نہیں۔ ویرونیکا تب ویرونیکا نہیں، الیکٹرا یا لاوینیا ہوگی لیکن حقیقت میں ہے وہ ویرونیکا، ہے نا! ٹھیک ہے؟''

سومائیا نے چیختے ہوئے کہا:

''انھوں نے کچھ بھی قبول نہیں کیا لیکن ہمیں پہلے سے ہی سب کچھ پتا ہے! وہ سب کے سب اس میں شامل ہیں۔''

''تھوڑی 'ماتے' لوگی؟''

آسواگا نے پیش کش کی۔ ویرونیکا نے سر ہلا کر حامی بھری۔ اس کے بال ایک تولیہ میں لپٹے تھے جسے آسواگا نے دیا تھا۔

''تو تو، تم نے ٹھیک سے تو سمجھ لیا ہے نا؟''

آسواگا نے بھاپ والی 'ماتے' اسے پکڑاتے ہوئے کہا۔

''ہاں، بالکل۔ سارا مسئلہ دراصل گھڑیوں میں وقت کے ملانے کا ہے۔''

ویرونیکا نے گھبراہٹ بھری آواز نکالتے ہوئے 'ماتے' کی چسکی لی اور کہا:

''شکریہ، ناظرین کو پتا بھی نہیں چلے گا کہ تم البیرتو نہیں ہو، ہے نا؟''

''مکھوٹے سے نکلتی آواز اتنی بدل جاتی ہے کہ اس طرف سے میں بالکل مطمئن ہوں۔ البیرتو اور

میرا قد تقریباً یکساں ہے...... اور لبادہ پہننے کے بعد تو ہم میں فرق کرنا تمھارے لیے بھی مشکل ہو جائے گا۔"

کرسی کے کنارے بیٹھی ویرونیکا کے ہاتھ میں 'ماتے' کا پیالہ کانپ رہا تھا۔ اس نے ایک گہری سانس لی اور اطمینان کے ساتھ کہا:

"امید کرتی ہوں کہ سب کچھ منصوبہ کے مطابق ہی ہوگا۔"

"اسے صرف اختتام سے پہلے اس وقت تک واپس آجانا ہے جس وقت سبھی اداکار ناظرین کا شکریہ ادا کرنے کے لیے اپنے اپنے مکھوٹے اتاریں گے۔ لارائن تو گولیاں کھانے کا حقدار ہے ہی۔ میں تو یہ خود ہی کرڈالتا۔ یوں بھی بہت دن زندہ رہوں گا نہیں۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ البیر تو کو ہی کرنا چاہئے۔"

ویرونیکا اسے اپنی خوبصورت کالی آنکھوں سے غور سے دیکھتی رہی۔

"اسی کو بہانہ بازی کہتے ہیں۔ ہے نا تو تو؟"

آسواگا مسکرایا۔

انسپکٹر روبیرتو آمادور سومائیا نے دروازے پر لات ماری اور شور مچاتے ہوئے ویرونیکا کے ڈریسنگ روم میں گھس گیا۔ دیموئی سیلے دی آوگینون (Demoiselled Avignon) کی طرح المناک مکھوٹا پہنے وہ بالکل برہنہ کھڑی تھی۔

پراسرار عریاں جسم، آسیب کی مانند پتھر چہرہ اور دیوار پر لگے قد آور آئینے میں اس کا عکس دیکھ کر، ڈریسنگ روم کی دہلیز پر ہی وہ پولیس انسپکٹر ششدر کھڑا رہ گیا۔

سومائیا چلاتے ہوئے بولا، "تم لوگوں نے بریگیڈیر لارائن کا قتل کیا ہے!"

ویرونیکا نے کہا:

"لارائن؟ لگتا ہے کہ یہ نام پہلے بھی سنا ہے۔"

سومائیا چلاتے ہوئے بولا:

"وہ پارٹی کا ایک ممبر تھا۔"

ویرونیکا نے کہا:

"اچھا؟ یہ تو میں جانتی تھی کہ وہ پارٹی کی کئی عورتوں کا استحصال کرتا تھا لیکن یہ نہیں معلوم تھا کہ اس کا بھی پارٹی سے کوئی تعلق تھا۔"

سومائیا چیخا:

''تم خود کو سمجھتی کیا ہو؟''

ویرونیکا اپنے کردار کے مکالمے بولنا شروع کر دیتی ہے۔

''میں؟ زرد رنگ کا درد، ہر کسی کی اُداسی، فرقہ وارانہ بازگشت، اداس پانی، روز کی تنہائی، خفیہ بارش، لمحہ بھر کا دکھ، زخمی کانچ، غیر معتبر خوشی، غلام پیار، اجتماعی خوشی، آزاد رواج، چھپی ہوئی خاموشی، بے حد ضروری بوسہ، بے انتہا جرأت، خوابوں کا غار، بدنصیب بے وفائی، چیخ کی خلاء، شام کی غنودگی، لامحدود بدن، عریاں سایہ، بہادری کا ساحل، تاریک شاہراہ، سزا سے آزاد چراغ، دیسی شراب، صبح سویرے کا چکاوک، ترش سورج مکھی، خفیہ صُلح، خواہش، گندم، بے نام چہرہ، شفاف لفظ، خالص انگارہ، سبک یاد، نازک لو، شکستہ بے قابو روشنی، پروں والی آنکھ، پابند پرچھائیں، برقی قہر، خون کی پنکھڑی، آسمانی صدف، گداز گونج، قربت کی خوشبو، مسلسل رواں درمیانی راگ، بے ربط وضع، پرنم غافل اتفاق، آلودگی کی تردید، صبح کا ذق کا گوشہ، خفیف بُردگی، برف کا حلقۂ کمر، شاندار راکھ، ہیرے کی پیداوار، اوباش، بدقماش، پھسڈی اور احمق کے خلاف ایک خاموش کائنات!...... نجات دو، بیدار ہو جاؤ، چمکو، جل جاؤ، اجازت دو، معاف کرو، ضبط کرو، رجھاؤ، بُنو، بحال کرو، قبول کرنے سے انکار کر دو......''

سومائیا چلایا۔

''مجھے سمجھ میں نہیں آیا۔''

''ارے، نہیں! معاف کرنا...... آپ سے چوک ہوگئی، دراصل پروگرام ختم ہو چکا ہے۔''

ویرونیکا اپنا مکھوٹا اتار لیتی ہے جیسے دوپہر میں ایک شکر خورا خوشبودار خول سے باہر نکلا ہو۔

□□□

باب:12

کتب خانے کی کھڑکی سے البیرتو رات کے اندھیرے میں لارائن کو چپکے سے دیکھتا ہے۔ کمرے میں وہ موٹا اکیلے ہی سونف کا شربت پی رہا ہے۔ بھاری پردوں کے سائے سے نکل کر البیرتو اس کی طرف جاتا ہے۔ لارائن سے قریب دو میٹر دور۔ وہ کمرے کے بیچ میں کود پڑتا ہے۔ دونوں ہاتھوں میں اس پرانی ریوالور کو مضبوطی سے تھامے اس کی طرف نشانہ لگاتا ہے۔

بریگیڈیر اسے اپنی آنکھ کے کونے سے دیکھ لیتا ہے لیکن کوئی جلد بازی نہیں کرتا ہے۔ وہ دھیرے سے گھومتا ہے اور بالکل پدرانہ شفقت سے لڑکے سے مخاطب ہوتا ہے۔ اپنے گلاس کو پیار سے چھوتے ہوئے وہ کہتا ہے:

''میرے پیارے بچے...... تیرا دماغ خراب ہو گیا ہے کیا؟ یہ نہیں دیکھ رہا ہے کہ تیرے پیچھے میرا مسلح نوکر کھڑا ہے؟''

فطری طور پر البیرتو پیچھے مڑتا ہے۔ تبھی بجلی کی رفتار سے لارائن اس سے ریوالور چھین لیتا ہے اور اسی سے اس کا جبڑا توڑ دیتا ہے۔

لڑکے کا جسم اس کے پیروں پر گر جاتا ہے۔ حیرت اور نفرت کے ساتھ بغیر ہلے لارائن کچھ دیر اسے ایک ٹک دیکھتا رہا جو چکنا چور گلاس کے پاس ہی زمین پر پڑا ہوا تھا۔ وہ ایک گہری سانس لیتا ہے۔ اپنی نظروں سے گرینڈ میرنیئر کی بوتل ڈھونڈتا ہے۔ شیلف کے پاس جاتا ہے اور بوتل کھول لیتا ہے۔ شراب کا ایک گھونٹ لیتا ہے۔ جاپانی سگریٹ کیس کی بغل میں ایک سائلینسر ہے۔ لارائن اسے البیرتو کی پستول پر فٹ کر دیتا ہے۔ تھوڑا جھکتا ہے اور پستول کو اس کی کنپٹی سے لگا کر نشانہ لگاتا ہے۔ وہ پستول تب تک چلاتا رہتا ہے جب تک کہ ساری گولیاں خارج نہیں ہو جاتی ہیں۔ خون سے لت پت البیرتو کا مغز دمشق کے قالین پر بہہ جاتا ہے۔

لارائن پھر ایک گہری سانس لیتا ہے جو اس بار اور زیادہ گہری ہوتی ہے۔ ٹانگوں کو مہوگنی میز تک

گھسیٹتا ہے۔ وہ بیل جیسے اپنے جسم کو نرم آرام کرسی پر ڈال دیتا ہے۔ کھلی کھڑکی سے دور کی ٹریفک کا شور سنائی پڑتا ہے اور اندھیرے باغیچے سے ہلکی ہلکی گرم ہوا داخل ہوتی ہے جو پردے کی ریشمی سطح میں لرزش پیدا کرتی ہے۔ لارائن اپنے پینٹ کی جیب سے کشیدہ کاری کیا ہوا رومال نکالتا ہے۔ اپنے پیر موڑتا ہے اور غصہ میں منہ بناتے ہوئے اپنے جوتوں پر سے خون پونچھ دیتا ہے۔ رومال کو ہاتھی دانت والی ردّی کی ٹوکری میں ڈال دیتا ہے۔ پھر میز کی بیچ کی دراز کھولتا ہے اور 'پلے گرل' کا تازہ ترین شمارہ نکال لیتا ہے۔ بیچ کے صفحوں کو کھول کر میز پر پھیلا دیتا ہے۔ اس مہینے کی ماڈل کا نازک چہرہ کچھ مشرقی ڈھب کا ہے۔ اس کے چھوٹے سے مضحکہ خیز جسم پر اندام نہانی بے میل لگتے ہیں۔ لارائن کو سونف کی ڈکار آتی ہے اور وہ پیٹ کے نیچے کے حصہ کو پیار سے سہلاتا ہے۔ اپنی پتلون کی زپ کھولتا ہے۔ اپنی آرام کرسی پر سے وہ البیرتو کو دیکھتا ہے۔ اس کا پورا چہرہ بگڑ چکا ہے۔ خون اور مغز سے گندے قالین پر اس کی بلوری آنکھیں باہر نکلی پڑی ہیں۔ لارائن کو پسینہ آرہا ہے اور اس کے ہونٹ کانپ رہے ہیں۔ آخر میں اپنے ہاتھ میں اپنے ہی جسم کے کالے حصے کو تھامے وہ ہچکچاتے ہوئے کھڑا ہو جاتا ہے۔ شدت جذبات اور جنسی ہیجان میں تقریباً کانپتے ہوئے وہ لاش کے پاس جاتا ہے۔ اپنے پیر سے وہ لڑکے کے جسم کو الٹ کر اس کا چہرہ نیچے کر دیتا ہے، اپنے گھٹنے ٹیک کر اس کی پتلون کو زبردستی نیچے کھسکا دیتا ہے...... اُسی وقت اس کی نظر چیتے کی کھال میں مکھوٹا پہنے شخص پر پڑتی ہے جو اسی کی طرف بڑھتا چلا آرہا تھا۔ چہرہ شراوڈ (Shroud) کی مانند، پیروں میں موٹے تلّے والے بوٹ جو تھیٹر میں استعمال ہوتے ہیں اور اس کی ہنس کے پروں جیسی اُنگلیوں کے درمیان ایک آٹومیٹک پستول چمک رہی تھی......

□□□

حصّہ سوم

باب:1

گومیر سند ولا رائن کو کس نے مارا؟

بیرا جب رات کو دس بجے کتب خانے میں روشنی بجھانے کے لیے گیا تب اس نے وہ لاش دیکھی تھی۔فوراً اس نے سومائیا کو بلایا، جس نے وہاں پہنچنے میں کوئی تاخیر نہیں کی اور حالات پر قابو پالیا۔کلوز سرکٹ حفاظتی انتظام کے تحت جرم کو پوری طرح سے فلمایا گیا تھا۔البیرتو کو داخل ہوتے دیکھا جا سکتا تھا اور لارائن کو اس کی کھوپڑی اڑاتے ہوئے۔کارنیوال کے جگوار کو بھی دیکھا جا سکتا تھا جس نے بہت نزدیک سے موئے کو گولی ماری تھی اور کھڑکی سے کود کر غائب ہو گیا تھا۔سومائیا نے وہ ٹیپ نہ تو جج کو سونپا اور نہ اس کے بارے میں پریس کو ہی کوئی اطلاع دی۔لاش کی شناخت اور معائنے واسلحوں کی جانچ نے واردات میں دو اسلحوں کے استعمال کئے جانے کی تصدیق کر دی تھی۔ پھر بھی اس سچ کو خفیہ ہی رکھا گیا۔سرکاری طور پر پولیس نے یہی بات کہی کہ البیرتو اور اس کے گارجین میں اس وقت دوستانہ باتیں ہو رہی تھیں جب جگوار کے بھیس میں ایک قاتل نے ان پر گولیاں چلا دیں۔

اس خبر نے پورے علاقے کو ہلا کر رکھ دیا تھا اور دو دنوں تک سرکاری ٹیلی ویژن چینلوں پر یہی خبر سرخیوں میں رہی۔ان دو مرنے والوں میں سے ایک ارجنٹینا کی بڑی فوج کے ان بہادر اور لائق فائق کرنل کا پوتا تھا جنھیں چاکو جنگ کے دوران پاراگوائی کی فوج میں ایک اہم عہدے سے نوازا گیا تھا۔ پستیِ اقدار اور تنزلی کے اس دور میں کرنل الیکھا ندر ینوساریا کیروگا مثالیت پسندی کی ایک لازوال علامت تھے۔اس صدمے کی گھڑی میں اس بزرگ جنگجو کے ساتھ پورا ملک کھڑا تھا۔عام رائے اصل میں یہ تھی کہ کئی پہیلیاں ابھی سلجھی ہی نہیں تھیں۔

لارائن کے گھر میں البیرتو اس وقت کیا کر رہا تھا؟ ہر کوئی جانتا تھا کہ اس وقت تو اسے اسکول میں کھیلے جا رہے ڈرامے میں ہونا چاہئے تھا جس میں وہ اورین کا کردار ادا کر رہا تھا۔

تقریباً ہر بات شک کے گھیرے میں تھی۔سب سے اچھا بہانہ مدرتو روکس اور فادر مارسیلین کے ہم شکل بھائی کا تھا جس نے بیونوس آئریس سے آ کر اپنے مرے ہوئے بھائی کے پادری کے عہدے

پر قبضہ کر لیا تھا۔ اونیل کے ڈرامے کے دوران انھیں سبھی نے پہلی قطار میں بیٹھے ہوئے دیکھا تھا۔ ایلیسا نے دعوی کیا تھا کہ اپنی جگہ سے بغیر ہلے ڈولے پورے ڈرامے کے دوران وہ ہال میں ہی موجود تھی۔ حالانکہ جن نامعلوم ناظرین کے بیچ وہ بیٹھی تھی ان کے چہرے اسے یاد نہیں تھے۔

توتو آسوا گا نے بتایا کہ اسے اورین کے کردار کی اداکاری کرنی پڑی کیونکہ البیر تو اس وقت وہاں کہیں تھا ہی نہیں۔ پہلے وقفہ کے دوران کئی اداکاروں نے اسے مکھوٹے کے بغیر دیکھا تھا لیکن اس کے بعد اس نے وہ نہیں ہٹایا تھا۔ اس نے زور دے کر کہا کہ ایسا اس نے مجبوراً ہی کیا تھا۔ اسے یہ بھی ٹھیک سے یاد نہیں تھا کہ وہ مکھوٹا اس وقت اس کے چہرے پر ہی موجود تھا۔ اس طرح اس کو ٹھیک سے شناخت کرنے کا امکان بھی جاتا رہا۔

ویرونیکا نے لاوینیا کا کردار نبھایا تھا لیکن مکھوٹا اس نے لمحہ بھر کے لئے بھی نہیں اتارا تھا۔

کاسیریس نے کچھ کہا نہیں لیکن سولیداد نے زور دے کر کہا کہ وہ دونوں سارا وقت ویرونیکا کے ڈریسنگ روم میں موجود تھے۔ سولیداد کو وہیں حراست میں لے لیا گیا تھا۔ اسے پولیس اسٹیشن میں پوچھ تاچھ کے لیے لے جایا گیا اور رابطہ کاٹ دیا گیا۔ سرکار کے حمایتی ریڈیو نے اسے ضروری ٹیکس ادا کئے بغیر خود کو جگوار میں بدل کر غیر قانونی طور پر جھاڑ پھونک کرنے کا قصوروار بتایا۔

غم وغصہ کے ساتھ، چرچ میں اپنے ہر ایک ماس میں، پادری کاسیریس حکومت پر کوریتیس کی سب سے مشہور شاعرہ اور اسٹوڈینٹ لیڈر کے خلاف انتقام کے جذبہ سے کاروائی کرنے کا الزام لگا رہے تھے۔

بزرگ کرنل اور ان کی بیوی کو بھی جج نے طلب کیا۔ انھوں نے کہا کہ واردات کی شام وہ کچھ پڑوسیوں کے ساتھ کاناستا کھیل رہے تھے۔ اس پر یقین کیا جا سکتا تھا اور چاکو جنگ کے ہیرو کی عمر کے حساب سے یہ ممکن نہیں لگتا تھا کہ وہ ایک پستول لہراتے ہوئے رات میں جگوار کی شکل میں وہاں پہنچتے یہ تھوڑا عجیب ضرور لگ رہا تھا کہ وہ اپنی پیاری پوتی کا حوصلہ بڑھانے کے لیے اس کا ڈرامہ دیکھنے نہیں گئے۔

آنجہانی ساریا کیروگا کی 'فلوریتین' حویلی کے کئی نوکروں کو بھی ایک کے بعد ایک سزا دینے والی عدالت کے ذریعے تفتیش کے لیے بلایا گیا۔ عنقریب بغیر نوٹس کے نکالے جانے کے امکان کی وجہ سے تکنیکی طور پر وہ بھی شک کے دائرے میں تھے۔ بیمار لیکن مغرور نوکرانی بیرتا فنائل کی گولی کی مہک والا گاڑھا کالے رنگ کا نقاب ڈالے جلوس کی قیادت کر رہی تھی۔ ایک دوسرے کی مدد کی خاطر سبھی نے ایک ہی بات کہی کہ وہ پوری شام 'چینل نو' پر خورخے مسترال کی ایک پرانی فلم دیکھتے رہے۔

آما پولا گنتیر ڈرامہ دیکھنے نہیں گئی تھی کیونکہ اس کی بیٹی نے اس میں حصہ نہیں لیا تھا۔ اس نے کہا کہ قتل کے وقت شمال مشرق فوجی ضلع کی گھڑسوار فوج کے کمانڈر، جنرل خوان فرانسسکو گونسالیس کے ساتھ چائے پینے کے بعد وہ ایک بس سے اپنے گھر لوٹ رہی تھی۔ گونسالیس ویسے سانابریا حجام کی دکان کا گاہک بھی رہ چکا تھا اور آما پولا کی طرح وہ بھی رانڈ تھا۔ ایک کو شوہر اور دوسرے کو بیوی کی موت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ ایک مقامی اخبار نے تو یہاں تک چھاپ دیا کہ اس کی اور آما پولا کی جوڑی ایک خوبصورت جوڑی ہوا کرتی تھی۔ بس عجیب بات یہ تھی کہ عام دنوں کی طرح جنرل نے اسے واپس گھر اپنی کار یا جیلی کاپٹر میں کیوں نہیں بھیجا!

ایسا بالکل نہیں لگتا تھا کہ پولیس کو اس حادثہ کی گتھیوں کو سلجھانے میں کسی طرح کی کوئی دلچسپی تھی۔ اس کے برعکس ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس حادثے کو ایک بہانے کے طور پر استعمال کر کے جون میں ہوئے طالب علموں کے جلوس اور مظاہروں کے سلسلے میں وہ اپنا حساب چکانا چاہتی تھی۔ مڈل اسکول اور کالج کے کئی طالب علموں کو حراست میں لے لیا گیا اور ایک دوسرے سے ان کا رابطہ کاٹ دیا گیا۔ سولیداد کو جیل میں ڈالے جانے کی وجہ سے کوریئنٹیس کی اسٹوڈینٹ برادری اور جوان شاعروں میں غم وغصہ کی لہر تھی۔ پادری کاسیریس نے آسواگا سے درخواست کی کہ جتنی جلدی ہو سکے وہ واپس امریکا چلا جائے۔ آسواگا نے اس کی صلاح کسی خوف کی وجہ سے نہیں بلکہ اس وجہ سے مان لی کہ وہ وہاں کچھ کر نہیں سکتا تھا۔ اس کے علاوہ اسے تولسا میں اپنی کیموتھریپی بھی پھر سے شروع کرنی تھی۔ حکومت کے حمایتی ریڈیو نے کاسیریس کے خلاف تلخ اور اشتعال انگیز مہم شروع کر دی اور اسے نام دے دیا 'کوریئنٹیس کا لال پادری۔' وہ سولیداد کے خلاف اس کی نام نہاد ہم جنسی کے متعلق افواہوں کا بھی جنھیں خود انھوں نے بڑی ہوشیاری کے ساتھ پھیلایا تھا، استعمال کر رہے تھے۔ ایک صبح اسکول کے سامنے کی دیواریں ان الفاظ کے ساتھ رنگی پائی گئیں 'کمیونسٹوں اور ہم جنس پرستوں سے ارجنٹینا کو پاک کرو!'' یہاں تک کہ ریڈیو کی کچھ رپورٹوں میں ایلیسا کی ازدواجی زندگی کے بارے میں کہا گیا تھا کہ اس نے اپنے شوہر کے ساتھ دغا کیا۔ اس کے کاٹیشین خاندان پر بھی شک کر کے اسے بے عزت کیا گیا۔ اگر وہ ورلڈ بینک کے چیئرمین کی بیوی نہیں ہوتی تو اس کے پختہ اکادمک ریکارڈ بھی شاید اسے پولیس کی وحشت سے نہیں بچا پاتے۔

ایلیسا نے اپنے شوہر کو فون پر بتایا کہ اس کی بھانجی جیل میں بند ہے۔ گنتیر نے کہا کہ وہ اپنے کام میں اس قدر مصروف ہے کہ مقامی مسائل سلجھانا اس کے بس میں نہیں ہے۔ اس کے علاوہ سانابریا کی بیٹی اب کافی بڑی ہو چکی ہے اور اپنا خیال رکھ سکتی ہے۔ پولیس اسٹیشن سے آما پولا ہر دوسرے دن

سولیداد کے کپڑے دھونے کے لیے گھر لایا کرتی تھی۔ انھیں کپڑوں کے بیچ میں سولیداد کاغذ کے ایک چھوٹے سے پرزے میں ویرونیکا کے لیے نظمیں اور چٹھیاں چھپا کر بھیجتی تھی۔ ایک جمعہ کو اس کا اندر دیئر خون سے رنگا ملا۔ آما پولا نے روتے روتے اپنی بھابھی سے منت کی کہ وہ خود واشنگٹن جائے اور کسی بھی طرح گنتیر کو کورینٹیس لے کر آئے۔ ایلیسا اگلے ہی دن جہاز سے وہاں کے لیے روانہ ہوگئی۔

ویرونیکا کا حال یہ تھا کہ دادادادی کے گھر میں قید ہفتے گذر گئے۔ اسے یہ بھی اچھی طرح علم تھا کہ جبر کے اس طویل سلسلے میں وہ ایک گمشدہ کڑی ہے اور وہ غلط نہیں تھی......

کرنل کو بھی پاستا اتنا ہی اچھا لگتا تھا جتنا کہ اس کی پوتی کو۔ چٹنی کا معائنہ دونا ارنیستینا خود کرتی تھی۔ رسوئی سے وہ تب تک نہیں ہلتی تھی جب تک کہ نوڈلس ملائم ہو کر برتن کی دیوار پر چپکنے نہیں لگتے۔ پاستا کھانے کے بعد ویرونیکا بالا خانے میں ایک جھپکی لینے چلی جاتی جہاں وہ اپنی کچھ انقلابی کتابیں رکھا کرتی تھی۔ بعد میں نیچے جا کر فٹ بال اسٹیڈیم جانے کے لیے اپنے دادا کو جگاتی۔ لیکن اس شام وہ ممکن نہیں ہوا۔

ڈائننگ ہال کی کھڑکی کے ٹھیک سامنے جہاں سے سڑک دکھائی پڑتی تھی کرنل اسپریسو کافی پی رہا تھا۔ وہ اچانک دھیمی آواز میں بولا:

''ویرونیکا بھاگ جا!''

ویرونیکا پاس آئی اور کھڑکی سے دیکھا کہ فوجیوں کی طرح چھوٹے کٹے بالوں اور زیتون کے رنگ کی چمڑی والے چار لوگ جیرینیم کے پودوں کو روندتے ہوئے گھر کے دروازے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ بجلی کی طرح وہ پچھواڑے کی طرف بھاگی۔

دروازے پر کچھ دستکیں سنائی پڑیں۔ دونا ارنیستینا نے دروازہ کھولا۔ اندر گھس آنے والوں میں سے ایک نے بڑی خوشدلی سے کہا:

''ہیلو میڈم، کیا ویرونیکا ساریا گھر میں ہیں؟''

دون آلیکھاندرینو دروازے کے پاس آیا۔ کچھ بے دلی کے ساتھ آنے والے نے کرنل کو سلام کیا۔ اتنے میں سابق باکسر سا ایک اجنبی ویرونیکا کو پچھواڑے کی طرف سے کھینچتا ہوا لایا۔ ویرونیکا کا چہرہ ایک پتے کی طرح پیلا پڑ چکا تھا۔ اس مسٹنڈے نے کہا:

''یہ یہاں ہے لیفٹننٹ۔ یہ پیچھے کی دیوار پھاند رہی تھی۔''

''ہمیں حکم ہے کہ آپ ہمارے ساتھ چلیں۔''

لیفٹیننٹ نے ویرونیکا سے کہا جو باکسر کی گرفت میں ڈر سے کانپ رہی تھی۔
دونا ارنیستینا نے دونوں ہاتھوں سے اپنی چیخ دبالی۔ کرنل نے اسے گلے لگایا اور کہا:
''صبر رکھنا میری پیاری بچی!''
ویرونیکا بڑبڑاتے ہوئے بولی:
''داداجی، کیا آپ 'بوڑھا آدمی اور سمندر' کو جو میری میز پر ہے میرے لیے سنبھال کر رکھیں گے؟''
کرنل نے خاموشی میں ہی سر ہلایا۔ اس نے ابھی بھی اپنی بیوی کا ہاتھ پکڑ رکھا تھا۔

وہ ابھی ٹارچر روم میں پہنچی ہی تھی کہ ہاتھ میں کوئی اسلحہ لیے ایک آفیسر نے ویرونیکا سے کہا کہ وہ کمر سے نیچے کے کپڑے اتار لے۔ اس نے اسے یقین دلاتے ہوئے کہا کہ اداکاروں، گلوکاروں اور شاعروں میں ہم جنس پرستوں اور نشہ خوروں کی تعداد کافی زیادہ ہے۔ ویرونیکا نے اس سے پوچھا کہ سولیداد کہاں ہے۔ افسر نے لفظوں کو چباتے ہوئے کہا:
''تو آج رات اپنی غلاظت بھی کھائے گی۔''
پھر اس نے ویرونیکا سے کہا کہ سولیداد تو وہ سب پہلے ہی کر چکی ہے اور اب تو گلاس ٹیوب میں ایک بھوکا چوہا رکھ کر اس کے اندام نہانی میں ڈال دیا گیا ہے۔

اپنی پوتی کی گرفتاری کے دو دن بعد آلیکھاندرینو ساریا کیروگا کو پہلا دل کا دورہ پڑا۔ کرنل کی عمر کو دیکھتے ہوئے ہر کسی کو کافی ڈر لگ رہا تھا۔ اسے فوراً ایک شاندار فوجی اسپتال میں داخل کرایا گیا۔
بوڑھے آدمی کی صحت رفتہ رفتہ بحال ہونے لگی۔ ریٹائرڈ ڈاکٹر نے دونا ارنیستینا سے سرگوشی میں کہا:
''کرنل لڑکی کے لیے ڈرے ہوئے ہیں۔ کیا آپ کسی سے بات کر کے اسے رہا نہیں کروا سکتیں؟''
تھکی ہوئی دونا ارنیستیا نے کھوکھلے لہجے میں کہا:
''سو جنگوں کے شیر کو ڈر؟''
ایک صبح کرنل اور اس کی بیوی اسپتال کے بستر پر تاش کی بازی کھیل رہے تھے۔ تبھی پولیس کا ڈاکٹر آیا اور بولا کہ ان کی مزاج پرسی کے لیے گورنر آرہے ہیں۔ مریض بستر پر اٹھ بیٹھا اور بولا کہ وہ اس سے نہیں ملنا چاہتا ہے۔

اپنی دلکش آواز میں مخاطب کرتے ہوئے دونا ارنیستینا نے کہا:

''لیکن آلیخو، ویرونیکا کی رہائی کی درخواست کرنے کا آپ کے پاس یہ اچھا موقع ہے۔''

بخارسے تپتی نیلی آنکھوں سے کرنل نے اسے کچھ دیر تک دیکھا اور پھر دھیرے سے کہا، ''موقعہ رد سمجھو، آگے بڑھو!''

ویرونیکا کنکریٹ کے اس فرش پر پھیلے کمبل پر تقریباً سارا دن گزارتی۔ وہ کمبل پولیس اسٹیشن کے باورچی خانے کی چھت بھی تھی۔ اسی کے پاس میڈیکل کا ایک طالب علم، دو فحش رسائل بیچنے والے اور ایک جیب کترا جو شاید ایک مخبر تھا، بھی سوتے تھے۔ انھیں آپس میں بات چیت کرنے کے لیے منع کیا گیا تھا۔ ایک کامریڈ اسٹوڈینٹ کو دیکھ کر مسکرانے پر ویرونیکا کی پسلیوں پر کئی لاتیں پڑی تھیں۔ رات میں کچھ ٹھنڈک بھی ہو جاتی تھی لیکن نیچے باورچی خانہ ہونے سے فرش تھوڑا گرم ہو جاتا تھا اور کچھ آرام دہ لگتا تھا۔ اس رات اپنے کمبل میں لیٹی ویرونیکا کو یاد آیا کہ اُس روز اس کے دادا کی سالگرہ تھی۔ اسے یاد آیا کہ کرنل غیر معینہ ترقی کے اصول کو کتنی نفرت سے دیکھتا تھا اور اپنے ہسپنک لہجے میں زور دے کر بار بار کہتا تھا کہ ''تاریخ ایک برا خواب ہے جس سے میں بیدار ہونے کی کوشش کر رہا ہوں۔'' ویرونیکا فخر کے ساتھ قیاس لگاتی ہے کہ شاید کورینتیس کے 80-90 کی عمر کے بزرگوں میں اکیلے اس کے دادا ہوں گے جنھوں نے 'یولیسس' (Ulysses) پڑھا ہوگا۔ جنگ کے دوران کرنل کے بہترین کارناموں میں دشمن کے علاقے میں کچھ کنوؤں پر قبضہ کرنا شامل تھا۔ کئی دنوں تک ٹیڑھے میڑھے راستوں پر پیدل، پیاسے، دھوپ میں چلتے ہوئے دسمبر کی چاندنی میں بھاگتے دوڑتے کرنل ایک بے حال بٹالین کی قیادت کر رہے تھے جس کے فوجی تھے تو اس سے عمر میں کم لیکن تھک کر وہ چور ہو چکے تھے۔ اس نے انھیں کسی چیز سے متاثر نہیں ہونے دیا اور انھیں خود اعتمادی اور فتح تک لے جانے میں کامیاب رہا۔ کرنل نے ویرونیکا کو بتایا تھا کہ جنگ سے پہلے شام میں جب وہ آگ کے پاس بیٹھا تھا تو کیسے پاراگوائی کی رہنے والی اس کی ماں کی روح وہاں نمودار ہوئی۔ اس نے اعلان کیا تھا کہ بعد میں اس کی کایا پلٹ ہو جائے گی۔ سڑکوں، نوٹوں اور اسکولوں پر اس کا نام ہوگا۔ لیکن وہ سب ایک فریب ہوگا۔ کوئی بھی اپنے کندھوں پر ستارے نہیں لگائے گا۔ بوڑھے کرنل نے اس رات کے بعد دوبارہ اپنی وردی کبھی نہیں پہنی۔ ویرونیکا نے بتایا کہ اس نے جواب میں کہا تھا کہ اگر اپنا ملک محض ایک نظم ہے تو ٹھیک ہے، میں بھی سکندر ہوں! عصمت دری اور اسلحہ کی نوک سے ہونے والے شدید درد کے باوجود ویرونیکا یہ یاد کر کے مسکرا پڑی کہ ایک امریکی مورخ نے تو گوارانی

نظریہ کے اس لائحہ عمل کو جنگ جیتنے کی شیخی بگھارنا بتایا تھا جیسے وہ کوئی حتمی کاروائی تھی۔

جب کرنل کو دوسری بار دل کا دورہ پڑا، ویرونیکا سے تب بھی رابطہ نہیں ہو سکا لیکن اسے اب وہ رات میں پریشان نہیں کر رہے تھے۔ وہ ایک نہایت خطرناک جنسی مرض میں مبتلا تھی جس کا علاج پولیس کلینک میں انٹی بایوٹک کے دردناک انجکشنوں سے کیا جا رہا تھا۔ اس سے اسے کچھ امید ہو چلی تھی کہ وہ وہاں سے زندہ باہر نکل پائے گی۔ اسے معلوم تھا کہ جس جبر و تشدد کا برتاؤ انھوں نے اس کے ساتھ کیا تھا، اس کی وجہ وہ وقار تھا جس کے تحت اس کے دادا نے اس کی رہائی کے لیے فوجی آفیسروں سے درخواست کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ وہ سولیداد کے بارے میں کچھ نہیں جانتی تھی اور اس کے بارے میں سوچنے سے بچتی تھی کیونکہ اس سے اس کو گہرا صدمہ پہنچتا تھا۔

دل کا دورہ نسبتاً ہلکا تھا لیکن کرنل کو بے ہوش رکھنے کے لیے کافی تھا۔ اس بار ڈاکٹر نے دونا ارنیستینا سے کچھ ڈرامائی انداز میں زور سے کہا:

''وہ جدوجہد کر رہے ہیں کیونکہ ابھی بھی ان کے جسم میں ایک غیر معمولی قوت برداشت ہے۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ آپ لوگ وہاں سے اس لڑکی کو فوراً باہر نکالیں۔ اسے باہر اس لیے نکالیں تاکہ یہ بزرگ اسے دیکھ سکے۔''

کرنل کو کچھ کچھ ہوش آیا لیکن گورنر اور وزیروں سے نہ ملنے کے عہد پر وہ قائم رہا۔ کسی بہانے فادر مارسیلین اسے ایک بار دیکھنے آئے۔ وہ دروازہ بند کر کے بزرگ آدمی کے ساتھ اکیلے رہے۔ دون آلیکھاندرینو کو سانس لینے میں تکلیف ہو رہی تھی۔ اس نے ناامیدی سے بھری نظروں سے پادری کو دیکھا۔ اپنے کانپتے ہاتھ سے اس نے اپنی میز کی دراز سے ایک سستی کتاب نکالی۔ اس نے پہلا صفحہ کھولا اور اپنی پوری طاقت کے ساتھ اسے پادری کو تھما دیا۔ مارسیلن نے پڑھا۔ چھپے ہوئے حروف...... ''بوڑھا آدمی اور سمندر'' کے نیچے ویرونیکا نے اپنی تحریر میں گوریا جیسے لفظوں میں لکھا تھا۔

''دادو! چاہے جو ہو جائے میرے لیے ان سے بھیک مت مانگنا!''

شنبہ پاک کا دن۔ ویرونیکا نے قید میں تین مہینے پورے کر لیے تھے۔ آدھی رات کے آس پاس اس نے اپنے سینے میں کافی جکڑن محسوس کی۔ اسے یہ یاد آیا کہ جنگ کے دوران دادا نے کیسے ایک جوان فرانسیسی نامہ نگار کو انٹرویو کرنے کی اجازت دی تھی۔

''آپ عزت و اقبال کی دہلیز پر ہیں۔'' اس جوان نے زوردار تقریر کے ساتھ ساتھ رم باؤ (Rambaud) کا ایک اقتباس بھی پیچ دیا۔ کرنل نے پہلے تو اسے بولنے دیا اور پھر کہا۔

''میں بکریاں کیوں خریدوں اگر میں جلدی مرنے والا ہوں؟''

''کیا یہ بھی رم باڈ کا ہے؟''
جوان نامہ نگار نے پوچھا۔
''نہیں سب کچھ کے باجود، وہ بڑی فوج کے محض ایک کپتان کا بیٹا تھا جو ایک معمولی فوجی ہوتا ہے۔ آپ جانتے ہیں نا؟ وہ مجھ سے چاکو کے ایک اصل باشندے ماتا کو نے کہا تھا۔ میں اور بکریاں کیوں خریدوں اگر میں بھی مرنے والا ہوں! وہاں کے کئی ماتا کو خودکشی کرتے ہیں۔ آپ جانتے ہیں؟ لیکن میں نے آپ کو یہ فرنچ میں کہا تھا کہ آپ کو سننے میں زیادہ مہذب لگے۔ ٹھیک بات ہے نا؟''
اس فرانسیسی نے اسے تھوڑی حیرانی سے دیکھا جب کرنل نے اسے خالص شیری کا ایک گلاس پیش کیا۔

ایسٹر کی رات۔ ویرونیکا کو پتا چلا کہ بکریاں شکر خوروں میں بدل گئی تھیں۔ ایک سارجنٹ نے اسے جگانے کے لیے اس کی پسلیوں میں لات ماری۔ پھر جھکڑی ڈال کر دھکیلتے ہوئے اور رائفل کی بٹ سے مارتے ہوئے اپنے باس کے دفتر میں لے گیا۔ ویرونیکا دفتر میں داخل ہوئی اور تکلیف کے ساتھ باس کے دفتر کی دیواروں پر لگے ملک کے آئین کے صفحوں کی سچائی بھی دیکھنے لگی۔ باس نے اس سے کہا کہ اس کی رہائی کا حکم ہوگیا ہے۔ پھر وہ غرّا کر بولا:
''لیکن صرف اس وجہ سے کہ تمھارے گھر میں موت ہوئی ہے۔ اگر تمھاری بکواس جاری رہی تو ہم تمھارا پیچھا نہیں چھوڑیں گے اور تمھیں پھر گرفتار کر سکتے ہیں۔''
ویرونیکا کافی کمزور تھی اور شدید درد میں مبتلا تھی۔ اس نے ایک ٹیکسی روکی اور دفن کے وقت تک پہنچ گئی۔

قبرستان سے واپسی پر دونا ارینتینا نے ان تھوڑے سے دوستوں اور رشتہ داروں کو چائے پلائی جو وہاں ان کے ساتھ گئے تھے۔ فادر مارسیلین نے ویرونیکا کی بانہیں تھامیں اور اسے دھیرے دھیرے اس باغیچے تک لے گیا جہاں کرنل اپنے جیرینیم کے پودوں سے زور زور سے باتیں کیا کرتا تھا۔ بھاپ نکلتے پیالے کو ہاتھ میں لئے، پادری عطر اور 'ماتے' کی تیز خوشبو کے ساتھ ویرونیکا کے پاس گیا اور اس کے کان میں سرگوشی کی۔
''میں نے اس سے کہا حوصلے سے کام لو۔ آلیکھاندرینو اس عمر میں سابق جنگجو کانپ کیوں رہا ہے؟ اس نے مجھ سے بات نہیں کرنی چاہی لیکن کل اپنے آخری وقت میں اس نے مجھ سے کہا کہ 'ایسا ہے کہ

اب وہ درد میرا رہا ہی نہیں!''

تب ویرونیکا کو علم ہوا کہ اسے لکھے ہوئے لفظ کو قبول کرنا چاہیے...... ایک ناتواں، بار سے آزاد فن کی طرح! بکریوں سے خالی، روایتی لفاظی سے عاری لیکن نرمی، فراخدلی اور شجاعت سے عاری نہیں! وہ کرنل کے کمرے میں گئی جہاں ابھی بھی عطر کی خوشبو موجود تھی اور قسم کھائی کہ وہ اس کہانی کو ضرور لکھے گی۔

جس وقت وہ ہر کرسی، میز، کتاب اور تصویر کے ہر ایک فریم پر اپنی انگلی پھیر رہی تھی بیڈروم کے دروازے پر اس نے اپنی دادی کی میٹھی آواز سنی۔ اس نے کہا کہ آماپولا اسے کچھ کاغذات دینا چاہتی ہے۔

□□□

باب:2

انسپکٹر سومائیا نے پوچھا۔

''نام؟''

''سولیداد مونتو یا سانا بریا گنتیر!''

سولیداد نے کہا اور سکریٹری نے اس کے جواب کو ٹائپ کیا۔

''عمر؟''

''سترہ''

''مقام؟''

''آپ کو پتا ہے کہ میں یہیں رہتی ہوں۔''

''ای، موئی کوریختیس!''

سومائیا نے سکریٹری کو لکھوایا اور تفتیش جاری رکھی۔

''پیشہ؟''

''اسٹوڈینٹ!''

''مجھ سے جھوٹ مت بول حرامزادی! ہم جانتے ہیں کہ پیر، بدھ اور جمعہ کو تو 'لونیسٹ' میں کام کرتی ہے۔''

''بس اپنی بیوہ ماں کی مدد کرنے کے لئے۔ دن میں میں اسکول جاتی ہوں۔''

''اچھا میری بچی، ہم تجھے گرفتار کرکے لائے ہیں اور اب تیری اندام نہانی میں ہم ایک لال گرم تار گھسانے والے ہیں اگر تو ہمیں ان تینوں باتوں کا صحیح صحیح جواب نہیں دیتی ہے تو...... تو ہم جنس پرست کیوں ہے، تو کمیونسٹ کیوں ہے اور تو اپنے آپ کو جگوار میں کیسے بدل لیتی ہے؟''

''مجھے اپنے آپ کو جگوار میں بدلنا نہیں آتا ہے۔ اگر مجھے ایسا کرنا آتا تو میں جگوار بن کر اسی وقت یہاں سے بھاگ نہیں جاتی۔''

''نہیں، کیوں کہ دروازہ مضبوط لوہے کا بنا ہے اور وہ صرف باہر سے ہی کھلتا ہے۔ تو یہ بات جانچی ہے۔ وہ آزمایا ہوا ہے۔ خیر، ہم ایک ایک سوال کے ساتھ آگے بڑھیں گے۔''

□□□

باب:3

''تمہارے بغیر بھی کل آئے گا۔ میں باغیچے کو اتنا پر بہار دیکھنا چاہتا ہوں جتنا کہ
آپ نہیں! دن کو اگتا ہوا دیکھ کر، آپ کے دل میں بہت تلخی بھرے گی کہ اس
نے آپ سے اجازت نہیں لی۔ میں تب کتنا ہنسوں گا کہ آپ کے سوچنے سے
پہلے ہی دن اُگ چکا ہوگا۔'' (چیکو بوارکے، ہالینڈ)

کوریفیس میں سردیوں سے پہلے، گنتیر اور اس کی بیوی نے پیرس میں دو دن گزارے تھے۔ ایلیسا نے پہلے سیدھے فارم پر چلنے کے لیے ہی زور دیا تھا لیکن گنتیر کچھ آرام چاہتا تھا۔ نا ٹک، مونتمارتر میں اپنے پسندیدہ دکاندار کے ساتھ سودے بازی اور ہوٹل کے کمرے میں دیر سے اٹھ کر آرک آف ٹرائے کا منظر دیکھنا چاہتا تھا۔ گنتیر کو خالص انگریزی جن کے ساتھ چینس الیسس کی مارتینی اوُبردیوس' کی وہائٹ وائن پسند تھی۔ ایلیسا کو 'سینٹ میشیل' پسند تھا۔ سالوں پہلے کورتا سارنے اسے بڑی سڑک کا راز بتایا تھا کہ سڑک کی کئی ٹائلس کے نیچے سنہری مچھلی چھپائی گئی تھی۔ لوکاس کی تو موت ہوگئی تھی لیکن ایلیسا کی تلاش جاری تھی۔ ایک کیفیٹریا کی چھت سے وہ وہاں پرانے سوربون کے میٹرو اسٹیشن پر تنگی جینز میں چھریری افریقی اور لاطینی ٹانگیں دیکھا کرتے تھے۔ خشک اور گرم شام میں سستے کیفیٹریوں میں یا وکٹر ہیوگو کی زنگ لگی داڑھی کے نیچے بے نام لوگوں کا ہجوم۔ یادداشت سے اتنی تصویریں نہیں ابھر رہی تھیں جتنی کہ پچھلی صبح کے طبق زیریں سے۔ اچھے عجائب گھروں کے مردہ تہہ خانوں میں پھینکی گئی تصویروں کی ناگہانی اور تکلیف دہ خاموشی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی گنتیر جوڑے کو دو پرانے غیر ملک میں رہنے والے دوست مل ہی گئے۔ پہلا تو ایلیسا کو سوربون میں میرسیڈس سوسا کے میوزیکل پروگرام میں گاتا ہوا ملا تھا۔ میتیو نے اس کے ساتھ وکتور کھارا (Victor Jara: چیلے کا گلوکار جس کے دونوں ہاتھ پولیس ٹارچر میں کاٹ دیئے گئے تھے، موت 1973) کا گایا گیت پیش کیا تھا۔

''تجھے کوئی جانتا نہیں، کوئی نہیں، لیکن گاتا ہوں میں تجھے ہی'' (فیدریکو گارسیا لورکا)

نہ مانول، نہ امانده سے ہوئی ملاقات کبھی۔ تیرے گھر کا تو پتا ہی نہیں۔ نہ لیٹانہ دن

میں کھانا ساتھ کھایا کبھی۔ جانتا ہوں ریکارڈ پر چھپی ٹھہری ہوئی مسکراہٹ تمھاری
اور وہ جادوئی آواز بھی۔ مرتا نہیں دیکھا تجھے کبھی۔ میں تو مر گیا تھا یوں تیرے ساتھ
ہی۔ تجھے گانے کے لیے تیری آواز نہیں ضروری۔ جیتے جی تجھے گانے کے لیے نہ
تیرا خون کبھی۔ صرف تجھے اتنا بتادوں کہ مانول ہوں میں ہی اور اماندہ ماں ہے
میری۔ میں صرف ان بوسوں کے لیے آیا۔ اپنے ہونٹ میری واپسی کے لیے رکھنا
(لوئیس سیرنودہ Luis Cernuuda 1904-1963 اسپینی شاعر) میرا نام وکتور کھارا
ہے۔ میں عظیم اور زخمی چیلے کے لیے گیت گانے کے لیے ہی پیدا ہوا۔ میری آواز
ایک ندی کی طرح تھی جو دوسری آوازوں کو بھی اپنے ساتھ بہالے چلی۔ میرا پیار
کچھ ایسا تھا جیسے دوسروں کے خوابوں کا سمندر۔ گدھ اور برف کا وقار، نرم دلی اور
انسان دوستی، کاروبار زندگی کے رنگ میں نے ہی گائے۔ میرا گٹار ٹوٹ گیا ہے۔
اس کے ٹکڑوں کو پھر سے میرے لیے جوڑو۔ گاتے ہوئے کرو میرا انتظار۔ تب میں
آپ لوگوں سے واپسی کا وعدہ کروں گا۔ اس کی لاش کی تلاشی نے انھیں حیران
کردیا کہ اس کے جسم میں تو ہے ایک بہت بڑا جسم جس میں پوری دنیا کی روح سما
جائے (Cesar Vallejo: سیسار روائے خو) انھوں نے اس کی آنکھیں نکال لیں
لیکن وہ تاروں کو دیکھتا رہا۔ انھوں نے اس کے ہونٹ کاٹ ڈالے لیکن وہ بوسہ لیتا
رہا۔ انھوں نے اس کے بازو کاٹ ڈالے لیکن وہ اسٹیڈیم میں اپنا گٹار بجاتا رہا۔
انھوں نے اس کی آواز، زبان بھی نوچ لی لیکن وہ گاتا رہا۔ گاتا رہا اور گاتا رہا۔ وہ
کھڑا رہا بہتے آنسوؤں کے نیچے، پھڑ پھڑاتے جھنڈوں کے نیچے لیکن نہیں ٹھہرا
کسی دفن ہوئی امید کے نیچے۔ وہ یہاں تھا اور وہاں بھی۔ شمال سے جنوب تک بغیر
خود سپردگی کے۔ تب جنرل کو اس کی موت کا اعلان کرنا ہی پڑا۔ لعنت ہے!

''پرندوں کی چہچہاٹ صبح کی علامت ہے'' (Nicolas Guillan : نکولاس گیئن) ڈھول اور نگاڑے
تو نہیں پڑیں گے سنائی اور نہ تمیں توپوں کی سلامی، نہیں چھاپیں گے پیغام اخبار میں، نہ کسی ٹیلی فون
ڈائریکٹری میں ہی ہوگا، تو دانتوں کے ڈاکٹر کی فہرست میں بھی نہیں اور سڑک پر بھی کوئی بڑا سا بورڈ نہیں۔
نہیں بھٹکیں گے ہم دردر۔ ہم چیخیں گے چلائیں گے بالکل نہیں۔ نہ بجے گی گھنٹی اور نہ کوئی خاص دعوت، نہ
خاص شراب کے دور۔ ہم یہ بھی نہیں سوچیں گے کہ بہار ہے یا کرسمس۔ لیکن تو ضرور گائیگا۔ اور ہم جان

جائیں گے کہ دن نکل آیا ہے۔

نہ کوے اور نہ نفرت ہٹا سکے گی مجھے تیری کمر سے (CerveraHerib Campos سرویرا اریب کانپوس 1908-1953 : پاراگوائی شاعر) اس پر ستم ڈھا سکتے ہو، ایک مہینے یا ایک لمحے میں مار بھی سکتے ہو، جکڑ دوا سے زنجیروں میں، اپنے لوگوں سے دور کردوا سے، اس کا جینا ہی دوبھر کردو، بے دخل کردوا سے، اس کا نام ہی مسخ کردو، بدنام کردو، الگ کر سکتے ہو اس کے ہاتھ کلہاڑی کی ایک چوٹ سے لیکن کسی سے نفرت کے لیے اسے مجبور نہیں کر سکتے۔

ایلیسا اسٹیج کے قریب گئی اور اگلے دن رات کے کھانے کے لیے دعوت دی۔ میتو نے خوشی سے حامی بھر لی۔

لاطینی کالونی کے پاس کسی امریکی کی طرح چکر لگاتے ہوئے گنتیر کو ایک اور بدیس میں رہنے والا ہم وطن مل گیا۔ 'لینو ونتورا' (Lino Ventura) یا کچھ اسی طرح کی فلم کی تلاش میں تھا۔ لیکن جلد ہی وہ بور ہونے لگا۔ اس نے شراب کا ایک گھونٹ لیا اور گیلریوں میں گھومنے لگا۔ ایک جگہ اسے کچھ بے چین عریاں نوجوانوں کی بھیڑ نظر آئی۔ دروازے پر ایک نوٹس لٹکا ہوا تھا جس پر لکھا ہوا تھا کہ جو بھی ٹیٹو بنوانے کا خواہش مند ہو اُسے کچھ رعایت دی جائیگی۔ مصوّر کا نام گھلنے والی سیاہی میں مردوں کے بائیں بازو اور عورتوں کے دائیں پستان پر چھاپا جائے گا۔ گنتیر نے آگے بڑھنے کے لیے اپنی کہنیوں کا سہارا لیا۔ قطار لمبی تھی۔ کچھ جوڑے بھی کھڑے تھے ایک دوسرے کو ٹٹولتے، دھکیلتے ہوئے۔ اس سے آگے ایک موٹی اطالوی عورت بے صبری سے آئیس کریم چاٹ رہی تھی۔ بیچ بیچ میں وہ آئیس کریم سے سنے اپنے ہونٹوں کو اس لاغر فرنچ لڑکی سے زور زور سے باتیں کرنے کے لیے کھولتی جو اس سے بڑی آئیس کریم کھا رہی تھی۔ گنتیر حالانکہ خود چھ فٹ لمبا تھا، دکان کے اندر تک دیکھنے کے لیے اسے اپنی گردن اونچی کرنی پڑی۔ وہیں اس نے بڑے فریم کے چشمہ والے طفل عیسیٰ مسیح جیسا پرسکون، کچھ سفید بال اور 'آرتے پاؤلیتا' کے فرنچ شمارے کی کئی نئی کاپیوں کے ساتھ لیویو آبراموکو ایک میز پر بیٹھا دیکھا۔ وہ ان کے جسم پر اپنے دستخط بنا رہا تھا۔ گنتیر اس سے اپنی زندگی میں صرف ایکبار ملا تھا جب میری لینڈ یونیورسٹی میں ایلیسا نے آبراموا ور پورتیناری پر ایک سمپوزیم رکھا تھا۔ جب گنتیر کی باری آئی تو اسے جھجھک کے ساتھ احساس ہوا کہ وہ ابھی تک کپڑے پہنے ہوئے تھا۔ لیویو آبراموکا قلم ہوا میں اٹھا ہوا تھا اور وہ خود الجھن میں پڑ گیا تھا۔ پھر اس نے گنتیر کو لکڑی کی تختی اپنے حصوں کو ڈھکنے کے لیے پکڑائی جس پر کھدا ہوا تھا 'کیروتو'۔

''میں گنتیر ہوں، آپ کو یاد ہے؟ امریکی عورت ایلیسا کا شوہر!''

برازیل کا وہ مصور پیرس میں نہیں، فرانس کے جنوب میں رہتا تھا۔ آجکل اتفاق سے وہ پیرس میں میتو کے ساتھ رہ رہا تھا۔ ان دونوں نے اگلے دن گنتیر جوڑے کے ساتھ رات کا کھانا کھایا۔ انھیں ایک چھوٹا سا ریستوراں مل گیا تھا جس میں خوب سارا شوربہ، چربی، کالے کباب اور انتڑیاں ملا کرتی تھیں۔ گنتیر نے کہا:

''یہ دعوت میری طرف سے ہے۔''

جالی پر بھنے گئے گوشت کی مہک، ماکِسا میوزک (Maxixa Music) (اگستن باریوس کی پیش کردہ والٹز نمبر تین، چوتھی طرز) اور گرم گرم پائے۔ گنتیر اس میں تھوڑا کیچپ ملاتا ہے۔

شراب والا بیرا آیا۔ گنتیر نے انگور کی فصل پر اچھی خاصی تقریر کر ڈالی۔

''دیکھ نہیں رہے ہو تم کہ لیویو اور میتو شراب نہیں پیتے ہیں؟''

انگور کی بیس سے زیادہ فصلوں کو جھیلنے کے باوجود ازدواجی زندگی کو محفوظ رکھنے والی ایلیسا نے کہا۔

کوریتیس کے باشندے میتو نے پوچھا:

''تو گھر کی کیا خبر ہے؟''

گنتیر نے کچھ جھجکتے ہوئے کہا۔

''میری معلومات ذرا تکنیکی قسم کی ہیں۔ گلی محلوں کی خبروں سے میرا کچھ لینا دینا نہیں ہے۔ وہ صرف بکواس کرنا جانتے ہیں۔''

لیویو آبرامو نے کہا:

''محض افواہیں!''

''بے خوابی کی وبا کہہ لو۔ جیسے ماکندو میں کبھی کچھ بھی نہیں ہوتا ہے۔ وقت جہاں کا تہاں ٹھہرا ہے۔ پیر کبیر کا پت جھڑ!''

''پیر کبیر کا گھنٹہ!''

ایلیسا نے چلاتے ہوئے کہا۔ موضوع کچھ کر یہہ تھا۔ اس نے سوچا لیویو سیاسی جلاوطنی کی زندگی جی رہا تھا۔ وہ اپنے ملک اور ان لوگوں کے بارے میں کیا کہہ سکتا تھا جن کی اسے یاد آتی تھی۔ وہ لوگ جواب ویسے نہیں رہے جیسے کبھی تھے؟ اس نے کہا:

''پانچو کی بھانجی جیل میں ہے۔''

سوڈا کے ساتھ شیواز کا دوگنا پیگ گنتیر نے کچھ گھبراہٹ میں پی ڈالا۔

''تیری بھانجی، اونٹ؟ آماپولا کی بیٹی؟''

میتو نے اس کا اسکولی نام لیا جو لمبے لوگوں کو مخاطب کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ کنتیر نے کہا:

''ہاں، بالکل وہی۔ دوسری کوئی بھانجی ہے ہی نہیں۔''

''آماپولا؟''

برازیل والے نے پوچھا۔''وہ بیوہ ہے! پانچو، سانابریا کا شروع کا نام کیا ہے؟'' ایلیسا نے کہا۔

''امپیلیو! لیکن لوگ اسے صرف سانابریا بلاتے تھے۔''

ایلیسا نے کہا۔

''ایک بھاری بھرکم سانڈ جیسا آدمی لیکن اس کا دل بہت کمزور ہو گیا تھا۔ کچھ سال پہلے اس کی موت ہو گئی۔ اس سے آماپولا کی حالت کافی خراب ہو گئی تھی۔ ان کی حجامت کی دکان کسی اور کی تھی۔ انھوں نے تو اسے صرف کرایے پر لیا تھا۔ گھر بھی پانچو کا ہے۔''

''اُس نے تو اُسے باہر نکال دیا ہوگا۔''

''......میرے خیال سے سانابریا پرانی وضع کا لبرل تھا۔''

میتو نے چڑھاتے ہوئے کہا۔ ایلیسا نے کہا۔

''نہیں، وہ لبرل نہیں تھا۔ وہ 'فروری تحریک' کا حمایتی تھا۔''

موسیقار بولا۔

''ہاں، تو ٹھیک ہے۔ باغی تو ہوا نا؟ فروری ہو یا مارچ، کیا فرق پڑتا ہے؟''

کنتیر نے جماہی لیتے ہوئے کہا۔

''ہاں نیم مارکسٹ اور فٹ بال کے پیچھے پاگل۔''

دون لیو یو اداس اور خاموش بیٹھا رہا۔ ایلیسا نے پھر بات شروع کی۔

''سوال یہ ہے کہ دو مہینے سے ان کی اکلوتی بیٹی جیل کے اندر ہے۔ اس پر الزام لگایا گیا ہے کہ وہ ایک کمیونسٹ اور شاعر ہے۔ وہاں ایک وسط امریکی کا قتل بھی ہوا تھا۔''

کنتیر نے کہا۔

''بے چاری آماپولا کافی دکھی ہے۔ اگلے ہفتہ لوٹتے ہوئے ہم کورینتیس جائیں گے۔ جو بھی ہو وہ میری اکلوتی بہن ہے۔''

دون لیو یو ویسے ہی خاموش رہا۔

ویٹر نے ایک میز لگائی اور ان کے لیے کھانا لگایا۔ گنتیر کے علاوہ سب نے اسٹیک کا آرڈر دیا تھا۔ گنتیر نے اپنے لئے 'رارے' منگوایا جس میں 'ز' کی آواز نکلتی ہے جو خاص کر ایل میں سکھائی جاتی تھی۔ پانی کے گلاس کے چاندی کے کناروں پر انگلیاں پھیرتے ہوئے دون لیویو نے پوچھا۔

''آپ لوگ سیدھے کورینتیس نہیں جاسکتے تھے؟ پیرس میں آپ لوگ کیا کر رہے ہیں؟''

گنتیر جوڑے نے خاموشی سے ایک دوسرے پر نظر ڈالی۔ ایلیسا مسکرا پڑی۔ گنتیر 'رارے' کھانے لگا۔

''گوشت اچھا بھنا ہوا ہے، ہے نا؟''

اس نے ایک مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ اُداس دون لیویو بچے جیسی آنکھیں لیے جواب کے انتظار میں تھا اور زندگی کے کھیل کو نہایت سنجیدگی سے دیکھ رہا تھا۔ گنتیر نے گوشت کے لقمہ کو نگلتے ہوئے کہا۔

''آخر میں پیرس کا ایک چکر ہم ہمیشہ لگا ہی لیتے ہیں۔ میں نہیں کہتا کہ لڑکی بالکل محفوظ ہاتھوں میں ہے...... لیکن ایسی کوئی فکر کی بات نہیں ہے۔''

دون لیویو کی طرف دیکھے بغیر جو ماچادو کا دوست رہ چکا تھا اور جس مصوّر کی وہ بہت تعریف کرتی تھی، ایلیسا کچھ شرماتے ہوئے بڑبڑائی۔

''ایسا نہیں ہے، پانچو! دراصل سولیداد کے خون سے رنگے انڈر ویئر گھر پہنچ رہے ہیں۔''

مصوّر نے اپنا کشیدہ کاری والا رومال آرکِڈ گلدستے کی بغل میں چھوڑا اور ایسی بے فکری سے کھڑا ہو گیا جو بے لاگ پن کے قریب تھی اور ایلیسا سے کہا:

''کھانے کے لیے شکریہ!''

پھر میتو کی طرف مڑ کر کہا۔

''میں تمھارا انتظار دروازے کے پاس کروں گا۔''

اُس برازیلین کے دور ہوتے ہی گنتیر اپنے بائیں کان سے کھیلنے لگا۔

اگر آدمی سچی جمہوریت کے ساتھ اپنے وجود کو ضم کر لے تو دنیا میں ایک ایسی چیز کا جنم ہو گا جسے بچپن میں تو سبھی نے دیکھ رکھا ہوتا ہے لیکن کسی نے اُسے چھوا نہیں ہو گا...... وہ معتبر مادرِ وطن ا (ارنسٹ بلاک :Ernst Bloch)

□□□

باب:4

میں شروعات کرتی ہوں پیار کے نام سے جس کا مطلب ہے ایک صفر سے شروعات۔ ایک منجمد خفیہ لفظ، سائرس کا ستون (سائرس زرخیزی کی رومن دیوی ہے اور ستون مردانہ عضو کی علامت)، اندھا سوس، آسمان کی دراروں میں جھولتی ہوئی کوئی شئے! متلاطم سمندر مدہوش اداس لپٹوں سے روشن راستوں کے لیے مجھے آواز دے رہا ہے۔ ایسے ہی بلند مقاموں سے تم وارد ہوئے، میری نوٹ بک کا ایک سنبرالازوال صفحہ جو بار بار دہرایا گیا، جیتی جاگتی چٹان، کھنکتی گھنٹی، ست پرچھائیں، غیر متوقع صبح۔ جب میں برف کے لامحدود تودے یا دور کے بھجن جیسی آسمان کی نیلگوں ڈھلانوں کا جائزہ لیتی ہوں اور تم ہوا کے زینے سے اترتے ہو جیسے کانپتا ہوا کوئی سمندری پھول یا کہیں دور گایا جانے والا کوئی نغمہ تب میں بغیر منزل کی راگیر میں تبدیل ہو جاتی ہوں۔ آنسو کا ایک قطرہ میرے ہونٹوں تک ڈھلک آتا ہے اور ایک گلاب اپنی نورانی مسکراہٹ چھپا لیتا ہے۔ ایک قدیم مرتبان میں پڑے بچھو کی طرح تم نازک مبہم حرکتوں میں میری موجودگی تلاش کرتے ہو لیکن میں کہیں نہیں ہوتی اور تمھیں گھیر لیتا ہے ایک اکھاڑا جہاں ہوتی ہیں ناپاک روحیں، اندھیرے میں اڑان بھرتے باز، مدھم مدھم ٹپکتا ہوا خون جیسے ڈھیلا ڈھالا بادبان، سرد مہر آنکھوں والا کوبرا، گھونگھے، اجتماعی اداسی کی یادیں، اپنے بینگنی ہونٹوں میں لپک لینے والا گدھا، لوہے کی آنکھیں اور تمھاری روح کو نرمی سے مس کرتی ہوئی ہوا۔ پرتپاک عکس، عورت کا ملائم اسپات میری طرح، خمیر، سمندر یا معمہ، سیمابی نور، آنسو مت بہاؤ کیونکہ میں تمھارے اندر ہوں اور محبت ایک دریا ہے تمھارے بدن میں رواں، ایک بوند آنسو، ایک اقرارنامہ، ایک کانٹا یا پھر وہ چراغ جسے بجھانے کا دم رخصت وقت نہیں مل سکا۔ وہ سُر کب نکلا تھا جو میرے چھوٹے سے گٹار میں کسی زخم کے نشان کی طرح گونج رہا تھا۔ یتیم یادیں پہاڑ کی بلندیوں پر چمک رہی تھیں جہاں چھوٹ گئی تھی میری جدول، میرے نقشے، میری دوات، گرمیوں کی نیلی گھڑیاں، باکرہ مریم جو میری تھی اور میری نہیں بھی، وہ بوس و کنار جو تمھارے بدن میں یوں گم ہو جاتے تھے جیسے

زندگی، وہ سکون جو آثار شناسوں کے لیے ایک معمہ ہی رہا، صابر دریائے دوزخ جہاں ماضی ہے یا پھر دکھ سے ہراساں دل، امیدوں کی گنگنی صبح، پت جھڑ کے عکس جب پتے گرتے ہیں! آئینہ ہمیں گھورتا ہے مگر وہیں کہیں راستے کے درمیان موت ہے، ہماری راہ میں حائل ایک ہاتھ، ہمارے پیاسے ہونٹوں سے جاری ایک جھرنا۔ دوسری زبانوں میں پیار کا نام کیا ہوگا اگر وہ نہیں جو تب تھا اور ہمیشہ رہے گا۔ تمہارے مکھوٹے کے پاس کون سا چہرہ ہوگا جب تمہاری ہنسی ٹھہر جائے گی اور ان کھڑکیوں کے پیچھے بارش خشک ہو جائے گی اب جبکہ ہم کسی دور سڑک پر تنہا راہگیر ہیں۔

مجھ سے باتیں کرو۔ وہ عورت کون تھی جس کے پاس میری آنکھیں ہوتی تھیں جب میں تمھیں پیار کرتی تھی اور جو میرے سخت اور اداس چہرے کی نقل اتارا کرتی تھی؟ اور جو کہتی تھی کہ بہت خوبصورت لگ رہی ہو اس سرخ چمکتے لباس میں؟ بتاؤ مجھے، وہ کون تھی؟ بتاؤ مجھے اس کے بارے میں کیونکہ تم اسے مجھ سے بہتر جانتے تھے۔ تمھارے بارے میں جب بھی سوچتی ہوں میں بن جاتی ہوں جگوار، ملائمیت اور شادمانی کا پیالہ، مستقبل کا افق، انصاف کی کبھی نہ ختم ہونے والی دہلیز، آزادی کا تمغہ، آگ اور الفاظ کی مشترکہ زمین، صاف پانی اور کامریڈوں کی آواز، بے نام تاریک جغرافیہ، بھورا کنارہ اور لال زمین۔

اور آ پہنچے گی موت آنکھوں پر پٹی باندھے، زرد چہرہ لئے، بے شکن لفظ آخر، اندھی سرحد، خلاء سے لڑھکتا ہوا ایک آنسو، کہاں چھوٹی سانس اور کہاں چھوٹے اپنے نشان! کس لیے آرہی ہو تم موت؟ آج رات بارش ہوگی۔ میں ایک عورت ہوں۔ ابھی بھی میں ایک عورت ہوں۔ میں ابھی بھی سانس لے رہی ہوں۔ جانے دو مجھے وقت اور دھند لکے کے پار۔ جہنمی کشید، مجھے پورے کا پورا نگل جاؤ! خدا نے اپنی پلکیں موند لیں ہیں، صرف موت اس کے کچھار کو پہچانتی ہے، جب کہ ایک گھڑ سوار قریب آتا ہے اور دوسرا دور ہوتا ہے۔ میں لہو سے لت پت انتظار کرتی ہوں زندگی کا، وہیں نیچے پڑے پڑے!

دوپہر کی آنکھیں اور سادہ حرف، ہر مصیبت سے میری حفاظت کرو۔ تم وہ ہو جس کے پاس میرا جسم اور میرا نام ہے۔ خود مجھ سے اور دوسروں سے میری حفاظت کرو، آسمان اور زمین سے بھی۔ چیزوں سے، گاؤں اور ملک سے، غصے اور صدمے سے کرو میری حفاظت۔ مجھے پناہ دو۔ اس پالکی میں چلا جا رہا ہے وہ پیار! روکو اسے۔ کھول دو اپنے سفید پیروں کو تاکہ دودھیا نالیاں بہہ سکیں۔ اپنی نظریں اوپر اٹھالو تاکہ موت نظر نہ آئے۔ میرا ہاتھ پکڑ لو، میری دوست! جب میں مرونگی، تارے کے سامنے ایک

خوشبودار گلاب تمھارے خشخاش والے آنگن کو سجائے گا۔ اگر میں مرجاتی ہوں تو خاموشی میں ہوا کی ایک مورتی اٹھے گی۔ اگر نہیں مرتی تو رات کی کرچیں اور بے سمت کمپاس۔ ہیرا، وجد یا ہذیان، پیلے پڑے اپنے پانی کے بلبلے، اپنے ناممکن چہرے اور اپنی لالٹین کو میرے ہاتھ بیچ دو کہ میں مرنے والی ہوں۔ میرے لیے جھیلوں، خیالی گرہن، مکمل نظم، سب کا سوانگ بھرو جو میں نہیں بن سکی۔ جنھیں میں نے ابھی نہ دیکھا، نہ چھوا، نہ سونگھا، نہ پڑھا، نہ سنا، نہ چاٹا۔ ہر ایک سالگرہ کو سلجھانا شروع کرتی ہوں کہ میں مرنے والی ہوں لیکن میں ابھی بھی پیار کر رہی ہوں۔ میری پیاری، میری زندگی، میری عورت، سب کی مادرِ وطن، ابھی بھی تمھارے ہونٹ میرے ہونٹوں پر ہیں، میں تمھاری خاطر مر رہی ہوں۔ میں جان جاؤں گی کہ تم مجھے پیار کرتی ہو کہ میری موت تمھاری اور سب کی موت ہے! ایک اجتماعی موت جو وقت کے سہارے واقع ہوئی ہے۔ خلاء کا جلتا ہوا حمل، کنول، دہلیز، وہ وقت جب دن آدمی کے دل میں ڈھلتا ہے۔ میں تمھارے اندر ہوں ٹھیک اسی طرح جس طرح ایک دن زمین کے اندر ہوں گی آنکھیں کھلی ہوئیں، ہونٹوں پر پیار، اسی جھنڈے اور اسی یاد کے ساتھ۔ اپنے شہتیروں پر اٹھائیں گے وہ میری آواز، میرا سایہ لیے چلیں گے۔ اس آسمان کو پھر سے جیت لیں گے جسے میں نے بچپن میں کھو دیا تھا...... اور میری خاموشی آدمی کی مشترکہ روح کی صدا بن جائے گی!

فرانسیسکو خاویر گنتیر اندر نہانے گیا تو حیران رہ گیا۔ سنگ مرمر، چینی مٹی اور پلیٹینم کا غسل خانہ 'بجتے پتھر' کے عہد (Age of Sounding Stone: یہاں مراد اتا یپو ڈیم سے ہے۔ گوارانی میں 'اتا یپو' کا مطلب ہے بجتا پتھر۔ اس ڈیم کی تعمیر ملک کی تکنیکی ترقی کے لیے کافی اہم مانی جاتی ہے) کی وراثت۔ گنتیر نے اپنی ورزش پوری کی۔ باسٹھ کی عمر میں بھی اس نے اپنے کو تندرست بنا رکھا تھا۔ بھاپ سے ہوا کے گرم ہونے کا انتظار اُس نے خوامخواہ ہی کیا۔ اس نے اپنے بدن پر ایک تولیہ لپیٹا اور اپنی بیوی کو پلنگ کے پائیتانے کی طرف ہیٹر رکھنے کو کہا۔ اپنے خیالوں میں گم، پیروں کے درمیان سولیداد کی نظموں کو تھامے، ایلیسا نے ہیٹر کا پلگ نکالا اور اسے گنتیر کے ہاتھوں میں تھما دیا۔ پسینے سے شرابور نائٹ گاؤن سے باہر ڈولتے اس کے کالے پستانوں کو دیکھ کر ابھی بھی کسی کے منہ میں پانی میں آ سکتا تھا۔ گنتیر نے باتھ روم کے دروازے سے ہی سنجیدہ آواز میں کہا۔

"شکریہ! مجھے لگتا ہے کہ محل میں فون کرنے کے لیے یہ وقت مناسب ہے۔ تم جانتی ہو کہ لوگ یہاں کتنا سویرے جاگ جاتے ہیں۔"

اس نے شاور میں نہانا شروع کیا۔ ایلیسا فون کی بغل میں گدے پر بیٹھ گئی۔ نوکرانی چکوترا،

ٹوسٹ، کالی کافی اور مقامی اخبارات کی ایک سنہری ٹرے کنارے پر ہی چھوڑ گئی تھی۔ ان میں ایک اخبار حکومت کا حمایتی تھا اور دو اخبار آزاد قسم کے تھے۔ گنتیر دونوں آزاد اخباروں میں نظر آیا۔ ورلڈ بینک کا چیئر مین کسی ذاتی کام سے شہر میں! بیونوس آئرس مخالف وطن دوستی کے تحت ایک اخبار نے یاد دہانی کرائی تھی کہ آنے والا اُسی جگہ پیدا ہوا تھا، وہ ابھی بھی گوارانی میں گفتگو کرتا ہے اور حد تو یہ ہے کہ اس عظیم ملک امریکا میں اپنے دفتر کے اندر خولیو گلیسیس (Julio Iglesias) کی آواز میں 'اب تم کہاں ہولڑکی' سُن کر آج بھی جذباتی ہو جاتا تھا۔ دوسرے اخبار نے کچھ سخت قسم کا تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ گنتیر ایک چوتھائی صدی تک تو امریکی تھا کیونکہ فورڈ نے اسے بخاریسٹ، رومانیہ میں سفیر مقرر کیا تھا، اس نے ویاریکا (Villarica) کی میونسپلٹی کو اپنے والدین کی قبر کی دیکھ بھال کے لیے پیسے دینے میں بھی کوتاہی کی۔ اخبار نے نارنجی رنگ کے ایک کالم میں ایلیسا کی تصویر کے ساتھ درج کیا تھا۔ ''ایلیسا دے گنتیر، پینسلوانیا میں پیدائش، مشغلہ میری لینڈ یونیورسٹی میں پروفیسر۔'' حکومت کے حمایتی اخبار میں گنتیر کی آمد کا کہیں کوئی ذکر نہیں تھا۔

ایلیسا نے کافی کا ایک گھونٹ بھرا۔ ڈیجیٹل گھڑی والے ریڈیو نے نو بجائے، اس نے فون اُٹھایا اور وہ نمبر ملایا جو گذشتہ رات جہاز سے اُترنے کے بعد اُنہیں ایک سرکاری آفیسر نے دیا تھا۔

بات چیت تین منٹ سے زیادہ نہیں ہوئی۔ گنتیر باتھ روم سے نکلا۔ تھرتھراتے ہوئے بولا ''باپ رے باپ کتنی سردی ہے۔''

ایلیسا نے کہا، ''میں نے بات کر لی۔ وہ ایک گھنٹے بعد تمھارا انتظار کرے گا۔''

جسم میں تھوڑی گرمی لانے کے لیے گنتیر نے اُچھل کود کی، انڈرویر اور موزے پہنے، پھر باتھ روم میں اپنی کنگھی تلاش کرنے لگا۔ خود کو آئینہ میں دیکھا، تقریباً پورا گنجا ہو چکا تھا۔

صرف اس کے کانوں کے اوپر سنہرے بھورے رنگ کی لٹیں جھول رہی تھیں۔ اس کے ہونٹوں اور آنکھوں کے گرد سنہری جھریاں تھیں جیسے ایک بوڑھے سمندری لٹیرے کے آہنی خدوخال۔ اس نے جلدی سے داڑھی بنائی۔ ہمیشہ کی طرح ڈھیر سارا کولون بھی لگایا۔ جلدی جلدی کپڑے پہنے۔ ٹائی باندھ کر پوچھا، ''ٹھیک لگ رہا ہوں؟''

ایلیسا نے بغیر دیکھے ہمیشہ کی طرح 'ہاں' کہہ دیا۔

''تم کیا پڑھ رہی ہو ایلیسا؟''

''بس ان اخباروں کو جو تمھارے بارے میں بات کر رہے ہیں۔''

''کیا کہہ رہے ہیں؟''

''کچھ خاص نہیں، بس تمھاری زندگی کے احوال وکوائف۔''

''لڑکی کے بارے میں کچھ نہیں ہے؟''

''نہیں، کچھ بھی نہیں۔''

''بے وقوفوں کی پوری جماعت ہے!''

''اب تمھیں کیا خبر کہ کس کے دباؤ میں ہیں وہ لوگ؟''

''دباؤ! ارے، میں یہاں اظہار ہمدردی کے لیے آیا ہوں بس!''

ایلیسا نے اخبار بند کیا اور چکوترے کو چمچے سے نکالنے لگی۔ الوداع کہتے وقت گنتیر کو اپنے منہ میں تیزاب کا ذائقہ محسوس ہوا۔ اس نے اپنے پیچھے ایلیسا کو انگریزی میں آہستہ سے کچھ بڑبڑاتے ہوئے سنا۔ وہ ایسا صرف سنجیدہ حالات میں ہی کیا کرتی تھی۔

کورینتیس کے گورنر کا کشادہ اور آرام دہ دفتر۔ اعلیٰ ذوق سے عاری، بس فوجی ستھراپن۔ تمبر میں لوکاٹ کے درختوں کی گرد سے چیختی تصویروں اور مسکراتے جنرل گالتیرے (Galtieri) کی ایک روغنی تصویر سے سجایا گیا تھا۔ سردیوں کی روشنی مٹ میلے پردوں سے چھن کر آرہی تھی۔ نیچے سے ٹریفک کی دلخراش گونج سنائی پڑ رہی تھی۔ چمڑے کی ایک بڑی آرام کرسی میں وہ آدھا دھنسا ہوا تھا اور اس کی چست درست 'دے لارینٹا' (De la renta) پتلون میں دونوں پاؤں آگے کی جانب نکلے ہوئے تھے۔ گورنر کی بات گنتیر بہت غور سے سن رہا تھا۔ اس کی ہی عمر کا ایک فربہ آدمی جو اسے ایک موٹا سا نوٹ پیڈ دکھا رہا تھا۔ گنتیر اس نوٹ پیڈ کو دیکھ تو نہیں سکتا تھا لیکن اس دوسرے آدمی کے مطابق اس پیڈ کی تحریر اور اس میں رقم نظموں سے اس لڑکی کے متعلق بہت کچھ پتا چلتا تھا۔ ایک پاگل انقلابی طالبہ (عمر اٹھارہ سال)، ماؤنواز، یہودی، آتش زنی کے لیے ذمہ دار، فری میسن (Freemason)، بددماغ لبرل مارکسسٹ جسے ماحولیات کا بھی خبط ہے، نشے کی دیوانی طوائف، ساندی نیستا (Sandinista) کی پیروکار، دہشت گرد تنظیم کی رکن، غدار اور شاعرہ۔ 'اس ملک میں سورج ایک چیخ ہے اور زندگی ایک ان کہا لفظ' (لیبیرو دے لیبیرو: ایک اطالوی شاعر)۔

تمھارے پہلو کی دوپہر کی روانی سے دور، تمھارے ہونٹوں کی جاوداں نرمی سے دور،

تمھارے خوابوں کی صابر توانائی سے دور، تمھاری صبح کے عروسی پرواز سے دور،

تمھارے پوشیدہ بدن کے اسرار سے دور، تمھارے لہو کے مضبوط قلعے سے دور،

تمھاری گلیوں کی کریہہ حیرت سے دور، تمھارے سادہ دہقانی رواجوں سے دور،

تمھاری صبحوں کے وسیع دستور سے دور، تمھاری معصومیت کے شہید کوے سے دور،
تمھارے لازوال لوک گیتوں سے دور، تمھاری دور افتادہ موروثی خاموشی سے دور،
سنترے کے درختوں، بربط اور گھنٹی سے دور، تمھاری چابک زدہ انقلابی زمین سے
دور، تمھاری آسمانی چھت کی بیکراں خلاء سے دور، تمھاری بانہوں میں لوری کے
جذبوں سے دور، تمھارے ہاتھوں کو چومنے کی لذت سے دور اور تمھارے ساتھ ساتھ
صبح کرنے کے یقین سے دور، ہم بس صبر و تحمل سے کام لیں۔

''سمندر کے کنارے میری اندھی آنکھوں کے دن، گھنٹوں ہمیشہ اسی طرح، بغیر آزادی کے دن (پال الوارد: 1895-1952 فرانسیسی شاعر جس کا اصل نام اوزین گرندیل تھا)۔ ان لٹکی گھڑیوں پر جو تمھارے وقت کو زخمی نہیں کرتی ہیں، ان بولیوں میں جو نہیں سنتی ہیں تمھارے لفظ، ان گوشوں پر جو تمھارے سائے کو نہیں دیتے ہیں پناہ، ان درختوں پر جو تمھاری گرمیوں کو نظر انداز کر دیتی ہیں، ایک ایسی جگہ پر جہاں تمھارے آنسوؤں کے خواب بھی نہیں آتے، تمھاری نیلی پلک کی یاد میں، دور دارز علاقوں میں اور برقی خلاؤں میں، اندھیرے پر تشدد بُرے خوابوں کی یاد میں، جلتی ہوئی خاموش چوٹ کے نشانوں میں، قدیم اور پاس کی چیخوں میں، گمراہ اور متفقہ کنکر پتھروں میں، تنہا اور متعدد کھنڈروں میں، تمھیں پھر سے پانے کی اُمید میں، تمھارے قدموں کے نشانوں پر حملہ بولنے سے پہلے کی شام، تمھارے آزاد سورج کے دروازے پر اور تمھاری بے لوث شفقت کی شستہ زبان میں ہم انتظار کر لیں!''

''لہو، آسمان، روئی اور اُمید کا حق ان سبھی بے گناہوں کے لیے جو شر سے نفرت کرتے ہیں (پال الوارد)۔ یہ تمھارے لیے ایک بلاوا ہے کہ تم زندگی کی آگ میں خود کو جھونک دو اور اس کے خوفناک شعلوں سے اپنے آپ کو پاک کرلو، کہ تم انسانی سمندر میں کود پڑو اور اس کی حدت میں اپنے آپ کو شناخت کرلو، کہ تم اس لطف کو ایک ہی گھونٹ میں پی ڈالو اور اس کی تکمیل میں اپنے وجود کو تیرنے دو، کہ تم ادھر گذرتے پہلے شخص کو گلے سے لگالو اور اسے اپنے ساتھ سیر کی دعوت دو، کہ تم ایک پرسکون بوسے پر سو جاؤ اور اپنے گھر کا دروازہ بند نہ کرو، کہ تم ٹوٹے خوابوں کے سبب نیم غنودگی سے سوجی ہوئی آنکھوں کے ساتھ جاگو اور پھر صبح صبح راحت کی سانس لو اور اس لڑکی کے ہلکے خراٹے بھرنے پر مسکرا بھر دو۔ بریڈ، کاپی، کتاب، ہوا، محبت کی پرواز اور اُمید پر تمھارا حق ہے۔ اس ہفتے میں پھر سے تمھارا نام پکارتی ہوں، تمھیں دنیا کے بندھن میں باندھتی ہوں۔''

''اگر ہم سوتے نہیں ہیں تو بس اُس صبح کے شکار میں جس سے ثابت ہو کہ ہم زندہ ہیں (رابرٹ

ڈسنوس)۔ بھور ہونے پر ایک خونی تاریخ اپنی نسوں کو بند کر لیگی، ایک خفیہ جلا دگمنامی جان لیگا، چند تھکے ہاتھ زندگی کا حکم دیں گے، دو بوڑھی آنکھیں خوف سے واپس لوٹ آئینگی، ایک زنگ آلود کنجی گولڈ فنچ کا پنجرہ کھولیگی، ایک آہنی دروازے کے پرخچے اُڑا دیئے جائیں گے، ایک اُداس پُتلا اپنی نفرت کا کفّارہ ادا کرے گا، ایک چوکس چمیلی سردیوں کو دور بھگا دیگی، ایک جھینگر پاگلوں کی طرح گا تا رہیگا، سورج کا الجبرا جگنو تقسیم کرے گا، ایک پگلی گلہری ہنس کر حیران کر یگی، ایک موٹا جوشیلا آدمی ناچ ناچ کر اپنی جیکٹ پسینے سے تر بتر کر لیگا، ایک سانولی خوبصورت لڑکی ایک چور کا انتخاب کرے گی (ایک خوبصورت معصومیت اس کی ٹانگوں کو لاج سے بھر دیگی)، ایک بے کرایہ بس میں ٹکٹیں بٹ رہی ہوں گی، ایک خوفناک اُتھل پتھل خوشی کو بحال کر رہی ہوگی، ہر جگہ لوگ ہی لوگ ہوں گے (دراصل ہر جگہ ہر شخص)، ہر سڑک پر، ہر جا سرکس جیسی سرمستی اور ہنگامہ، ایک حیران نوزائیدہ پیدا ہوتے ہی سوال کرے گا کہ کون سی جگہ آ پہنچا میں اتنے انتظار کے بعد...... اور تب ہم لوٹ آئیں گے!''

''لیکن ہم میں سے کوئی بھی یہاں نہیں رہیگا۔ آخری لفظ ابھی ادا ہی نہیں کیا گیا ہے (برتولت بریخت)۔ ہم سب جو یتیم بنادئے گئے، جنھیں بُھلا دیا گیا، جنھیں صعوبتیں دی گئیں، بے دخل کر دیا گیا، بدنام کیا گیا، اور جنکو جہنم، سزا، پیاس، بیماری، بوجھ اور غصہ وراثت میں ملے، جو خونخوار چور ڈاکو، آلودہ شئے اور چمکتے چاقو سے زخمی تھے، وہ جو کھنڈر اور کھنڈر کی بدحال صورت کو بدلنے کے لیے بے تاب تھے، موت کے خلاف موت سے لڑے، نفرت اور ایک غلام دل کی بے حُرمتی کے خلاف لڑے۔ کانپتے ہوئے جو ایک خفیہ کردار نبھانے، خفیہ ملاقات اور گمنامی کے لیے راضی ہوئے تھے، جو خواب دیکھا کرتے تھے ایک دائمی انسان پرور دنیا کا، حماقت اور دُکھ ختم کرنے کا، ہونٹوں کے وصال کا، جلد گھر واپسی کا، غیر محدود زندگی جینے کا، پاکیزگی، پھول، ان کہی نظم کی خاطر اس طویل دہشت ناک رات کے آخر میں...... ہم ہوں گے کامیاب!''

''میں تو بس ایک معمولی انسانی جذبے کا تقاضا کر رہا ہوں!''

''دراصل یہ ایک قانونی مسئلہ ہے۔ معاملہ ایک قابل جج کے ہاتھ میں ہے۔ اصول وضوابط کی ہم عزت کرنا چاہتے ہیں، خاص کر اقدار کا پاس تو ہونا ہی چاہیے۔''

''لیکن گورنر صاحب! رحم کرنے سے تو اقتدار کا وقار بڑھتا ہے۔ میری کبھی سیاست میں دلچسپی نہیں رہی اور ان لوگوں کی سیاست سے تو کبھی کوئی رشتہ ہی نہیں رہا ہے۔ آپ کی حکومت کو معلوم ہے کہ میں نے کبھی بھی آپ کو قرض دینے سے انکار نہیں کیا لیکن...... اب آپ ہی بتایئے کہ میں کیا

کروں؟ وہ میری غریب بیوہ بہن کی بیٹی ہے۔ مجھے نہیں خبر کہ اس لڑکی پر کیا کیا گذری ہوگی۔ میں اسے اپنے ساتھ واشنگٹن لے جانا چاہتا ہوں۔ میری بیوی ایک بڑے سکائیٹرسٹ کو جانتی ہے۔ وہ اس کا علاج کرنے کو تیار ہے۔ میں تو بس رحم کی فریاد کرر ہا ہوں۔''

''میں سمجھ رہا ہوں میرے دوست! مجھے معلوم ہے کہ آپ کتنی دور سے آئے ہیں۔ آپ وہ سب کچھ کرر ہے ہیں جو آپ کر سکتے ہیں۔ صدر کو بھی اطلاع دے دی گئی ہے۔ ہم آپ کی مدد کرنا چاہتے ہیں لیکن تھوڑا صبر سے کام لینے کی ضرورت ہے!''

''کیسے صبر کریں جبکہ اس کی ماں کو بھی اس سے ملنے کی اجازت نہیں!''

''خدا سب ٹھیک کر دیگا۔ آپ واپس امریکا جایئے۔ جنرل صاحب ابھی جنگ کے سبب مصروف ہیں اور پھر انہیں کسی بھی قسم کے دباؤ یا عجلت سے نفرت ہے۔ کچھ مشتبہ ادارے اس معاملے کو ویسے بھی خوامخواہ ہوا دے رہے ہیں۔ وہی امینسٹی (Amnesty) اور لیگ آف ہیومن رائٹس (League of Human Rights) جیسے ادارے۔ ابھی بہت ہنگامہ ہے۔ کافی شوروغل ہے۔ جب معاملہ ذرا ٹھنڈا پڑ جائے گا تو قانون اپنا فرض نبھائیگا اور انصاف مل جائے گا۔''

ایلیسا نے دروازے پر ہی کھڑے پوچھا۔ ''کیا ہوا؟''

اس کے ہاتھ میں ابھی بھی بھیگا ہوا ائبریٹر تھا۔ گنتیر نے آہستہ سے اس کے بازو پکڑے اور اندر لے گیا۔ اس نے وہسکی کے دو پیگ بنائے اور کہا۔

''اس مرتبہ سردیاں کچھ زیادہ ہی لمبی ہوں گی!''

□□□

باب:5

کرائے کی ایک وولوو میں وہ شہر میں بے مقصد گھومتا رہا۔ دھوئیں اور شیشے کے شباب سے لت پت اسپات اور المونیم کی پہاڑیاں اینٹوں کے گھروں کو ایسی حقارت سے دیکھ رہی تھیں جیسے کوئی غریب رشتے داروں کو دیکھتا ہے۔ چیونٹیوں جیسے شراب فروخت کرنے والے، دودھ بیچنے والے، ٹکٹ فروخت کرنے والے، ٹریفک انسپکٹر، سگریٹ ہاکر، اشتہار والی لڑکیاں، دکانوں کی ملازمائیں، نرسیں، مے خانوں کے گلوکار، خواتین ٹرک ڈرائیور، سفید ڈائنامائٹ کی وردی میں سرخ استانیاں، چھوٹی ننیں، بھورے اور دوسرے رنگوں میں رنڈیاں۔ ہمیشہ کی طرح عورتیں ہر طرح کا کام کیا کرتی تھیں جبکہ مرد اپنی چوتڑ کھجلاتے پھرتے تھے۔ اسے یہ سب پہلے سے ہی معلوم تھا۔ مایوسی اور تشدد کی آغوش میں اس نے نوجوان عورتوں کو اتنی تعداد میں اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ کنتیر نے سوچا کہ کم بخت سماج وادیہاں آکر رہیگا۔ دھیرے دھیرے وہ '30 فروری اسٹریٹ' جس کا نام ملک کی یوم آزادی کی عزت افزائی کے لیے رکھا گیا تھا، پر اترا جہاں چھوٹی موٹی دکانیں، قحبہ خانے اور بینک تھے۔ اسے وہ رات یاد آگئی جب وہ سولیداد کے ساتھ واشنگٹن کے اپنے گھر میں سوئمنگ پول کے کنارے بیٹھا رات کے کھانے کے بعد شراب کا لطف لے رہا تھا۔ سولیداد نے نیویارک میں پچھلی گرمیوں کے اپنے تجربات کے بارے میں اسے بتایا تھا۔ کنتیر کو وہ بات کچھ جذباتی انداز میں صاف صاف یاد آگئی۔

کنیڈی ہوائی اڈے پر میرے بیگ کو گھسیٹتے ہوئے اطیلیو نے مجھ سے کہا تھا، ''تم ابھی بھی بالکل چھوٹی سی، ننگوسی لاطینی لڑکی ہو۔ اس لیے میں تمھیں سب کچھ سکھانے جا رہا ہوں۔''

اطیلیو، چاچا اپنے شہر کا، چھوٹا قد، تانبے کا چہرہ، تقریباً پچاس کی عمر اور نیویارک میں بیس سے زیادہ برس سے قیام۔ پاپا اس کے دوست اور نائی بھی تھے۔ سیر پر اور فٹ بال میدان وہ ایک ساتھ جایا کرتے تھے۔ پاپا نے اسے لکھا تھا کہ جب تک میری انگریزی کی کلاسیں شروع نہیں ہو جاتیں اور مجھے کوئی اسکالرشپ نہیں مل جاتا وہ میری مدد کرتا رہے۔

جب ہم اس کی پرانی ہری امپالا کار میں بیٹھ رہے تھے اطیلیو نے کہا:

''جب تم گریجویٹ ہو جاؤ گی تو تم سوشل سائنس کا مطالعہ کرنا چاہو گی اور وہاں وہ مضمون ہے۔''

''ہاں مجھے ایسے لگتا ہے۔''

''ہمارے وقت میں وہاں ایسا کچھ نہیں تھا۔ ویسے اس میں ہوتا کیا ہے؟''

''دراصل سماجی مسائل، حالات اور اس طرح کی ساری باتوں کا مطالعہ کرنے کے لیے وہ ایک مکمل دستور ہے۔''

''وہ سب کوڑا کرکٹ ہے۔ وہ تو گلی کوچے میں سیکھا جا سکتا ہے۔ کتابی باتیں صرف کتابوں تک محدود ہیں۔ وہاں سوشل سائنس کبھی نہیں تھا۔ بس دوا کی دکانیں تھیں۔ تب سماجوادی سازش بھی نہیں کرتے تھے۔ میرا اپنا ایک ملازم سوشل سائنس کا مطالعہ کر رہا ہے اور وہ اگر کچھ جانتا ہے تو صرف یہ کہ میری بیئر کیسے ہڑپ جائے۔''

برانکس میں اطیلیو کا ایک گریک ریستوراں ہے۔ زیادہ تر ہسپانوی گاہک۔ ڈومینکن، پورٹو ریکن، چکانو۔ کبھی کبھی راتوں کو گھومنے والا کوئی امریکی بھی ٹپک پڑتا ہے۔ کہتے ہیں کہ اس نے وہ جگہ ایک ہندوستانی سے کچھ پیسہ قرض لے کر خریدی تھی۔ مارا کائبو کے ایک پیتھولوجسٹ کاردوسو نے جس کے ساتھ وہ ہر جمعہ کو شراب پینے جاتا تھا، اس قرض کی ضمانت دی تھی۔ اطیلیو نے مجھے بتایا کہ کریول میں ریستوراں چلانا ناممکن ہے۔ امریکی تو جائروس سینڈوچ ہی پسند کرتے ہیں۔ مبو بھی انھوں نے کبھی نہیں چکھا ہے، اور نہ کوئی پاراگوئین سوپ۔ وہ کام کی چیز ہو سکتا ہے۔ جب ہم پہلی ٹریفک لائٹ پر رکے تو میں نے اس سے کہا:

''ویسے وہاں بھی کچھ ماہرانِ سماجیات تھے۔ مثال کے طور پر آپ کے دادا، دون اگناسیوا پانے اپنے علاقے کے اہم اور معروف شخص تھے۔''

اس نے مجھ ہوندوراس میں بنا ایک کیوبائی سگار پیش کیا۔

''ارے وہ تو بس ایک نوٹنکی باز تھا۔''

''شکریہ، لیکن میں سگریٹ نہیں پیتی ہوں۔''

''تم میں کوئی بری لت نہیں ہے؟ تم بیئر تو پیتی ہو؟''

''کبھی کبھار، لیکن اس سے پیشاب بہت ہوتا ہے۔''

''امریکیوں سے ہوشیار رہنا، وہ ہرپیز میں مبتلا ہوتے ہیں جو جماع سے پھوڑا پھنسی پیدا کرنے والا ایک مرض ہے۔ امریکیوں کو سب سے زیادہ پسند ہے ٹانگیں کھولنا اور تمھیں میں زیادہ کچھ نہیں بتا

سکتا ہوں کیونکہ تم ایک لڑکی ہو۔''

اطیلیو سدابہار کنوارا ہے۔ وہ 'پینٹ ہاؤس' اور 'پلے بوائے' لیتا ہے۔ اس نے مجھے بتایا کہ حال ہی میں وہاں اس نے لاطینی امریکا کے ساحلی علاقے کے ایک شخص کا انٹرویو پڑھا تھا جس نے صرف قدیم ہسپانوی مذاق سنا کر ایک سویڈش انعام جیتا تھا۔

میں نے کہا:

''اچھا، میری ایک دوست میرا انتظار کر رہی ہے اور میری اسکالرشپ صرف ڈیڑھ مہینے تک کی ہے، اس لیے مجھے نہیں معلوم کہ میرے پاس ان سب کے لیے وقت ہوگا بھی یا نہیں۔''

''ایسا ہے کہ ہم وہ چھوٹا سا، پیارا سا کتا ہیں جسے ایک ٹکڑے کے لیے بھی دُم ہلانے میں دیر نہیں لگتی ہے اور تم تمام وقت پڑھائی کرنے سے تو رہی۔ اس کے علاوہ، حرج کیا ہے؟ پھر جو اچھا وقت تم نے گزار لیا، اسے تم سے کوئی چھین نہیں سکتا ہے۔ لیکن یہ دھیان رہے کہ وہ ایک کنڈوم کا استعمال ضرور کرے۔''

اس وقت ہم برکلن برج پار کر رہے تھے۔ اطیلیو نے مجھے کنکھیوں سے یہ جاننے کے لیے دیکھا کہ میں کچھ متاثر ہوئی کہ نہیں۔ اس نے ایک ٹھنڈی سی سانس لی۔

''بیونوس آئرس کی طرح، یہ شہر بھی بہت بڑا ہے۔ صرف ان حرامی ارجنٹینیوں کے علاوہ تقریباً کوئی بھی انگریزی یا گوارانی نہیں بولتا ہے۔ صرف اسپینش میں کام چلانا پڑتا ہے۔''

جب ہم وہاں پہنچے تو اپنے ریستوراں میں اوپر کا کمرہ اس نے مجھے دے دیا جہاں وہ خود بھی سویا کرتا تھا۔ اگست کی اچھی خاصی نمی کی وجہ مجھے بتائی۔ کچھ یقین دلاتے ہوئے اس نے کہا۔

''اے سی کام نہیں کر رہا ہے لیکن سوموار کو وہ اسے ٹھیک کر دیں گے۔''

بس، میں نے ایک شاور لیا اور نیچے ریستوراں میں چلی گئی۔ چونکہ یہ سنیچر کا دن تھا، اس لیے جگہ بھری ہوئی تھی۔ گاہک کھا رہے تھے، بحث کر رہے تھے، بیئر کو پانی کی طرح بہا رہے تھے، بلیئرڈ کی پرانی چرمراتی ٹیبل کے کنارے بوتلوں کا توازن بنا رہے تھے جبکہ ٹی وی پر شیونگ کریم، ڈٹرجینٹ، بیما، کتوں کے کھانے، ٹونا اور میونیز کے اشتہارات کی برسات ہو رہی تھی۔ اپنے کان کے پیچھے ایک بک پین لگائے، اطیلیو نقدی کی نگرانی کر رہا تھا اور ساتھ ہی باورچی خانے میں پیلی مونچھوں والی موٹی میکسکن عورت کے ذریعہ تلے گئے کھانے کی پلیٹوں کو ایک مریل سیاہ ویٹر کو پکڑا رہا تھا جس نے بیئر میں مہارت حاصل کی ہوئی تھی اور ہر قسم کی سماجیات کی ایسی تیسی کر رکھی تھی۔ اطیلیو نے مجھے ٹائیلٹ کے پاس کی ایک میز پر بٹھایا (جہاں پر پائن فریشنر کی بو آ رہی تھی)۔ وہ ایک ٹرے میں گوشت، فرنچ

فرائز، سلاد، یونانی بریڈ اور ایک ٹھنڈے مشروب کا مگ لے کر آیا اور اسے میرے سامنے بڑے سرخ چوخانی میز پوش پر رکھ دیا۔ ٹرے دیکھ کر مجھے بھوک لگ گئی۔

''تو وہاں فٹ بال میں کیا کچھ نیا ہے۔ لمبے عرصے سے میں کھیل دیکھنے نہیں جا پایا۔''

''آرووا اسپین گیا اور امیر ہو گیا۔ برازیل میں تو اسے دوسرا پیلے کہتے تھے! ہم یہی سمجھتے ہیں کہ وہ تو گانڈو تھا۔ تصور کر سکتی ہو؟ سچ سچ سب کچھ بالکل ویسے ہی چل رہا ہے۔''

''ٹھیک ہے۔ فرانخا نیگرا لاطینی امریکا کے چمپیئن تو نکلے۔''

''اس سے مجھ میں کوئی جوش پیدا نہیں ہوتا۔ فرانخا نیگرا ٹیم تو فوجیوں کی ہے۔''

''مبالغہ بازی بھی نہیں کرنی چاہئے، دون اطیلیو۔ یہ رویہ بالکل طرف داری والا ہے جو بلاوجہ ہمیں تقسیم کرتا ہے۔ جو کوئی میرے ساتھ نہیں ہے وہ میرے خلاف ہے۔''

''تم تو بالکل فلسفی ہو گئی ہو۔ تم کمپیوٹر سیکھ لو۔ مستقبل کا سائنس۔ اس موقع کا فائدہ اٹھا لو نہیں تو بھوک سے بلکنا پڑے گا۔ پاگل لڑکیاں ہی زیادہ بچے پیدا کر رہی ہیں۔ تم اس غیر ملکی پیسے سے کچھ ڈھنگ کی پڑھائی کرو۔''

''لیکن وہاں تو لوگوں کی ضرورت ہے۔ سب کچھ تو لوگوں سے خالی ہو گیا ہے۔''

''یا خدا رحم! تم خواب دیکھنے کے علاوہ کچھ نہیں کرتی ہو، بالکل اپنے بوڑھے باپ کی طرح۔ کیا آدمی تھا سانابریا! تمھارا وہ کم بخت کمیونسٹ باپ!''

''وہ کمیونسٹ نہیں تھے، دون اطیلیو۔ وہ ہمیشہ 'فروری تحریک' کے ساتھ رہے۔''

''دوسرے لفظوں میں کمیونسٹ۔ کنڈلی کومت لا بیچ میں۔ نیلا ہے یا لال، نام رکھنے سے کیا ہونے والا ہے؟ تمھارا بوڑھا باپ، وہ یقیناً ایک عظیم آدمی تھا۔ میں اس سے بہت پیار کرتا تھا۔''

''شکریہ، لیکن میں آپ کو بتا رہی ہوں کہ وہ کوئی کمیونسٹ نہیں تھے۔ وہ ماس وغیرہ میں بھی شامل ہوتے تھے۔ پچھلی کانفرنس میں دون الارا کو اپنا ووٹ دیا تھا۔ آپ ریڈیکل پارٹی میں ہیں؟''

''دھت!''

''تو پھر کولورادو پارٹی میں؟''

''کبھی نہیں، میں تو سیررو کا حامی ہوں''

''دون اطیلیو، وہ تو کوئی پارٹی نہیں ہے۔ سیررو تو ایک فٹبال کلب ہے اور اگر ہم آپ کی ہی دلیل مانیں تو آپ بھی ایک بولشویک ہی ہوئے۔''

''کافی ضدی ہو۔ کیا تم نے کبھی عظیم آدریانو کے بارے میں نہیں سنا؟ نیلے اور سندوری سرخ

رنگ (یہ سیر روز کی بنیان اور پاراگوائی کے جھنڈے کے رنگ ہیں) کا ایجاد اس نے رنگوں پر جھگڑنے سے بچنے کے لیے کیا تھا۔''

''اس کے بارے میں کچھ سنا تو ہے۔ فی الحال تم اس کے بارے میں بھول جاؤ اور کھانا کھاؤ۔ تمھیں جائروس پسند نہیں ہے؟ تمھیں میں '42 اسٹریٹ' دکھانے لے جاؤں گا۔ آج سنیچر ہے اور حالات بہت خراب ہوں گے۔ کیا سیاہ قحبہ خانہ ہے...... اور سوچو کہ کوچ سب کی کایا پلٹ کرنا چاہتا ہے۔''

''یہ بہت مزیدار ہے، دون اطیلیو۔ شکریہ، لیکن میں بہت تھک گئی ہوں۔ اب تو بستر میں گھسنے سے بہتر کچھ ہوگا ہی نہیں۔''

''تمھارے کمرے میں میں نے ایک ٹی وی لگا دیا ہے۔ آج روبرٹ کا بانیاس (پیراگوائی کا مشہور فٹ بال کھلاڑی، جو امریکا میں کھیلتا ہے) کا ایک کھیل مکمل طور پر اسپینش میں دکھایا جائے گا۔''

''شکریہ، لیکن میں انگریزی کی مشق کرنا چاہتی ہوں۔''

''تو ایچ بی او دیکھو۔ 'تارزن دی ایپ مین'۔ انتہائی پرکشش بوڈریک، بھلے ہی اس کی چوتڑ چھوٹی ہے...... اچھا، تم نے انگریزی کہاں سیکھی تھی؟''

''سفارت خانے کے ثقافتی مرکز میں۔''

''اب وہاں کیا وہ انگریزی سکھاتے ہیں؟ ہمارے وقت میں تو وہاں تیوہار منائے جاتے تھے۔ تین یہودی بنا گٹار بجائے کچھ گوارانی گیت گاتے تھے اور ایک امریکی بالالائیکا بجاتا تھا۔''

''میں نہیں جانتی کہ تب کیسا رہا ہوگا، اب وہ انگریزی سکھاتے ہیں۔ اور ساتھ ہی توفل کے امتحان کی تیاری کرواتے ہیں۔''

''کچھ کرنے بھر کے لیے کرتے ہیں۔ ایک سامراجی بکواس۔''

''لیکن آپ تو ایک ترقی پسند شخص ہیں!''

''ہاں تھوڑا بہت، زیادہ نہیں۔ پچھلے سال میرے پاس ایک ٹویٹا تھی، اب ایک امپالا ہے''

''میرا مطلب سامراجیت سے تھا۔ قدرتی طور پر، وہاں ایسے حالات ہیں۔''

''اس کا مطلب ہے امیلیانو کو گٹار کے بجائے بالالائیکا پر بجایا جائے۔''

''ایک روسی آلہ ہی تو ہے۔''

''یہی تو میں کہہ رہا تھا...... بس، ایک سیکنڈ...... اس حرامزادے کو اٹھا کر باہر پھینکنا ہوگا۔ یہ کالا کلوٹا دیتنامی ہاتھی اپنے آپ کو سمجھتا کیا ہے کہ وہ جب مرضی ہو مفت کی شراب پی کر چلتا بنے۔''

دہائیوں سے نیویارک کے جرائم کی دنیا میں پنپے اس موٹے چالاک کریول چوہے کے اصولوں

کو مجھے اگلے تین ہفتوں تک جھیلنا پڑا۔ آخر میں اسکول نے میرا بندوبست ایک تائیوانی کے کمرے میں کر دیا۔ اطیلیو سے میں فون پر بات کر لیتی تھی لیکن کورس کے اختتام سے قبل میں اس سے مل نہیں سکی۔ میں ریستوراں میں ہی اسے الوداع کہنے چلی گئی۔ وہ تقریباً خالی تھا۔ اسپیکر میں ملتون ناسیمی انتو (برازیل کا ایک مشہور نغمہ نگار اور گلوکار) کا سامبا زور زور سے بج رہا تھا۔ اطیلیو نے اپنی بانہیں آگے بڑھائیں۔

''تو تم نے نہ رکنے کا فیصلہ کر ہی لیا۔''

''میں نہیں جانتی، دون اطیلیو۔ یہاں سب کچھ دلکش تو تھا، لیکن وہاں میرے لوگ ہیں۔''

''بہت افسوس ہوتا ہے۔ کون جانتا ہے کہ سماجیات کا مطالعہ کرنے والی لڑکی کے ساتھ وہاں کیا ہونے والا ہے۔ خیر، وہاں کم سے کم تمھارے والد کا اپنا روزگار تو ہے۔ کیا تم بھی حجام کی دکان پر کام کرو گی؟''

''نہیں، دراصل پاپا نے کبھی مجھے سکھایا نہیں۔ وہ چاہتے تھے کہ میں اور زیادہ بڑے خواب دیکھوں۔''

''تم ڈاکٹری پڑھ سکتی تھی۔ ڈاکٹر کبھی بھوکے نہیں مر سکتے ہیں۔ تم یہاں بہت پیسے کما سکتی تھی یہاں تک کہ تم کمارو کا بھی لطف لے سکتی تھی۔''

''دون اطیلیو، آپ کیوں نہیں واپس چلتے؟ اگر آپ ریستوراں فروخت کر دیں ...... ڈالر ابھی بہت مضبوط ہے...... تو آپ کو بہت اچھا پیسہ مل سکتا ہے۔''

''میرا اب اپنا کوئی ملک ہے ہی نہیں، جیسا کہ آرتی گاس (خوصے خیرواسیو آرتی گاس، 1764-1850، اروگوائی کی تحریک آزادی کا لیڈر) نے کہا تھا۔ گیٹے ادارہ کے سامنے اس کی مورتی تمھیں اچھی لگتی ہے؟ رودو کے مجسمے کی کس کو ضرورت ہے، ہے نا؟ اس پر ایک بھی چڑیا نہیں ہے۔ آرتی گاس پر پنکھ ہی پنکھ ہیں۔ وہ جگوار کی مورتی! کیا خوب! ...... سارے پرندے سر پر پیخانہ کرتے ہیں، سارے کتے اس پر پیشاب کرتے ہیں، وہ اکیلا کبھی نہیں ہے!''

وہ کچھ نشے میں تھا۔ اندھیرا ہونے تک اس کی خود کلامی جاری رہی، لیکن مجھے کوئی جلدی نہیں تھی۔ میں نے ویسے بھی سب کچھ پیک کر لیا تھا۔ آخر میں وہ رو پڑا۔ ناقابل یقین! میں نے اس طرح ایک آدمی کو پہلے کبھی روتے ہوئے نہیں دیکھا اور خاص کر ایک پاراگوائین کو! موٹی عورت ہمیں حقارت سے دیکھ رہی تھی جبکہ وہ سیاہ فام ہنس رہا تھا اور اپنے پیروں سے ایک دھن نکال رہا تھا۔ میں نے پوچھا:

''دون اطیلیو، کیا میں آپ کی کچھ مدد کر سکتی ہوں؟''

اس نے تقریباً چودہ نیپکن پیپر سے اپنی آنکھیں صاف کیں، اپنا سر ہلا کر منع کیا اور تھوڑی دیر تک بالکل خاموش رہا۔ آخر میں اس کی نئی کمارو میں بیٹھ گئی جو اس دن پہلی بار سڑک پر اتری تھی۔ میں نے اس سے کہا کہ 'اسٹیچو آف لبرٹی' پہلے ہی دیکھ چکی ہوں اور اس حالت میں گاڑی چلانا کوئی سمجھداری کی بات نہیں ہوگی۔ میں نہیں جانتی کہ ہم وہاں تک کیسے پہنچے۔ مجھے جو یاد ہے وہ یہ کہ وہ پسینہ پسینہ ہو رہا تھا اور اس کے بدن سے بیئر کی بو آ رہی تھی۔ بیئر کے ٹھنڈے ڈبے کو وہ اپنی پیشانی پر رگڑ رہا تھا۔ اشارے سے آسمان کی طرف جلتی ہوئی پتھر کی مشعل کو دکھاتے ہوئے اس نے مجھ سے کہا:

''سفر خوشگوار ہو، پیاری...... اور مجھے معاف کر دینا۔ تمھیں یاد نہیں رہا کہ آج 30 فروری ہے!''

□□□

باب 6:

ہفتے آئے اور گئے۔ آماپولا کپڑے اٹھا لیتی اور انھیں گھر لا کر دھوتی۔ ان میں اکثر اسے نظمیں رکھی ملتی تھیں۔

''آپ تو ادب پڑھتی ہیں؟''

وہ انھیں ایلیسا کو دے دیتی تھی۔ ایک دن وہ انھیں بہت منہمک ہو کر پڑھ رہی تھی۔ درمیان میں ہی اس نے بند کر دیا اور انھیں آماپولا کو لوٹا دیا۔

''یہ کسی محبوبہ کے لیے ہوں گی!''

جذباتی ہو کر وہ بڑبڑائی۔

اس بیچ ایک اوسط درجے، چھوٹے قد کا چوکس آدمی جو اسی کے قریب معلوم ہوتا تھا اور کسی لاطینی نژاد کھوٹے سا بے عیب لگتا تھا، بیونس آئرس میں گنتیر کے لیے خاطر داری کچھ اس طرح کر رہا تھا جیسے ایک انجان پادری پوپ کا استقبال کرتا ہے۔ سانس کی تکلیف کے سبب لمبی لمبی سانس لیتے ہوئے، اپنے آفس میں بیٹھے بیٹھے اس نے کہا:

''بحران کا بھی بندوبست ہو جاتا ہے۔ مالی فائدے میں کمی دو ملکی اداروں کے ذریعہ انوسٹمنٹ میں گراوٹ کی وجہ سے ہے۔ اور ہاں، شاید ایک چھوٹی وجہ ناکافی غیر ملکی انوسٹمنٹ بھی ہے۔''

گنتیر نے کہا:

''ایک چھوٹی وجہ؟ کیا آپ کو لگتا ہے کہ میں اعداد و شمار کو پڑھتا ہی نہیں ہوں؟ لوگ تجارتی خسارے کو ایک برس اور جھیل نہیں پائیں گے۔ کیوں، ٹھیک ہے نا؟ نتیجتاً سرکاری بجٹ کی افراط زر فنانسنگ کے توازن کو بگاڑ دے گی۔ ذرا آپ ہی سوچئے کہ 1980 میں مجموعی اندرونی سرمایہ کاری میں جی این پی کی حصہ داری تیس فیصد تھی۔''

''تمیں اعشاریہ پانچ!''

اپنی کمزور فالج زدہ انگلیوں کے بیچ اس سونے کے پارکر قلم کی چمک سے کھیلتے ہوئے جس پر اس کا نام کندہ تھا اور جو اسے گنتیر نے دیا تھا، وہ پرانی ناتواں یادوں تلے بڑبڑایا۔

ایسے ہی ہیں یہ دن جن میں وقت کراہ رہا ہے، جب پیلی پڑی یادوں کی طرح صفر بھی بادبانی کر رہا ہے، جب بادل کالے آنسو بہا رہے ہیں اور ریڈیو ایک اکیلا، اداس اور تلخی سے بھرا شور بن کر رہ گیا ہے۔ میرے پاس اب نہ کوئی یاد بچی ہے اور نہ امید۔ میں نے تو اب سب سے دور صرف اپنے ہی اردگرد لنگر ڈال دیا ہے۔ اپنے سائے سے بھی بات کرنے کے لیے آواز نہیں بچی ہے۔ لفظ تلخی سے بھرے ہوئے ہیں اور سخت ہیں، بالکل تمھاری طرح۔ ہمیشہ تمھارا نام لیتے ہیں۔ پیار پھر کیسے ممکن ہے جب وہ ہمیں جدا کر دیتے ہیں اس تشدد، لمبے وقفے اور برائی کے ذریعہ؟ اپنے تھوڑے سے بوسوں سے، آتے جاتے یا بیٹھنے میں ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے ہوئے، خاموشی اور اشاروں کو بانٹتے ہوئے ہم کسی کو کیا تکلیف دیتے ہیں؟ پیار پھر کیسے ممکن ہے جب یہاں صرف ایک کھڑکی ہے جس میں ہوا خاموش ہے اور قدرتی مناظر ایک مکمل بھورے رنگ کے پتھر کی طرح قید ہیں؟ پیار پھر کیسے ممکن ہے جب فٹ پاتھ، چوک، دوپہر، معجزہ اور آسان گفتگو ہی باقی نہیں رہی ہے؟

پیار پھر کیسے ممکن ہے جب دن ایسے گزریں بغیر حرکت و عمل کے اور ہم اپنی طرف بھی نہ نکل سکیں؟ اس چھوٹی پیاری آزادی کی طرف (مجھے نہیں معلوم کیسے) جو ابھی بھی دھڑکتی ہے اس باڑے میں جو کسی کا نہیں ہے اور جہاں نہ موسیقی ہے اور نہ ہاتھ! ایسے ہی ہیں یہ دن جن میں وقت کراہ رہا ہے۔ میں خاموشی میں بھی تمھارا تصور کرتی ہوں۔ بس انتظار ہی انتظار! اس غنودگی اور خوفناک خواب کے ماحول میں بھی سوچتی ہوں کہ تم بھی تکلیف میں ہو۔ تمھارے بھی ہاتھ خالی، لیکن صرف میرے ساتھ میری یادوں میں۔ میرے بالکل پاس تمام آنسوؤں کے باوجود۔ پیار پھر کیسے ممکن ہے جبکہ آج اتوار ہے اور ہم کھلی ہوا میں ساتھ ساتھ دوڑ بھی نہیں سکتے؟ پیار پھر کیسے ممکن ہے جب

اس غیر حاضری کے باوجود سوموار کی صبح ہوگی ان بند دروازوں کے ساتھ؟ ایسے
ہی ہیں یہ دن جن میں وقت کراہ رہا ہے۔ میرے پاس لفظ نہیں ہیں۔ ہیں تو
صرف درد اور خاموشی کے چند لفظ، صرف زنگ آلود قبضوں کے دن! صرف یہ
ناختم ہونے والی تکلیف دہ تنہائی، صرف یہ وقت جن میں دن کراہ رہے ہیں۔

''ایسا لگتا ہے کہ اندرونی قرض کے معاہدوں کی تلاش کے علاوہ کوئی متبادل بچا نہیں ہے۔ اور ہاں، باہری قرض بھی...... اگر عام اخراجات کے لیے ہماری موجودہ آمدنی کافی نہیں ہے تو!''

سرکاری طور پر اسمگلنگ کی ہوانا سگار جلاتے ہوئے گنتیر گرجا!

''میں اعداد و شمار کے بغیر کچھ نہیں کہتا''

''ہم نے حساب لگایا ہے کہ کل آمدنی نوے ارب کے نیچے ہوگی...... شاید نواسی ارب۔''

''یہ کُل سرمایے کا کتنا فیصد ہوگا؟''

''اوہ، تقریباً سولہ ارب۔''

گنتیر بھونکا۔

''اٹھارہ فیصد۔ پچھلے سال کی پیشن گوئی کے دوگنے سے بھی زیادہ''

''سینٹرل بینک میں جمع کُل وسائل کی بنیاد پر وزارت خزانہ نے اس فرق کا اندازہ لگایا، یا تو پیشگی ادائیگی کی شکل میں یا بانڈ کی شکل میں۔''

دھوئیں کے چھلّے بناتے ہوئے گنتیر ہنسا۔ دوسرے آدمی نے اسے مایوس آنکھوں سے دیکھا۔

''تو آپ کیا کہتے ہیں، ہمیں کیا کرنا چاہیے؟ یہ تو ظاہر ہی ہے کہ منصوبوں کے ذریعہ باہری قرض میں اضافہ کرنے میں ہمیں ناکامیوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے کیونکہ ان منصوبوں کی منظوری اوسط اور لمبی مدت کے قرض معتدل شرح پر دینے والے بینکوں کے ذمّے ہے۔ بجٹ کے گھاٹے میں مدد نہ کرنے کی اس بے تکی سوچ کے گنہگار تو آپ ہی ہیں۔ آج کل عالمی بینک میں یہی رواج ہو گیا ہے۔''

''بے تکی سوچ؟ یہ آپ مجھ سے مت کہیے۔ اگر میں وہاں نہیں ہوتا تو ہم سب دیوالیہ ہو گئے ہوتے۔ آپ لوگوں کو اور زیادہ حقیقت پسند ہونا پڑے گا۔''

اگر میرے پاس یہ پیار نہیں ہوتا تو میں اسے ڈھونڈ ہی لیتی۔ اس آگ کے بغیر
کوئی جی نہیں سکتا ہے۔ اس پیدائشی اندھے کی طرح خود کو کون دھوکہ دے سکتا

ہے جو سورج کے طلوع ہونے اور اس کی تیز روشنی کو محسوس کر لیتا ہے۔ اس پیار نے مجھے ہر مشکل کے خلاف لڑنے کی طاقت دی ہے۔ درد میں، کھمبوں سے لٹکائی گئی، دنیا سے تارک، مظلوم، بدنام، دھمکیوں سے زخمی، آوازوں اور خبروں کے بغیر ایک راز کی طرح اکیلی، گدھ سے چھپی ہوئی اور جو دن کو بھی شک کی نگاہوں سے دیکھتی ہے۔ ان لپٹوں کے بغیر کوئی جی نہیں سکتا ہے، اس ناقابل برداشت جلن کے بغیر، اس باہمی گرمی کے بغیر جو موت سے نفرت کرتی ہے، اس بہار کے بغیر جو ہماری آنکھیں کھول دیتی ہے، اس وفادار خوشبو کے بغیر جو ہمارے روئیں کو وا کر دیتی ہے، اس گونجتی ہوئی روشنی کے بغیر جو ہمارے ہونٹ کھول دیتی ہے، اس محبت کے بغیر جو زندگی کے دروازے کھول دیتی ہے......

میں تمھیں تلاش کر ہی لیتی۔ خواب میں تمھیں فجر کے تاروں اور لارک کے لباس میں دیکھتی۔ پنکھڑیوں اور بوسوں کے تاج میں، پانی کی طرح آزاد، رات کی طرح سہانی، دن کی طرح جوان اور شراب کی طرح محبوب...... تم سے محبت کرنے کے لیے میری محبوب میں پوری دنیا کھنگال ہی لونگی۔ میں نہ کسی ایسے وقت اور نہ کسی ایسی جگہ کا تصور کر سکتی ہوں جسے گیت و موسیقی سے بھرنے کے لیے تم نہ آسکو۔ اپنی بانہوں کی گرمی میں جلنے دو مجھے۔ تمھاری محبت ہی میری غذا ہے۔ تمھاری خاموش محبت میں میں نرمی سے ملی، تمھاری محبت میری آزادی کو ہوا سے زیادہ روشن کرتی ہے۔ مجھ سے یادوں کی طرح لپٹی تمھاری بانہیں اس چراغ جیسی ہیں جو اندھیرے کو دور کرتا ہے، آنسوؤں کی وہ کنجی ہے جو انھیں میری آنکھوں میں بھر دیتی ہے۔ اس نم اور لامتناہی تنہائی میں آخر میں اپنے قدموں، اپنے لفظوں اور اپنے خوابوں کو پڑھنے لگی ہوں۔ تمھیں میں اپنے آس پاس تلاش کرتی ہوں۔ ایک بار پھر، تم ہمیشہ کے لیے میری ہو۔ میں تمھیں مسکراتے ہوئے اپنی روح کی گہرائیوں میں پاتی ہوں۔ تب مجھے سب کچھ مل جاتا ہے۔ امید، زندگی، پھیلے ہوئے ہاتھ، بغیر چہار دیواری کی سردیاں، دوستی کی ناقابل فراموش ندی، تمھارے بوسے، تخلیقات اور خاموشیوں کی اٹل اور سچی ایمانداری۔ مجھے ان کھمبوں سے لٹکانا بند کرو۔ مجھ سے جھوٹ بولنا بند کرو۔

میرے جسم پر محبت کی خراشیں ڈالنا بند کرو۔ نیند میں خلل ڈالنا بند کرو۔ میں کسی کو نہیں دیکھنا چاہتی اور مجھے گھورنا بھی بند کرو۔ اس تکلیف دہ کھڑکی سے ہٹالو مجھے۔ اس روزمرہ کے آئینے سے مٹادو مجھے۔ بجھادو اب اس رات کو۔ میری زندگی لوٹادو مجھے۔ یہ پہرے داری یہاں ختم ہوگئی ہے۔ یہاں اب کوئی شاعر نہیں ہے...... یہاں اکیلے ایک قیدی، ایک عام اور دکھی عورت بڑے خلوص سے سزا کاٹ رہی ہے...... محبت کے ساتھ...... بس، انتظار میں!

''وزارت خزانہ نے حالیہ خرچ کے تخمینے میں تیرہ فیصد کمی کر دی ہے۔ سرکاری خزانہ سینٹرل بینک کا بری طرح قرض دار ہوگیا ہے اور جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ بیرونی قرض کے مقابلے میں یہ قرض کم مدت کے ہیں۔''

''ہاں اور آپ لوگ ٹیکس کو مزید بڑھانے کے جال میں پھنستے جا رہے ہیں۔''

''ہم اور کر ہی کیا سکتے ہیں گنتیر؟ کیا ہم چیزوں اور سروسز کے مقابلے میں زیادہ نوٹ چھاپیں؟''

''لیکن سرکاری خسارہ پورا کرنے میں آپ پہلے سے ہی انتہائی افراط زر سے جوجھ رہے ہیں۔''

''ٹھیک ہے...... شاید آپ کے پاس ہی کچھ کرشماتی حل ہو''

''نہیں، بالکل نہیں۔ پھر بھی، جیسے اس ملک میں میرا بھی ایک خاندان ہے...... یعنی وہاں واشنگٹن میں تھوڑا بہت چکر چلا سکتا ہوں۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ آپ لوگ انسانی مسائل کے متعلق بے حس نہیں ہیں......''

''میں یہ جانتا تھا کہ آپ اپنی بھانجی کا مسئلہ ضرور اٹھائیں گے۔ میں کچھ نہیں کرسکتا ہوں۔ میں صرف ایک نوکرشاہ ہوں، میں سیاست میں نہیں پڑتا۔''

''کیسے نہیں پڑتے؟ ایک غریب لڑکی آپ لوگوں کے لیے کوئی مطلب نہیں رکھتی؟ صرف کسی خیالی بدامنی کی وجہ سے پورے ملک کو مالی بحران میں کیوں ڈال رہے ہو؟''

''مجھے کچھ پتہ نہیں ہے گنتیر...... کوریئنٹیس میں اعلیٰ افسروں کو بھی نہیں معلوم تھا کہ تم اس کے رشتہ دار ہو۔ میری کوئی غلطی نہیں ہے۔ ہم تو پچھلے کئی سالوں سے ملتے جلتے رہے ہیں اور اب یہ مسئلہ پھنسا ہے......؟''

''یہ بات صرف ہم دونوں کے درمیان ہے...... کیا آپ کو لگتا ہے کہ وہ بے چاری لڑکی ویسی کچھ ہے جیسا کہ کہا جا رہا ہے؟''

''کیا مطلب؟''

''اوہ، کچھ عجیب سی باتیں کہی جا رہی ہیں اس کے بارے میں!''

وہ بوڑھا نوکرشاہ پرانی تھکاوٹ کے ساتھ مسکرایا۔ کچھ پریشانی کے ساتھ اس نے ٹھنڈی سانس لی کہ کہیں دمے کا تازہ دورہ نہ پڑ جائے۔ آخرکار اس نے دھیمی آواز میں کہا:

''ہاں اور...... نہیں بھی۔ اس قلم کے لیے شکریہ!''

□□□

باب:7

جب تو تو آسواگا کو معلوم ہوا کہ ایلیسا کو گگین ہیم فیلوشپ سے نوازا گیا اور جیسوئٹ بارو کے 'پر
تحقیق سے قبل کے مرحلے کو پورا کرنے کے لیے وہ کوریٹیس کے لیے نکلنے والی تھی، تو نیشنل اینڈ ومینٹ
فار دی ہیومانیٹیز (National Endowment for the Humanities) سے اسپانسر شدہ سیمینار کے
اختتامی سیشن کے لکچرار کے طور پر اس نے اسے اپنی یونیورسٹی میں دعوت دینے کا فیصلہ کیا۔ ظاہر ہے
ایلیسا کو اس بات کا اندازہ نہیں تھا کہ کوریٹیس میں کیسی کیسی پیچیدگیاں اس کا انتظار کر رہی تھیں۔
ساریا کیروگا جوڑے کی بدحالی، لارائن کی موت، سولیدادکو جیل وغیرہ۔ اس نے تو تو کی دعوت قبول کر
لی۔ حالانکہ اس نے اپنی قابلیت کی پہلے سے ہی بہت لمبی فہرست میں ایک اور اعزاز کے اضافے کے
ارادے سے ایسا نہیں کیا تھا۔ اس لمبی فہرست کو تو وہ مضحکہ خیز کہا کرتی تھی۔ بھلے ہی اوکلا ہوما وہ کبھی
نہیں گئی تھی لیکن وہاں کا سفر بھی اسے کچھ خاص دلکش نہیں لگ رہا تھا۔ وجہ ویسے کچھ اور ہی تھی۔ تو تو ان
لوگوں میں سے تھا جو باضابطہ ڈائری لکھتے ہیں۔ کبھی کبھی وہ 'ساکے ماتے' (پاراگوائی چائے) کا ایک
پتہ توڑتا اور چائے کو پیتے ہوئے اس کو لیسا کو بھیج دیتا۔

افراط زر، اعداد سے بھرا ایک برتن، جو تمھیں سینچر کو زخمی کرتا ہے، جیسے گھٹیا شراب
تمھارے جگر کو زخم دیتی ہے۔ تھوڑی دیر خاموش بیٹھنے کے لیے نہ تم اپنی یادوں کو
اکھاڑ پھینک سکتی ہو اور نہ اپنی خواہشوں کو۔ تم جانتی ہی ہو کہ ایک گلابی یا بینگنی
ووٹ سے سب کچھ ٹھیک ٹھاک نہیں کیا جا سکتا ہے، نہ اس انقلاب سے جواب
گھٹنے لگا ہے اور نہ پگلائی آمریت سے۔ تم جانتی ہی ہو کہ شاعری بھی کچھ نہیں
کر سکتی حالانکہ اس کی مہم جاری ہے۔ کوئی فرق نہیں پڑتا اگر ان کے بارے میں
باتیں نہ بھی کی جائیں تو۔ جو ضروری ہے وہ ہے ہوا۔ چھی، شام در شام مجھے خون
کی الٹیاں ہو رہی ہیں۔ رات جب ہوتی ہے تو کوئی سننے والا بھی نہیں ہوتا۔ کبھی

اپنے اپنے گھر میں سو رہے ہیں۔ کھڑکیوں پر موٹے موٹے پردے لٹکے ہیں۔
جلدی سونا ہے۔ کل کام کا ایک اور دن ہے۔ کریڈٹ کارڈ اس کا تعاقب کرتا
ہے۔ ان کے مسکراتے ہوئے چہرے اپنے فوٹو جینک دانتوں کی قطار سے %19
کا لالچ دے رہے ہیں۔ تبھی اچانک کوئی نظم تخلیق کرے گا اور کوئی کہے گا کہ
سب کچھ، بالکل سب کچھ، شاعر اور اس کے قاری کے علاوہ، جہنم میں چلا گیا۔
کھڑکی کھلی پڑی، کولہے ہوا میں، نہ کریڈٹ کارڈ اور نہ پوسٹ کارڈ۔ صرف
آسمان، ایک کٹے ہوئے تربوز جیسا لال۔ تو شاعری کیوں رہتی ہے زندہ؟
کیونکہ ہمارے لیے شاید مفت کی چیز صرف وہی بچی ہے۔

سبب یہ تھا کہ تو تو کینسر میں مبتلا تھا۔ ''سب یہی کہتے ہیں لیکن یہ بالکل بکواس ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ مجھے السر کی شکایت ہے۔''

ہوائی اڈے پر ایک زنگ لگی وین کو کھڑی دیکھ کر لیسا نے اس سے کچھ حیرانی سے پوچھا۔

''تم ریٹائر کب ہو رہے ہو؟''

''تمھیں پسند نہیں آیا یہ کباڑ جسے بچے 'کارا کاچا' کہتے ہیں؟ میں نے اسے اپنی دو خاتون دوستوں کے ساتھ شکار پر جانے کے لیے خریدا تھا۔ تم اندازہ لگا ہی سکتی ہو کہ اس سے وہ اکتا گئی ہوں گی، میں بھی اوب چکا ہوں۔ ہمیشہ اسے کم عمر کی دولڑکیاں ہی استعمال کرتی ہیں۔ کبھی کبھی مجھے لگتا ہے کہ اتنی زیادہ عمر میں شادی کر کے میں نے ایک بڑی غلطی کی ہے۔ دیکھا نہیں کہ بغیر بچوں کے تم کتنا خوش ہو؟''

''میں بچہ چاہتی تھی لیکن اب ایسے ہی عادت پڑ گئی ہے۔''

''خیر! تمھارا شوہر تمھیں خوب مانتا ہوگا۔ اس جملے کے لیے ویسے معاف کرنا۔ اتنی اچھی نوکری ہے تو اسے بالکل صحیح ساتھ ملا ہے۔ عین ممکن ہے کہ میں کسی حسد کی وجہ سے ایسا بول رہا ہوں۔ سچ مچ، تم بلا کی خوبصورت ہو۔ 'رائے روزرس' کو جانے والی یہ سڑک زیر تعمیر ہے۔ ذرا دیکھو، اسیسا سے بھی بدتر ہے۔ وہ پیسہ کہاں ڈال رہے ہیں؟ تیل کی آمدنی کے باوجود یہ جہنم کیوں بن گیا ہے؟ اور بیپسٹ لوگوں سے ٹیکس کی وصولی بھی نہیں کی جاتی ہے۔ تم تصور کر سکتی ہو کہ وہ اتنے قدامت پسند ہیں کہ آمدنی میں کمی اور جانے کس کس بہانے یونیورسٹی کے بجٹ سے بھی پیسہ نچوڑ رہے ہیں۔ ہاں، ادھر، دیکھ رہی ہو؟ 'اسٹاپ' کے اس سائن بورڈ کے بعد۔ اچھا، تو میں تم سے کیا کہہ رہا تھا؟''

''کچھ اس سڑک کے بارے میں۔''

''نہیں! تم بلا کی خوبصورت ہو۔ تم اپنے بدن کی ایسی حفاظت کیسے کر لیتی ہو۔ ہاں، بتاؤ مجھے۔ میں تم پر ڈورے ڈالنے کی کوشش نہیں کر رہا ہوں۔ اتنے سارے استقبالیہ پروگراموں میں بیگم...... سن سن کر ضرور اوب گئی ہوگی۔ کیا ہے تمھارے اس چغد کا نام؟''

''گنتیر...... تمھیں یہ اچھی طرح معلوم ہے۔''

''یہاں استقبال ہے، وہاں استقبال ہے، بیگم...... مجھے نام نہیں معلوم۔ ادھر سے، نہیں ادھر سے میڈم۔ امریکیوں کی صحت کے نام ایک جام۔ انھیں یہ دکھانا پسند ہے کہ بالآخر انھوں نے چھری اور کانٹے کا استعمال کرنا سیکھ لیا ہے۔''

''لیکن میں بھی تو ایک امریکی ہوں۔''

''ٹھیک ہے، لیکن یہ بات الگ ہے۔ میں دراصل نیم برہنہ ان بے حیا کم بختوں کی بات کر رہا ہوں جو چیونگم چباتے پھرتے ہیں۔''

''مجھے تو نہیں لگتا کہ کوئی بھی بے حیا ہے۔ اور مجھے نہیں لگتا کہ ہمیں دوسرے کا مذاق اڑانے کا حق ہے۔ بہتر ہوگا اگر ہم دوسرے کا مذاق نہ اڑائیں، ٹھیک ہے نا؟ ہم پہلے اپنے گریباں میں تو جھانک لیں۔''

''ٹھیک کہہ رہی ہو۔ تم نے تو مجھے ایک سبق ہی پڑھا دیا۔''

ایلیسا وین کی ہلکی روشنی میں کچھ شرمائی۔

''میں معافی چاہتی ہوں۔ میرے کہنے کا وہ مطلب نہیں تھا۔ مجھے ٹھیک ٹھیک معلوم نہیں ہے لیکن جانتے ہی ہو کہ میں تمھیں بہت مانتی ہوں۔ لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ کبھی کبھی تم کچھ......''

''خراب بات یہ ہے، میں نے تم سے پہلے بھی کہا ہے کہ تم فعل ممکنہ کا استعمال کبھی سیکھ ہی نہیں پاؤ گی۔'' (قواعد کی رو سے ایلیسا اپنے اسپینی جملے میں 'فعل ممکنہ' کا صحیح استعمال نہیں کرتی ہے۔)

''اوہ، بند کرو اپنی بکواس۔ خود تو تم تیس سال میں بھی انگریزی سیکھ نہیں پائے۔''

''اس کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ وہ میری عملی زبان ہے ہی نہیں۔ میرے خطوط کی زبان میری سکریٹری درست کر دیتی ہے اور نشستوں میں ہر کوئی میری غلطیوں کو بھی سمجھ لیتا ہے۔ انھوں نے مجھے صدر شعبہ منتخب کیا کیونکہ میں ہی سب سے بڑا گدھا ہوں۔ لیکن تمھیں تو سیکھنا ہی پڑے گا۔ تمھیں شرم نہیں آتی؟ تم اپنی کھچڑی اسپینی کے ساتھ پروفیسر کیسے بن گئی؟ یہی بات ہے جو میری سمجھ میں نہیں آتی ہے۔ تم نے کیسے پالیا وہ عہدہ؟ اس کم بخت جرمن کی معرفت؟''

''......''

''میرا مطلب ہے تمھارا پیارا شوہر۔''

''وہ بے چارہ تمھارے دماغ پر حاوی ہے۔''

''اب مجھے مت بتانا کہ وہ سارے استقبالیہ پروگرام تمھاری ایسی تیسی نہیں کرتے ہیں۔''

''وہ نہیں کرتے ہیں میری ایسی تیسی۔ بس کر گدھے، اب سکون سے جینے دے مجھے۔''

''ہوائی جہاز میں انھوں نے کچھ کھانے کو دیا تھا؟''

''ایک تاپا، صرف ایک سینڈوچ۔''

''مجھ سے اس کھچڑی اسپینی میں بات مت کرنا۔ وہ میری سمجھ سے باہر ہے۔''

''شکریہ، مجھے بھوک نہیں ہے۔''

''پھر چھریرے بدن کی وہی کہانی۔ اگر چاہتی ہو تو ہم یہاں پاس کے ایک میکسکن ریستوراں میں چل سکتے ہیں۔ کیمپس میں تو اب شاید سبھی بند ملیں گے۔''

''ٹھیک ہے، کافی وقت سے میں نے فاخیتاس نہیں کھائے۔''

''تو رکیں؟ بہت ہی لذیذ فاخیتاس بناتے ہیں۔''

''پھر رکتے ہیں لیکن تم کچھ پیوگے نہیں۔ ٹھیک ہے؟ میں نہیں چاہتی کہ میرے ساتھ ایک شرابی چلے۔''

''اوہ، بس ایک مارگریتا۔''

''ٹھیک ہے۔''

''دو مارگریتا۔''

''بالکل نہیں۔ کار کو اسٹارٹ کرو۔''

''اوہ، اچھا ایک! کیا دادا گیری ہے! کتنی زبان چلاتی ہو۔ تھوڑا پیار سے بولنے میں کچھ لگتا ہے کیا؟ اب دیر بھی ہو رہی ہے، اوپر سے ٹھنڈک اور پھر بارش۔''

اس نے دروازہ کھولا۔ تلے ہوئے کھانے کی بو ہر جگہ پھیلی ہوئی تھی۔ ایلیسا کو جگہ پسند آئی۔ شکاگو اسٹائل میں دیوار سے باہر نکلیں ٹرین جیسی سیٹوں پر وہ بیٹھ گئے۔ پیگ ڈبل تھا لیکن تیز نہیں۔ دوسری طرف، گواکا مولے (روچرا، آووکاڈ کی چٹنی) کی مہک سے آتی چھینک سے طمائیو، میکسکو میں سبزی فروخت کرتی ہوئی عورتوں کی چوکور دکانوں کے مناظر زندہ ہوا تھے۔

میں نے ہمیشہ یہی سوچا کہ خولیو اگلیسیاس میرے پسندیدہ گلوکاروں میں شامل نہیں ہے۔ ہمیشہ بہت زیادہ عملی، پڑھاکو، فرانکو حمایتی خاندان کی پیدائش۔ ہیلووین،

چڑیلوں کی دعوت، ٹیکساس کا ایک خاص تہوار آج ہی ہے۔ میری بیوی اندرا کی طرح ایک چادر لپیٹے اور ہماری بیٹیوں کو ڈریکولا اور اسٹرابیری شارٹ کیک کی نقلی پوشاک میں لیے کینڈی کی تلاش میں نکلی ہے...... دھوکہ یا دعوت! گھر پر میں اکیلا رہ گیا، صرف کچھ بچوں نے 'دھوکہ یا دعوت' کہتے ہوئے گھنٹی بجا بجا کر سکون درہم برہم کیا۔ میں اپنے ہاتھ میں بلیک بل، واحد سو فیصد اسکاچ، کا ایک گلاس پکڑے ٹی وی دیکھنے لگا۔ اوہو کے میرے دوست ہیملٹن بیک نے روچسٹر، نیبراسکا میں مجھے پینا سکھایا تھا۔

ٹی وی پر ایک عظیم یروشلم اسٹیڈیم میں ایک موسیقی کے پروگرام میں رات کے وقت گوارانی گیت کو اگلیسیاس اطالوی روپ میں گا رہا ہے۔ ڈلاس کے ایک چینل کا نام اسکرین پر مسلسل دکھایا جا رہا تھا (جیسے کوئی شائق اس تاریخی پروگرام کو ماسٹر کارڈ سے خریدے گئے اپنے وی سی آر پر غیر قانونی طور سے ریکارڈ نہ کر سکے)۔ اگلیسیاس نے گوارانی لفظ 'کنیا عطائی' سے یروشلم کی لڑکیوں کو مخاطب کیا اور اس گوارانی لفظ کو سن کر ان کے چہروں پر مسکراہٹ آ گئی۔ گورے اور سانولے چہرے، کالی اور نیلی آنکھوں والے، عزرائیل، وینے ژولا، اسپین، امریکا اور سفارتی مشن کے یہودی۔ اور وہ تمام چہرے ایک ساتھ مسکرا اٹھے۔ ایک جوان لڑکی اسٹیج پر گئی اور اس نے اپنی اسپینی انداز کی ہبرو میں اسے سب کچھ سمجھا دیا۔ میرا ہمیشہ یہی خیال رہا کہ خولیو اگلیسیاس میرے پسندیدہ گلوکاروں میں شامل نہیں، لیکن اب ایسی بات نہیں۔

''اچھا، تو مشہور لینچ اوکلاہوما میں! آخر کار تمھیں یہاں لانے میں میں کامیاب ہو ہی گیا۔''

''زیادہ بڑائی کرنے کی ضرورت نہیں ہے، تمھیں پتہ ہے کہ مجھے یہ پسند نہیں۔''

''اوہ، مجھے بولنے دو جو کچھ میں تمھارے بارے میں سوچتا ہوں۔ یہ تو اچھا ہے نا؟''

''اوہ، بہت ہی مزے دار!''

''تو اور بتاؤ، کیسا چل رہا ہے؟''

''ارے، وہی سب۔ تم جانتے ہی ہو، اگلے ہفتے میں کورینٹیس جا رہی ہوں۔ میری نند رہتی ہے وہاں اور گگین ہیم گرانٹ سے میں ایک کتاب لکھنا چاہتی ہوں۔''

''ہاں، مجھے معلوم ہے........ کورینتھیس!........ یا اللہ! تم تو کیو، ہونولولو یا پھر آ کاپولکو کیوں نہیں جاتی ہو؟ تم بھی غضب کرتی ہو!''

''اور تم، تو تو؟ کیا واقعی تمھاری صحت ٹھیک نہیں ہے؟''

''مجھے کینسر تو ہے نہیں۔ میں نے تمھیں پہلے ہی بتا دیا تھا کہ سب بکواس ہے۔ بس السر ہے اور کچھ نہیں۔ لیکن یہ سچ ہے کہ اگلے مہینے مرنے والا ہوں۔ بوڑھا تو ہو ہی گیا ہوں۔''

''برسوں پہلے بھی تم اگلے مہینے مرنے والے تھے۔ ویسے تمھاری عمر کیا ہے؟''

''کل ملا کر کوئی 63 برس!''

''زندگی کی ابتدا ہی 63 میں ہوتی ہے۔''

''نہیں، میری نہیں۔ میں نے اس زندگی کی خوب ایسی تیسی کی ہے۔ ہر دن شراب پینا، ایک معمولی ورزش تک نہیں، بہت سارا چربی والا گوشت، ریشے دار غذا بالکل معمولی جس کا رسائل وغیرہ میں اکثر ذکر ہوتا ہے۔ غصہ اور زائد کیلوری تو تابوت تیار کرتی ہی ہیں۔ اگلے سال تو مروں گا ہی۔ اسی لیے میں چاہتا تھا کہ تم ابھی ضرور آؤ۔''

''تم ریٹائر کب ہو رہے ہو؟''

''84 میں۔''

''مجھے اسی بات کا ڈر تھا۔ تمھیں لگ رہا ہے کہ تمھاری زندگی کا اختتام آ گیا ہے۔''

''نہیں، بالکل نہیں۔''

''تب کیا پلان ہے تمھارا؟''

''کچھ بھی نہیں۔''

''مذاق مت کرو۔''

''واپس چاسکوموس جاؤں گا۔ وہاں گھر کی رنگائی پتائی جو کچھ بھی ہو سکے گا کروں گا۔ اپینی ٹیلی ویژن دیکھونگا، جیرینیم کے پودے لگاؤنگا اور ڈھیر ساری لاٹری خریدوں گا۔''

ایلیسا آرام سے کیمپس کے ہوٹل میں ہی ٹھہری۔ اس نے اپنے سارے اکیڈمک کام نمٹائے۔ عقاب کی نظر رکھنے والے اور لکڑ بگھے کی ہنسی ہنسنے والے ڈین سے لے کر سب سے ناکارہ طالب علم تک سب کو خوب خوش کیا۔ کاک ٹیل پارٹی میں کسی نے اسے الفونسین کی بیٹی ماریا انیس سے ملوایا جو پاس میں ہی رہتی تھی۔ بھیڑ میں تو تو کے ایک نوجوان معاون نے اپنے ہاتھ میں بلڈی میری (ووڈکا اور ٹماٹر کے رس کا مشروب) تھامے ہوئے، مچادو پر اس کی کتاب سے کچھ حوالہ دیتے ہوئے، لگے ہاتھ اس کی

چوتڑوں پر بھی ہاتھ پھیر لیا۔ ایلیسا نے دن تو خوب ہنسی مذاق میں گزارا لیکن آرام کرنا تقریباً ناممکن تھا۔ اسے یقین تھا کہ توتو اب اپنی اسپرے گن سے گلے میں اسپرے کرنے والا ہے۔ اسے اپنے شوہر کی یاد آ رہی تھی جس کو اپنے جرمن ہونے پر اتنا فخر تھا کہ بھیڑ بھاڑ سے ہمیشہ ہی وہ اپنے کو الگ کر لیتا تھا۔

گرد وغبار سے بھرے ابر آلود اتوار کے دن اجاڑ اور سخت ہموار زمین کے راستے جس کے کناروں پر پھوے اور تیل کے کنویں دکھائی پڑ رہے تھے، توتو اسے اپنی اسی وین میں ہوائی اڈے لے گیا۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے ڈبڈبا رہی تھیں۔ اسے مادرید کی یاد آ رہی تھی۔ وہاں کی دم گھونٹنے والی طالب علمی کی زندگی نہیں بلکہ پاکوابانیس (مشہور فرانکو مخالف موسیقار) کا مادرید، حق کے متلاشی لوگ، غصے اور نظریات کا اسپین، صوفیا (اسپین کے بادشاہ خوان کارلوس کی بیوی، جو اپنی ترقی پسندی اور جمہوری نظریات کے لیے مشہور ہے) کا اسپین۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ توتو میں اب چوکڑی بھرنے والی طاقت نہیں بچی تھی۔ وائلن نواز گلابی رنگ کی گایوں اور بوسے کی سرکس جیسی پینگوں والے اس کے سرریئلسٹک خوابوں کو مردہ تپتی کھپریلوں نے ڈھانپ دیا تھا۔ جب ہوائی اڈے پر اس نے اسے گلے لگایا تو وہ اس بیوقوف سچائی سے کانپ گئی کہ شاید اس سے وہ آخری بار مل رہی تھی۔ اسے بورخیس کی ایک پرانی نظم یاد آ گئی جس میں وہ سرحدوں کے بارے میں بات کرتا ہے اور اسے خیال آیا کہ خورخے مانریکے (اسپینی شاعر 1479-1440) کے مرثیہ کی طرح وہ غموں میں ڈوبے اس دوراہے پر کھڑی تھی جو اس کی بے قاعدہ زندگی کو توتو کے بے معنی وجود سے آخری مرتبہ جوڑ رہا تھا۔ جب اس کے والد پینس برگ میں بستر مرگ پر تھے تب اس کی ماں نے اسے اور اس کی بہن سے جو کہا تھا، وہ بھی اسے یاد آ گیا۔

سکون کی موت سے جنت ملتی ہے!

اس لیے اس نے اسے الوداع کہا ہی نہیں۔ تعلیمی اجلاس کے آخر میں اسے کوریئنیس آنے کی دعوت دی، بس!

□□□

باب:8

وقت، دھات، خالص لہو، لفظوں کی چوٹ اور درد، ایک قیدی چراغ کے بول،
ایک محتاط دل اور ایک کبوتر ہی کمزوروں کی تاریخ لکھ رہے ہیں۔ شاید ہمیشہ کے
لیے...... اور ابھی ضرورت ہے...... اور سردی تو ہے ہی، پھر بھی یہ جاوداں نغمہ
سرائی کتنی عجلت میں ہے۔ سڑک پر کتنی اکیلی موت! آسمان سے سمندر کا ایک
قطرہ ہوا سے نیچے آیا آدمی کی پتلون میں۔ اس نے پتلون اور قمیض پہن لی، اس
کی بیکراں محبت نے ہوا سے تعلق استوار کیا۔ پیاری مادر وطن کی رات بلوری
مسکراتی صبح میں کھل گئی۔ جب تک نوجوانوں کی ٹولیاں ہیں دیواروں پر لہوان
کے نام انڈیلا جائے گا......

بار ایسوسی ایشن کے صدر کے ساتھ گنتیر کی ایک ملاقات طے تھی۔ بوڑھے شدت پسندوں کے پوتے سات راتوں اور سات چہروں والے اس ابدی جنرل کے علاوہ کسی حکمراں کو جانتے ہی نہیں تھے اور جیسا کہ بلاک کہتا ہے اس کے باوجود وہ امید میں لگے رہتے تھے۔ ان کے لیے اس کی قیمت تھی سماجی مایوسی، کلبوں پر چھکنے، چپڑے بے حیا موقعہ پرستوں کا دبدبہ، جیل اور تشدد عزت کے ساتھ جینے کے لیے، وہ اپنے تصوراتی جمہوریت کے دھندلے خواب سے چپکے رہے۔ دراصل ان کے پاس دوسرا کوئی راستہ بچا ہی نہیں تھا جیسے جنگجو اپنے جہازوں کو جلا دیتے تھے اور لڑائی لڑتے ہوئے اپنے جذبات ایک دوسرے کے ساتھ بانٹتے تھے۔ فٹ بال میں نیلے اور لال رنگ کا انتخاب کھیل میں آخری منٹ تک منہمک رہنے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ملاقات چار بجے طے تھی۔ گنتیر اپنی اومیگا پر بار بار نظر دوڑا رہا تھا۔ وولوو سڑک پر اپنی پوری رفتار سے فراٹے بھر رہی تھی۔ وہاں پہنچ کر گاڑی سے کودا اور گھبراہٹ کے ساتھ گھنٹی بجائی۔ چنبیلی کی خوشبو سے مہکتی ڈیوڑھی میں ایک جرمن شیفرڈ کے ساتھ ایک نوکرانی آئی۔ اس نے اسے اندر بلایا اور کہا کہ ڈاکٹر صاحب بس آتے ہی ہوں گے۔ کچھ بے ترتیب

ہونے کے باوجود گھر کا دفتر سرکاری دفتروں کے لحاظ سے کافی بہتر تھا۔ اگر ایلیسا وہاں ہوتی تو آسانی سے خوان رامون جیمینیس کی کتاب کسی شیلف میں ڈھونڈ ہی لیتی جس کی تلاش آرچ بشپ کو تھی۔ وکیل چپ چاپ کمرے میں داخل ہوا۔ حالانکہ وہ چھوٹے قد کا تھا اور کچھ زیادہ بھاری بھر کم بھی لیکن اس کی موجودگی نے کمرے کے ماحول کو زندہ کر دیا تھا۔ اپنے چہرے پر مایوسی کا کوئی اثر لائے بغیر گنتیر نے محسوس کیا کہ وہ آدمی (جو بیٹے جیسا ہو سکتا تھا) بدقسمتی سے اڑیل اور سخت مزاج لیڈروں میں سے ایک تھا جنھیں اس نیلے اور سندوری سرخ رنگ والی فہرست میں شامل کیا جا سکتا تھا۔ اس کے خوب صاف ستھرے نین نقش، معصومیت سے کٹے بال اور ہرن کے چمڑے کے ملائم چمکیلے جوتوں نے اس کو متوجہ کیا۔ خوبصورت بننے کی دانستہ کوشش نہیں لگتی تھی بلکہ خود کے تئیں ایک عام لگاؤ معلوم پڑتا تھا۔ وکیل کی وہ بڑی بڑی بھوری آنکھیں اسے عالمی بینک کے صدر کے طور پر نہیں بلکہ جیل میں بند ایک لڑکی کے محض رشتے دار کے طور پر دیکھ رہی تھیں۔ گنتیر نے وہاں پہلی بار کسی کی آنکھوں میں اپنے لیے کچھ عزت محسوس کی۔

''صدر صاحب آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔ آپ کے دادا جی کے بغیر میری اسکالر شپ......''

وکیل نے اسے درمیان ہی میں روکتے ہوئے بڑی عزت سے کہا:

''میرے دادا جی میرے دادا جی تھے۔ اور آپ کی بھانجی آپ کی بھانجی ہوئی۔ میں اس کے لیے کیا کر سکتا ہوں؟''

> جیسا کہ تم جانتے ہو پیارے، اس اکیلے پن میں میرا ایک اکیلا ساتھی ریڈیو ہی ہے لیکن 12:30 پر نیٹ ورک پروگرامنگ شروع ہو جاتی ہے۔ نیٹ ورک میں اسٹیشن پر سرکاری بلیٹن آتی ہے۔ تم بٹن کو ڈائل پر کہیں بھی گھماؤ لیکن کچھ بھی نہیں بدلتا ہے۔ سبھی جگہ وہی ایک بے کیف، ڈراونی، مبالغہ آمیز اور اکیلی آواز سنائی پڑتی ہے۔ ضرورت سے زیادہ آواز...... میں ریڈیو پھینک دیتی ہوں، نیٹ ورک سے ہٹ جاتی ہوں اور میرا استقبل شروع ہو جاتا ہے......

''بات یہ ہے کہ وحشی سماج میں قانون کے بنیادی اصولوں کو سمجھنا میرے بس میں نہیں ہے۔ انھیں بنیادی اصول ہی کہتے ہیں نا؟ انگریزی میں روڈی منٹس؟''

دوسرا شخص مسکرایا۔ امریکا سے آئے مہمان کے چھ فٹ قد اور اس کے عالمانہ مظاہرے پر کچھ

جھنجھلایا ''دراصل Rudis سے Rudimentum ہے لیکن اس کی لاطینی پیدائش پر فی الحال بحث کی کوئی گنجائش ہے نہیں۔''

گنتیر نے اپنی بات جاری رکھی۔

''جیسا کہ میں نے پہلے آپ سے فون پر کہا تھا، میں پہلے ہی وزیراور سپریم کورٹ کے نئے صدر سے بات کر چکا ہوں۔''

''میری لائن ٹیپ کی جاتی ہے! اگر آپ چاہتے ہیں کہ سرکار کوان کے بارے میں معلوم نہ ہوتو ایسی باتیں مجھ سے فون پر نہ کیا کریں۔''

'کچھ بے یقینی میں اور کچھ اس پر شک کرتے ہوئے کہ شاید یہ بات اس کو متاثر کرنے کے لیے کہہ رہا ہو، گنتیر نے کہا:

''میری بیوی نے ویسا کچھ کہا تھا۔ بات دراصل یہ ہے کہ میں اس سرکار کے خلاف بالکل نہیں ہوں، میں صرف اپنی بھانجی کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں۔ وہ اس بات کو جانتے بھی ہیں کہ میں اپنی بھانجی کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں۔ پھر اس بات کو فون پر کہنے میں کیا برائی ہے؟

ایک دھوکہ کھایا ہوا موسم بہار، زمین کے رنگ کی لہولہان مٹی، آنکھوں کے نیچے کچھ جھائیاں، دریدیانہ (اسپینی فلمکار لوئیس بنویل کی ایک فلم) اور وہائٹ ہاؤس کا ایک سفر، آڑو کی چمک والی تمھاری جلد کی طرف بڑھتی ایک جلتی ہوئی سیڑھی، ٹکڑوں اور تہہ خانوں کا کھٹا علم، آواز کا ایک خاص نشان، ایک جلاوطن اور گونگا گٹار، شام کی خاموشی، پیڈل والی کشتی پر سوار چشمے والی ایک لڑکی، ایک خاموش بزرگ، دو ناممکنہ جنگ، بھاری اور بے رحم ہوا کے طور طریقے، پانی کی طہارت اور امید، ایک ٹوٹی پھوٹی آبی گھڑی، سب میرے سب میرے اور سب میرے! میں تم سے پیار کرتی ہوں!''

کچھ دیر وکیل خاموش رہا، اس نے گنتیر سے پوچھا کہ وہ ایک ڈرنک لینا چاہے گا۔ گنتیر نے وہسکی کے لیے حامی بھری، میزبان نے گلاس اور ایک اچھے خاصے بار سے بلیک لیبل کی ایک بوتل نکالی، ڈرنک اپنے مہمان کو دیا اور اپنے لیے ایک کوک کی بوتل کھولی۔

''آپ خاص طور سے مجھ سے ملنے کیوں آئے؟''

''آپ بار ایسوسی ایشن کے صدر ہیں، مشہور، کامیاب اور انصاف پسند شخص ہیں، سیاسی قیدیوں

کے لیے آپ بہت محنت کرتے ہیں۔ میری بہن کے کچھ پادری دوستوں اور پلا سادی مایو (بیونوس آئرس میں ایک جگہ جہاں ستر اور اسی کی دہائی میں فوجی حکومت کے ذریعہ غائب کیے گئے نوجوانوں کی مائیں ان کی جانکاری حاصل کرنے کے لیے مظاہرہ کرتی تھیں) کی سبھی ماؤں نے کہا:

''میتا کارائی ہی آخری اُمید ہے۔''

''بس یہی؟''

''جی...... اور ہاں اس میں کوئی شک نہیں کہ ہم آپ کو پورا معاوضہ دیں گے۔''

''نہیں، میرا مطلب وہ نہیں تھا...... بات یہ ہے کہ آپ کچھ سمجھے نہیں۔''

''کون سی بات؟''

''آپ کو نہیں معلوم کہ یہاں ڈکٹیٹر شپ ہے۔ یہاں اس وقت قانون کی حکومت ہے ہی نہیں۔ ہم وکیل لوگ کریں تو کیا کریں؟''

''مجھے معلوم ہے کہ راجدھانی میں مارشل لاء لاگو ہے اور اسی کے تحت میری بھانجی کو گرفتار کیا گیا ہے۔''

''وہ سب بھول جاؤ، صرف اور صرف ڈکٹیٹر کی مرضی لاگو ہے۔ اسی نے آپ کی بھانجی کو جیل میں ڈالا ہے اور وہ باہر تبھی آئے گی جب اس کی مرضی ہوگی۔''

میں تم سے اب کہیں دور چلی جاؤنگی میرے پیارے ملک، شاید ایک لمبے وقت کے لیے۔

> مجھے تم کو صاف طور سے بتانا ہی چاہیے۔ میں نہیں جا رہی ہوں دور، مجھے وہ تمھارے کوکھ سے چھین رہے ہیں لیکن تمھارے پرندوں، تمھارے درختوں، تمھاری ندیوں، تمھاری اخلاقی کہانیوں، تمھاری سبھی اجتماعی امیدوں کو میں اپنے ساتھ لے جاؤں گی، تمھاری غریبی اور تمھارے ہونٹوں کو میں اپنے ساتھ لے جاؤنگی، میرے پیارے وطن میں تمھارا نام زور زور سے پکاروں گی، تمھاری زنگ آلود تصویر میں اپنے کندھوں پر اٹھائے پھروں گی تاکہ لوگ مجھے پہچانیں اور مجھ میں پہچانیں تم کو...... میں دور چلی جاؤں گی، لیکن تمھارے ساتھ، یہاں رہنے کا یہی ایک طریقہ ہے۔

''ایک پیشہ ور تنظیم کے صدر کے منہ سے یہ سب سن کر تکلیف ہو رہی ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ بخاریسٹ رومانیہ میں آپ کے برابر کا شخص کم سے کم سرکار کا ترجمان تو ہوتا ہی۔''

''میں نہیں جانتا ہوں کہ مشرق میں کیا چل رہا ہے۔ میں صرف یہ جانتا ہوں کہ یہاں کیا چل رہا ہے۔ اگر آپ کو لگتا ہے کہ آپ اسے قانونی لڑائی لڑ کر آزاد کرا سکتے ہیں تو میں اسے پاگل پن ہی کہوں گا۔''

گنتیر نے اپنے منہ میں لارنگلی۔ ایک یوگی کی طرح اپنے پاؤں موڑے ہوئے پر پیلے جیسے بال والے اس غیر مطمئن شخص سے آنکھیں ہٹائے بغیر، اس نے اپنی وہسکی کے آخری گھونٹ کو دھیرے سے حلق کے اندر کیا اور کچھ مایوسی کے ساتھ بڑبڑایا۔

''کتنی عجیب بات ہے۔ میں نے سوچا تھا کہ آپ کچھ امید بندھائیں گے۔''

''امید تو ہے لیکن قانونی طریقے کے ذریعہ کبھی نہیں۔ اس لیے پہلا قدم ہوگا کہ آپ مجھ سے فون پر بات نہیں کریں۔''

''دیکھیے، سیاست میں تو میں کبھی بھی نہیں پڑنا چاہوں گا اور لاطینی باغیوں سے مل کر سازش میں شامل ہونا میرے لیے بالکل ناممکن ہے۔''

''ہم کسی کے بھی خلاف سازش نہیں کرتے ہیں۔ یہ اپنے آپ سڑ گل رہا ہے۔ اس کے علاوہ، میں نہیں جانتا کہ آپ پارٹی کی ممبرشپ کے حقدار ہیں بھی یا نہیں۔''

''کیا سولے انتہا پسند ہے؟''

''مجھے نہیں لگتا۔ ہم فاکلوں سے بھی اتنی ہی نفرت کرتے ہیں جتنی کہ فسطائیوں سے۔ شاید وہ ایک لبرل مارکسسٹ ہے۔''

''مارکسسٹ! لیکن وہ تو ایک جرم ہے! یہ کہہ کر تو آپ اخبار والوں کو ایک پختہ وجہ بتا رہے ہیں۔''

> روزمرہ کی موت مجھے بہکا نہیں سکتی ہے۔ اس کی راکھ کے نام ونشان کو مٹا دو میرے گھر سے، اس کی چمگادڑی سانسیں، جوالا مکھی سا اس کا زرد منہ بھی۔ میں جانتی ہوں کہ کھڑکیوں اور تہہ خانوں میں، بازاروں میں سنیچر کو، سیلن بھرے گوشوں کی ناقابل برداشت بو میں پلتے بڑھتے ہیں اس کے افسردہ شگون۔ میں بازی لگا رہی ہوں زندگی کی، اس جاسوس کے باوجود جو خاموش لوگوں کو رشوت دیتا ہے۔ خونی جاسوسی کتے، دھوکے باز، بدنامی اور کیچڑ کے باوجود۔ دعا سلام کے روزانہ کے کاروبار کے باوجود، میں بازی لگا رہی ہوں زندگی پر، نئے پن اور امکانات پر، انگوروں کی گول مسکان، ندی میں ضم ہوتی ہوئی سوتوں کی

خاموش روانی پر، سمندر میں ضم ہوتی ہوئی ندی کی خاموش روانی پر اور زمین میں ضم
ہوتی ہوئی سمندر کی خاموش روانی پر! یہ خواب تو مٹی کا ہے! کچھ خفیہ کمہار دن کی
شبیہہ کا تصور کر رہے ہیں تو پھر خوشی پر ہمیشہ کے لیے پابندی کیوں لگنی چاہیے؟
تو پھر خوشی پر ہمیشہ کے لیے پابندی کیوں لگنی چاہیے؟ ایسا سوچیں ہی کیوں کہ
سوچنا ایک جرم ہے؟ خیالات پر شکنجہ کیوں کریں؟ قانون کے مطابق انصاف
کو صرف حقیقت پر مبنی ہونا چاہیے۔ پکے اور جانچے گئے ثبوتوں پر!

''ہاں، میں نے اس کے بارے میں کچھ سنا ہے۔ خیر! جو بھی ہو، ہم ٹیکنو کریٹ تھوڑا ضدی قسم کے ہوتے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ میں اپنی بھانجی کو اپنے ساتھ لے جاؤں اور جتنی جلدی ہو سکے اپنے کام پر لوٹوں تا کہ میری بہن سکون سے جی سکے۔''

''آپ کو کیا لگتا ہے، ہمیں ٹھوس روپ میں کیا کرنا چاہیے؟''

''غیر قانونی حراست سے آزادی کا عدالتی فرمان......''

''وہ تو ہم پہلے ہی کر چکے ہیں۔ یہ ہماری تنظیم کا ایک فطری کام ہے۔''

''اچھا! آماپولا نے مجھے تو ایسا کچھ بتایا ہی نہیں۔ اس کے لیے آپ کا بہت بہت شکریہ۔ اب تو وہ باہر آ ہی جائے گی نا؟''

''نہیں، عدالت نے تو اسے پہلے ہی ٹھکرا دیا۔''

''کیا اسے جلاوطن کرنے کی درخواست نہیں پیش کی جا سکتی ہے؟''

میں ریڈیو پر ایک گوارانی گیت سن رہی ہوں۔ میں حیران ہوں کہ کیسے خوشبودار
نام والے اس آدمی نے ایک چھوٹے سے ملک کو امر کر دیا، جسے یادوں سے
بھری مٹھی میں بڑے پیار سے سمیٹا جا سکتا ہے اور اپنے دل میں بٹھایا جا سکتا
ہے!

وکیل نے گبتیر کے گلاس کو دیکھا۔ گلاس خالی دیکھ کر اس نے اس میں تھوڑی وہسکی ڈالی اور اپنے لیے کوک۔ اس نے تھوڑا رک کر پھر سے بات شروع کی۔ ایک ٹھنڈی سانس بھری اور کچھ سنجیدہ آواز میں بولا:

''یہ ایک ڈرامائی، کمینہ، سنکی، پریشان، بدعنوان، بدقسمت، دقیانوس، پسماندہ، انتہا پسند، خطرناک، خوفناک، تنگ نظر، تنہا، دوستوں سے خالی، بے توجہی کا شکار، پامال، وحشی پن کا نشانہ

،قربانی کا بکرا، تاریک، ادھورے خوابوں، سفتہ ہاتھوں اور بوسیدہ گٹاروں کا مرکز، قابل نفرت اور ناقابل برداشت ملک ہے!''

وہاں ایک لمبی خاموشی چھا گئی تھی۔ وہ ہانپ رہا تھا۔ جب کنتیر کی آواز آئی تو ایسا ظاہر ہوا جیسے وہ ایک ایسی لمبی سرنگ سے باہر نکل رہا ہو جس میں نہ کہیں کوئی صدا تھی اور نہ کوئی چراغ، اور اسے یہ بھی محسوس ہوا گویا وہ اور زیادہ بوڑھا ہو چکا تھا۔

ہونٹوں کو کھولتے ہوئے اسے نشہ چڑھنے کا احساس تو ہوا پھر بھی اس نے پوچھ ہی لیا:

''پھر...... آپ اس سے اتنا پیار کیوں کرتے ہیں؟ آپ اس سے اتنا پیار کیوں کرتے ہیں بتایئے؟...... جہنم میں جاؤ! لیکن اس سے اتنا پیار کرتے کیوں ہو؟''

□□□

باب :9

اوکلا ہوما کے اپنے بزرگ دوست کے لیے جو چاسکوموس کے سیخ کباب اور جیرینیم سے کہیں دور بڑی پابندی کے ساتھ کیموتھیراپی کی تکلیف کو برداشت کر رہا تھا، ایلیسا ان دنوں بہت زیادہ پریشان تھی۔ جانے کتنے سال برباد ہوئے، اوسط درجے کے اکیڈمک معمول میں، شراب اور تمباکو کی کڑواہٹ میں، ایک بھورے بالوں، لال گردن اور کولہوں پر جان وین کی پوشاک والی لڑکی کی بغل میں اور ان نوجوان لڑکیوں کے ساتھ جنھیں اپنے پاپا سے اسپینی میں ایک لفظ بولنے سے بھی پرہیز تھا۔ جانے کتنے سال جھولتا رہا سائبریائی برف اور صحارا کے تپتے سورج کے درمیان جہاں برفیلے طوفان اور دھول کے بادل کمزوری اور بوریت سے روح کو اس حد تک زخمی کر دیتے تھے کہ آدمی خود کو ڈرپوک عاجزی کے ساتھ مرنے کو چھوڑ دیتا تھا اور تب دن کے شکار کے بعد سورج ان مصنوعی غیر محدود دلدلوں کے اندر ڈوبتا نظر آتا تھا......

ایلیسا سوچ رہی تھی کہ اگر کبھی کسی نے اس کی سوانح لکھی تو سوانح نگار کو تھوڑا جھوٹ کا سہارا بھی لینا پڑے گا کیونکہ کینسر میں اتنے سارے لوگ مبتلا ہیں یہ کچھ قابل یقین نہیں معلوم ہوگا۔ دوسرے لوگوں کی طرح جنھوں نے اپنے کسی قریبی رشتہ دار یا اپنے مباشرت کے ساتھی کو مرتے دیکھا ہوگا، اپنے والد کی جان لیوا تکلیف کے بعد ایلیسا نے بھی سگریٹ نوشی چھوڑ دی تھی۔ بیماری کے پریشان اختتامیہ نے، جو سات ماہ تک گھسٹتا چلا گیا، اسے ہر ویکینڈ پر بچپن کے شہر کا سفر کرنے کے لیے مجبور کر دیا تھا۔ کار سے پیٹس برگ جانے میں قریب پانچ گھنٹے لگتے تھے۔ وہ نکسن کا زمانہ تھا۔ گنتیر سے شادی ہوئے اسے ایک عشرہ سے زیادہ ہو گیا تھا۔ اسے حال ہی میں پروفیسر کے عہدہ پر فائز کیا گیا تھا۔ میری لینڈ یونیورسٹی سے تو وہ صرف ایک بار 1969 میں ایک سمیسٹر کی تعلیمی چھٹی لے کر نکلی تھی۔ پالو آلتو میں اس نے ایک وزیٹنگ پروفیسر کا عہدہ قبول کر لیا تھا کیونکہ وہ اپنی جلد کے اندر تک اس انقلاب کا تجربہ کرنا چاہتی تھی جس نے گذشتہ برس برکلے میں بیج بوئے تھے۔ گنتیر کے ساتھ بخاریسٹ جانے کے

لیے اس نے 1975 میں دوسری مرتبہ تعلیمی چھٹی لی۔

سلیقے سے پہنے کپڑوں میں ایک کالے سوٹ کیس کی طرح گنتیر نے بطور ایک منتظم (محکمہ خارجہ میں عالمی معاشیات کا ماہر ایک طرح کا منتظم ہی تو ہے؟) دسمبر 1976 میں گھر سے نو یا دس ہزار کلومیٹر کی دوری پر بخاریسٹ کی کڑکڑاتی سردیوں میں امریکی سفیر کے خوبصورتی سے سجے گھر کی تنہا دیواروں میں خود کو قید پایا۔ وہاں کے سبھی نوکر چاکر اور افسر اس سے عاجزی سے پیش آتے تھے لیکن وہ اپنے آپ کو ایک ان چاہے مہمان کی طرح اکیلا محسوس کر رہا تھا۔ پردیس میں یہ اس کی پہلی نوکری تھی۔ پہلے سال تو اس کے ساتھ ایلیسا وہاں رہی لیکن اس کے بعد اپنا کام جاری رکھنے کے لیے اسے واپس جانا پڑا۔

فورڈ کے خط سے گنتیر کا تبادلہ واشنگٹن ہو تو گیا تھا لیکن سال کے درمیان میں ہی بوڑھے سفیر کو پہلے دل کا دورہ اور بعد میں مرگی کا دورہ پڑنے سے اسپتال میں اس کی وفات ہوگئی۔ سفارت خانے میں اب گنتیر ہی اعلیٰ افسر تھا۔ اس لیے جب تک نیا سفیر نہیں آجاتا اور اپنے کاغذات پیش نہیں کر دیتا تب تک اس عہدے پر اسے ہی بنے رہنے کا حکم ملا۔

اپنے تکنیکی موضوع سے الگ گنتیر کچھ خاص نہیں سیکھ پایا تھا۔ مقامی افسروں کے ساتھ کام چلانے کے لیے انگریزی اور تھوڑی فرنچ کی واقفیت بہت ضروری تھی۔ وہ رومانین نہیں بول سکتا تھا اس لیے نہ تو وہاں کے اخبار پڑھ پاتا تھا اور نہ ٹی وی دیکھ سکتا تھا۔ آلو بخارے کی برانڈی پیتے ہوئے اگاتھا کرسٹی کے پرانے ناولوں پر نظر دوڑاتے ہوئے کھڑکیوں سے زلزلے سے متاثر عمارتوں، سردیوں کے آسمان، بھورے کبوتروں، ننگے درختوں اور زنگ آلود نارنجی ٹراموں کو گھورتے ہوئے وہ مرحوم سفیر کے عالیشان لیکن اداس بیڈروم میں دن گزار رہا تھا۔ وہاں کے بستر کو کبھی ایلیسا نے اس کے ساتھ شیئر نہیں کیا تھا۔

وہ چڑچڑا ہو گیا تھا کیونکہ شام میں ہرکلس پوئروت کے جوش میں ڈوبنے کا مزہ نہیں لے سکتا تھا۔ جیسا کہ بخاریسٹ میں ہر جگہ حالت تھی اس کے کمرے میں بھی ضرورت بھر روشنی نہیں تھی۔ چونکہ ضرورت بھر بارش نہیں ہوئی تھی اور تالابوں میں بہت کم پانی جمع ہوا تھا اس لیے ایسا لگتا تھا کہ رومانیہ بجلی کی کمی سے جوجھ رہا ہے۔ دوپہر بعد تین بجے کے قریب دسمبر کی دھندلی روشنی شہر کے اوپر نظر آجاتی تھی

اور ایک گھنٹے بعد کمیونسٹ ملک کے مکانوں کے پرانے پلاسٹر والی دیواروں پر سے نیچے پھسل جاتی تھی۔ گہرے بھورے رنگ کی چادر فٹ پاتھ کو ڈھک دیا کرتی تھی اور سڑک پر جلتے چراغوں کی پیلی سرد چمک کو تنہا کر دیتی تھی۔

کمیونسٹوں کی غلطی کی وجہ سے میں اندھا نہیں بنا رہ سکتا ہوں، گنتیر سوچ رہا تھا۔ لوگوں نے اسے بتایا کہ یہودی نژاد کا ایک باغی نوجوان سفارت خانے میں پناہ مانگ رہا تھا۔ سال کے شروع میں چوری چھپے اس نے حکومت کا مذاق اُڑانے والا ایک ناول شائع کیا تھا جس کی وجہ سے حکومت اس کے پیچھے پڑ گئی تھی۔ دوسرے درجے کے ایک پریس سے اسے پروف ریڈر کے عہدے سے ہٹا دیا گیا تھا اور پاسپورٹ دینے سے بھی انکار کر دیا گیا تھا۔

''واہ!'' جھنجھلاہٹ میں گنتیر نے کہا۔ ''بینجامین فرینکلین کہا کرتے تھے کہ بیس شاعروں کے ہونے سے تو بہتر یہ ہے کہ اسکول میں ایک اچھا استاد ہو۔''

پھر بھی، افواہوں کا بازار گرم تھا۔ شاید خود حکمراں انھیں ہوا دے رہے تھے۔ کچھ ہی دنوں بعد شدت پسندوں کی جانب سے گنتیر کو فون پر دھمکیاں آنے لگیں۔ کچھ مبینہ طور پر باغی کو پناہ دینے سے انکار کرنے کے لیے اور کچھ اس کو پناہ دینے کی کوشش کرنے کے لیے۔ دراصل سفارت خانے کا دروازہ دن رات کھلا رکھنے کا حکم گنتیر نے ہی جاری کیا تھا۔

گمنام فون اور زیادہ آنے لگے اور سادہ لباس میں دو غنڈوں نے، جو شاید خفیہ پولیس کے افسر ہی تھے، چوبیس گھنٹے سفارت خانے کی نگرانی کرنی شروع کر دی۔ گنتیر جب برطانوی سفیر کے گھر کرسمس کے موقع پر رات کے کھانے کے لیے گیا تب ایک ہفتہ سے وہ اپنے ساتھ ایک پستول اور رومانیائی ڈرائیور کی جگہ ایک فوجی لے جا رہا تھا۔

امریکا کی گھڑیوں میں یورپ کے مقابلے کرسمس کچھ گھنٹوں بعد آتا ہے۔ گنتیر نے جس وقت ایلیسا کو فون کیا، اس وقت اس کی نوکرانی اس کے جیکٹ پر پریس کر رہی تھی۔ انھوں نے سیدھے پناہ مانگنے والے نوجوان کا تذکرہ نہیں کیا جس کے بارے میں گنتیر اسے خط میں پہلے ہی لکھ چکا تھا لیکن ایلیسا نے جب اس سے کہا کہ پانچو، ہوشیار رہنا تو وہ جانتا تھا کہ اس کا کیا مطلب تھا۔ انگریز کے یہاں اس کا انتظار کرتی کافی پرانی اسکاچ بھی اس تلخ ذائقے کو کم نہیں کر سکتی تھی جو فون کاٹتے وقت اس کے منہ میں تھا۔

آکلینڈ شہر میں واقع پٹسبرگ یونیورسٹی کے بڑے سے طبی مرکز میں ایلیسا کے پاپا نے پورے

سات مہینے بہت تکلیف میں گزارے۔ یہ وہی یونیورسٹی تھی جس کی انھوں نے پوری نصف صدی ایک نامعلوم لیکن ایماندار کارکن کی شکل میں خدمت کی تھی اور جہاں سے ایلیسا نے اپنی ساری اعلیٰ ڈگریاں اور ایک کے بعد ایک اسکالرشپ حاصل کی تھی۔

اپنے آخری سالوں میں اس بوڑھے آدمی نے یونیورسٹی کے 'افرمیٹیو ایکشن' والے شعبے میں کام کیا تھا جہاں پسماندہ طبقوں کے ارکان، عورتیں اور اقلیتی فرقے کو یکساں موقع دیئے جاتے تھے۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ نوکری اس بے چین جمہوریت پسند آئرش پادری جیسے شخص کے لیے ہی بنی تھی۔

اسپتال کے گلیاروں میں اپنے دو چاچاؤں، ایک ڈاکیہ اور ایک پولیس کے سپاہی، یہاں تک کہ دور دور کے رشتے داروں سے جو دوسرے صوبوں میں رہتے تھے، ایلیسا اکثر گلے ملا کرتی تھی۔ وہ سبھی اس کے پاپا کی طرح زور زور سے بولنے والے اور جذباتی فطرت کے تھے۔ ان میں سے کچھ ہی دبلے پتلے تھے جیسے وہ اور اس کی ماں، ایک خاموش کالی عورت جو تقریباً پوشیدہ رہتی تھی۔ وہ 1982 میں اس کی ایک طلاق شدہ، بے اولاد، دانتوں کی ڈاکٹر بہن کے ساتھ پٹس برگ میں رہتی تھی اور اُس بہن نے دوبارہ شادی نہیں کی تھی۔

اس دردناک بہار میں ایلیسا نے اپنا 45واں سال پورا کرلیا تھا لیکن تب بھی وہ کافی کم عمر لگتی تھی۔ اس کا مسکراتے رہنا، خوشگوار چیزوں کے بارے میں باتیں کرنا اور کمرے میں پھولوں کو سجا کر رکھنا، اس کے والد کو بہت اچھا لگتا تھا۔ کبھی کبھی کنتیر جس کی اس بوڑھے کے ساتھ اچھی بنتی تھی مذاق بھی کرتا تھا کہ اس کی دوسری بیٹی، دانتوں کی ڈاکٹر، سب سے خوبصورت تھی۔ تکلیف کے وہ سات مہینے مشکل ضرور تھے لیکن ناخوشگوار بالکل نہیں۔

جس سال دوسری عالمی جنگ ختم ہوئی، اسی سال ایلیسا نے اپنے گھر کے پاس کے بشپ اسکول سے ہائی اسکول کی پڑھائی ختم کی تھی۔ اسی سردی والے سیشن میں اس نے یونیورسٹی میں داخلہ لیا۔ اس نے اپنا تیسرا سال مادرید میں گزارا جہاں آرگویس کی شاموں نے اس کے ذہن میں بچپن کے گیت کی نا مٹنے والی معصومیت کندہ کردی تھی۔ واپس پٹس برگ آنے پر اس نے اسپینش میں کم لائوڈے کی ڈگری حاصل کی اور ایم۔اے کے لیے کام شروع کردیا۔

اپنی بہن کی شادی کے بعد ایلیسا اپنے ماں باپ کے گھر سے پانچویں ایونیو میں ایک زنانہ ہاسٹل میں رہنے چلی گئی۔ ایک معاون استاد کے طور پر اسپینش پڑھانے، سیمناروں میں حصہ لینے یا آکلینڈ میں لائبریری کا استعمال کرنے کے لیے ہر دن وہ سرد صنوبر کے گھنے درختوں کے سایے میں چالیس منٹ پیدل چلا کرتی تھی۔ دو سال کی ایم اے ڈگری مکمل کرنے کے دوران، 23 سالہ دلکش سبز آنکھوں

والی اس لڑکی نے تقریباً ایک سنیاسن جیسی زندگی گزاری تھی۔
یہی وہ دور تھا جب بغیر کسی پروفیسر کی ہدایت کے اس نے ماچادو کو کھوج نکالا۔ پہلے اس نے اپنی ایم اے کی ڈگری کے دوران 'سولیدادیس' پر اور اس کے بعد ڈائریکٹریٹ کے لیے ماچادو کی نثر و نظم پر تحقیقی مقالہ لکھنا طے کیا۔ کیلیفورنیا یونیورسٹی کے مادرید پروگرام کے تحت وظیفہ حاصل کرنے کے بعد اس نے واپس اسپین لوٹنے کی پلاننگ کی۔ اس کی ماں نے، جسے اپنے چھوٹی بیٹی کی کم عمری میں شادی کرنے کی وجہ سے بہت ساری مصیبتیں جھیلنی پڑی تھیں، اسے منع کرنے کی کوشش کی لیکن ہمیشہ کی طرح اس کے والد نے اس کی حمایت کی اور 1951 کے سردی کے سیشن میں ایک بار پھر وہ آرگویس میں براجمان تھی۔
اب وہ زیادہ سمجھدار ہوگئی تھی، زبان پر بھی اس کی گرفت مضبوط ہوگئی تھی۔ غریبی اور تہذیبی زوال کے اس دور کے مادرید میں طالب علم اور نوجوان شاعر رواجوں سے آزاد ایک دردناک زندگی جی رہے تھے جس میں اس نے بھی خود کو ڈھال لیا تھا۔ اسی درمیان انھیں شاعروں میں سے ایک سے اسے پیار ہوگیا۔ دو سمیسٹر کے بعد اس کے کلاس میٹ جب امریکا لوٹ آئے، وہ اپنے محبوب کے ساتھ سان برنار دو چوراہے کے قریب اس کی برساتی میں رہنے چلی گئی جہاں لہسن اور زیتون کے تیل کی بو چھائی رہتی تھی۔

اسپوففورڈ ہرسوگ ایک انگریز رنڈوا تھا اور وہ بھی، گنتیر کی طرح، وہاں کی بوریت سے مرا جا رہا تھا۔ وہ لسبن میں کئی سالوں تک سفیر رہا اور وہ اس لیے کہ 'میں کیتھولک ہوں' ایسا وہ خود کہتا تھا۔ بخاریسٹ میں وہ گنتیر سے زیادہ طویل مدت سے رہ رہا تھا اور کچھ رومانیائی لفظوں کا تلفظ بھی ادا کر لیتا تھا۔ اسے پینا خوب پسند تھا، اس لیے ایک دوسرے سے وہ اکثر ملاقات کر لیتے تھے۔
اس رات اس نے اپنے سفارت خانے کے سکریٹری اور سویڈش ثقافتی اتاشی کو اپنی بیویوں کے ساتھ دعوت دی تھی۔ وہ جوان جوڑے تھے اس لیے گنتیر کو ان کے ساتھ خوب مزہ آیا۔
ایک خاص برٹش کھانے کے بعد جس میں ڈیزرٹ زیادہ مقدار میں پیش کیا گیا تھا گنتیر اور ہرسوگ، کچھ اہم معاملات پر گفتگو کرنے کے بہانے، لائبریری میں بند دروازوں کے پیچھے وہسکی کے جام چھلکانے میں مصروف تھے۔ لوگ یہی سوچ رہے تھے کہ شاید باغی یہودی کے معاملے پر بحث چل رہی ہوگی۔ دوسرے افراد انگیٹھی کے پاس بیٹھے 'بیٹلس' کے پرانے ریکارڈ سنتے رہے۔
گنتیر نے اس رنگیلے بوڑھے ہرسوگ کو اپنا رازدار بنالیا تھا۔ وہ اس انگریز کو پوری کہانی بتاتا تھا کہ کس طرح اپنی سکریٹری سے، صرف پوشیدہ اعضاء تک محدود، اس کا پیار پروان چڑھ رہا تھا۔ وہ

بھورے پتلی لمبی لکیر اور لال بالوں والی عورت ایڈاہو کی رہنے والی تھی۔ ہر سوگ جانتا تھا کہ گنتیر جلد ہی واپس واشنگٹن جانے والا ہے اور وراثت میں وہ لال بالوں والی عورت اسے مل سکتی تھی جو کم سے کم انگریزی میں بات تو کر لیتی تھی۔

اپنی ماں کو خوش کرنے کے لئے، جو بہت رواج پرست اور مذہبی بھی تھی، ایلیسا نے اپنے سے دو سال چھوٹے اس لڑکے کو شادی کرنے کو کہا۔

ان کی برساتی کے پاس ہی بلاسکو دی گارائی اسٹریٹ پر واقع ایک وسیع، سنسان مندر میں ان کی شادی ہوئی۔ وہ جگہ ایلیسا کو بے دم اور ٹھنڈی محسوس ہوئی۔ دولہے کی ماں، ایک فوجی بیوہ، میلیاً سے اور ایلیسا کے والدین پنسلوانیا سے آئے تھے۔ ہر شخص کافی پریشان لگ رہا تھا۔ کیتھولک رسموں اور زبان کی وجہ سے ایک بے تعلقی سی تھی جس نے اُس دن کو اور زیادہ نامراد دن بنا دیا تھا۔

ایلیسا نے خود کو یونیورسٹی کے عام کورس میں رجسٹرڈ کروالیا اور روائکاس کے اوپس اسکول میں ایک انگریزی استانی کی نوکری بھی حاصل کر لی۔

دو سال سے بھی کم وقت میں، ادیبوں والی مایوسی کے چلتے، اس شاعر نے شراب کا سہارا لینا شروع کر دیا، قانون کی پڑھائی چھوڑ دی اور آلبیرتو انگلیر ااسٹریٹ پر واقع فلانکسٹ نوٹری کے دفتر والی نوکری بھی گنوادی۔

ایلیسا میں فطری مادرانہ جذبے کی کمی تھی۔ 26 سال کی عمر میں ہی وہ اپنے کو بوڑھی محسوس کرنے لگی تھی۔ اسے ضرورت سے زیادہ سر نہ چڑھانے، اس کے تخلیقی کام میں مکمل حوصلہ افزائی کرنے اور اسے اس کے ناکارہ دوستوں سے دور رکھنے کے لیے ایلیسا کافی محنت کرتی تھی۔ اسی دوران اسے اسکول اور ضروری روحانی مراقبے سے بوریت ہونے لگی تھی۔ وہ اسکول کی اس زہریلی ڈائریکٹر سے بھی عاجز آچکی تھی جو کہ کلس کلان کی حمایتی تھی۔ وہ سیاہ فام طالب علموں کے سامنے ایک مثال کے طور پر پیش کرتی تھی کہ اوپس سیاہ فام لوگوں تک کی مدد کے لیے اپنا ہاتھ آگے بڑھاتا ہے۔ ایلیسا کو اپنے شوہر کو یہ سمجھانے میں کوئی پریشانی نہیں ہوئی کہ انھیں اب پٹس برگ چلے جانا چاہئے۔

1954 میں آکلینڈ کے جنوب سیکٹر کی ایک یونانی اور سیاہ فام بستی میں وہ رہنے لگے۔ جلد ہی ایلیسا کو اپنی پرانی یونیورسٹی میں ڈاکٹریٹ پروگرام میں پھر سے داخلہ مل گیا۔ اس کے ماں باپ اسے قریب پا کر بہت خوش تھے، بھلے ہی ان کا عجیب داماد انھیں انگریزی میں سلام نہیں کرتا تھا اور ہمیشہ اپنے

کمرے میں اپنی کتابوں، ریکارڈ اور بوتلوں کے ساتھ بند رہتا تھا۔

ایلیسا تقریباً دو سال اسے مزید برداشت کرتی رہی لیکن افیم کی زیادہ مقدار لے کر جب اس نے خودکشی کی کوشش دوبارہ کی تو اس نے طلاق کی مانگ کی۔

لاطینی موسیقاروں اور مصوروں کے ایک گروپ کے ساتھ وہ لڑکا تب ایک گاؤں میں رہنے چلا گیا۔ حالانکہ انگریزی اس نے نیویارک میں بھی نہیں سیکھی لیکن اس کے ساتھ کچھ معجزہ ضرور ہوا۔ دگر جنسیت کے بہاؤ میں اس نے نظموں کی ایک پوری سیریز ہی لکھ ڈالی حالانکہ اس کی ترغیب، فطری طور سے، بیٹس برگ کی ملاتا (ملی جلی نسلیں) سے ہی ملی تھی۔ عورتوں کے ساتھ ہم بستر ہونا اور شراب پینا اب اس نے بالکل چھوڑ دیا تھا۔ اس کی نظموں کے مجموعہ کو مادرید میں انعام سے بھی نوازا گیا، جہاں اس شاعر کو تواری ضمیمے میں مقام ملنے میں کوئی دیر نہیں لگی اور اسے ایک ادیب کی حیثیت سے شہرت بھی حاصل ہوگئی۔

ڈیڑھ سال کے لیے ایلیسا اپنے ماں باپ کے ساتھ رہنے پہنچی، اس نے اپنا تحقیقی مقالہ پورا کیا اور 1957 میں اسے اعزاز کے ساتھ پی ایچ ڈی بھی مل گئی۔

میری لینڈ یونیورسٹی نے اسے ایک معاون پروفیسر کے عہدہ کی پیش کش کی حالانکہ وہ پیش کش اسے اس کے تحقیقی مقالہ کی خوبیوں کی بنیاد پر نہیں کی گئی تھی۔ مقالہ پڑھنے کی زحمت کمیٹی نے اٹھائی ہی نہیں۔ وہ تو دراصل اسپینی زبان پر اس کے اختیار اور پوری دنیا میں اس کے سب سے زیادہ ملائم ہونٹوں کے سبب ممکن ہوا تھا۔

اور اسی سردی والے سیشن کے دوران واشنگٹن میں اپنے ڈین کے گھر پر ایلیسا کی ایک لمبے، قابل، غیر شادی شدہ معاشیات کے ماہر سے ملاقات ہوئی جسے اجوائن کے ساتھ کمتر درجے کا پنیر کھانے کی زبردست لت تھی۔

جب وہ امریکی سفارت خانے لوٹے تو گنتیر نے فوجی گارڈ سے کہا کہ ایک بار وہ اس بلاک کی چاروں طرف چکر لگائے۔ اسے یہ ریاضی باقاعدگی کافی دلچسپ لگی کہ خفیہ پولیس کے غنڈے بلا وجہ ہی ہر آدھے گھنٹے میں اپنی جگہ بدل دیتے تھے۔ اس کی اومیگا میں صبح کے ٹھیک دو بجے رہے تھے۔ اس وقت شاید وہ انھیں اپنی ڈیوٹی بدلتے ہوئے دیکھ سکتا تھا لیکن اسے وہاں کچھ بھی نہیں نظر آیا۔ کافی اندھیرا بھی تھا۔ کرسمس کے دن تھے اس لیے انھوں نے پاس میں ہی کہیں مل بیٹھ کر پینے دینے کا پروگرام

بنالیا ہوگا۔

وہ سفارت خانے کے بلند لوہے کے گیٹ کو پار کر رہے تھے کہ کنتیر کو وہاں باغیچہ کے سامنے کی طرف کی جھاڑیوں میں سے ایک عجیب سی آواز آتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اس نے فوجیوں کو روشنی بجھائے بغیر انجن بند کرنے اور وہیں گاڑی میں انتظار کرنے کا حکم دیا۔ کانپتے ہوئے ایک ہاتھ اپنے اوورکوٹ کی جیب میں ڈالے اور دوسرے سے اپنی پستول کے ٹھنڈے دستے کو پکڑے ہوئے وہ گاڑی سے اترا اور سیدھے جھاڑیوں کی طرف پہنچ گیا۔ وہاں اس نے ان دوغنڈوں کو کچھ عجیب قسم کی ووڈی ایلن نما عینک پہنے ایک پھٹے حال آدمی سے لڑتے ہوئے دیکھا جس کے منہ میں انھوں نے شاید رومال بھی ٹھونس رکھا تھا۔

غصے میں وہ ان کے پاس گیا اور انگریزی میں چلایا۔

''چھوڑ دو اس آدمی کو، یہ سفارت خانے کا کیمپس ہے۔''

غنڈوں نے رومانیائی میں کچھ کہا اور چھوٹے قد کا آدمی جوان کی مضبوط گرفت میں تھا اور جس کی آنکھیں تقریباً باہر نکلنے کو تھیں اور زیادہ زور سے رونے لگا۔ صرف ایک سیکنڈ کے لیے کنتیر کچھ تذبذب میں پڑا لیکن جلد ہی اس نے اپنی پستول باہر نکالی اور گوارانی میں بول پڑا، حالانکہ اس وقت شاید کسی بھی زبان میں بولنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

''دیکھو مجھے غصہ آرہا ہے۔''

وہ یہ کبھی نہیں سمجھ سکا کہ ان غنڈوں پر اس وقت زیادہ اثر گوارانی کا پڑا تھا یا اس کی پستول کا یا اس بات کا کہ اپنی نیم آٹومیٹک بندوق کے ساتھ اس کا فوجی گارڈ پاس آرہا تھا۔ بات جو بھی رہی ہو، نتیجہ یہ ہوا کہ انھوں نے ووڈی ایلن کا چشمہ پہنے اس آدمی کو آزاد کر دیا اور خود بھی وہاں سے نو دو گیارہ ہو گئے۔

رومانیہ کے اندرونی معاملات میں مداخلت کرنے کے الزام میں کنتیر کو ایک ہفتہ کے اندر ملک چھوڑنے کو کہا گیا۔

''میں جا تو رہا ہوں لیکن اپنے ساتھ اس یہودی کو بھی لے جا رہا ہوں۔''

بغیر کسی منصوبے کے کنتیر نے تب کہا تھا۔ بہر حال گھریلو گھوٹالوں کی خبر عام نہ ہو جائے اس لیے رومانیائی افسروں نے کنتیر کے لیے 48 گھنٹوں سے بھی کم وقت میں ملک سے بحفاظت نکل جانے کا انتظام کر دیا اور نئے سال کی شروعات سے قبل ہی وہ دونوں واشنگٹن کے قومی ہوائی اڈے پر پہنچ گئے۔

ہوائی اڈے پر اپنی طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ ایلیسا نے اس سے کہا:

''تم تو ہیرو بن گئے ہو، یہیں! تمھیں کیسا لگا تھا؟''

''مجھے کچھ پریشانی تو ہوئی تھی۔''

اسے گلے لگاتے ہوئے اور اس کے کان کے نیچے اپنی ناک چپکاتے ہوئے گنتیر نے کہا۔ حقیقت یہ تھی کہ ایڈا ہو کی اس لال بالوں والی عورت کی گردن کے مقابلے لیلیسا کی گردن زیادہ نسائی لگتی تھی۔

اگلے ہی مہینے ایک نیا صدر حلف لے رہا تھا جس نے اپنے انتخابی مہم کے دوران انسانی حقوق کے تحفظ کی زبردست حمایت کی تھی۔ 'نیوز ویک' کے پچھلے ہفتے کے شمارے کے سرورق پر گنتیر کا فوٹو شائع ہوا تھا۔ اس لیے نئی حکومت نے عالمی بینک کے صدر کے انتخاب میں اس کی امیدواری پیش کرنے میں کوئی تاخیر نہیں کی۔

□□□

باب:10

دماغ کی تیقن میں نہیں، تضاد میں تربیت کرو۔ انقلاب دراصل شک کرنے کا حق ہے۔ میرے لیے اپنی بغل میں بناؤ جگہ...... یادوں کے متوازی، خوب بڑی سی جگہ جیسے خواہشوں سے جلتا افق، گنگنی جیسے چوری چوری سے تمہارے ہاتھوں کا پیار، میری اپنی جگہ جیسے تمہارے بالوں کی شوخ سرسراہٹ۔ بناؤ اپنی بغل میں میرے لیے جگہ، جہاں میرا درد لیٹے گا...... ارادوں کی پناہ گاہ، جدوجہد سے محفوظ، جہاں ہلاک ہونے والوں کو بھول جائیں...... میری کوتاہ کہانی اور میرے زخم، اگام اور کھاج کھجلی، مسلسل بڑھتی خواہشیں اور یادوں کا ایک پورا سلسلہ...... بناؤ اپنی بغل میں میرے لیے جگہ...... تمہاری بغل میں ہونے کے لیے تمہاری نظر کے ساتھ، بالکل اسی نظر کے ساتھ! تمہارے ہی ساتھ انھیں رگوں سے اپنا لہو بہانے کے لیے اور عوام کے ہتھیاروں سے اپنے دیس کو ایک شکل عطا کرنے کے لیے۔ انھیں خوابوں کے لیے ایک وہی ثبوت...... بناؤ میرے لیے جگہ اپنے بستر میں جہاں میرا درد سما جاتا ہے، بناؤ میرے لیے جگہ اپنی روح میں جہاں تم نے میرے بوسوں کو محفوظ رکھا ہے...... اور تم سے ہی ایک پرندہ یا ایک نغمہ بنانا چاہتی ہوں اور تمہیں یہ بھی بتانا چاہتی ہوں کہ میں تم سے محبت کرتی ہوں!

جب گنتیر کو معلوم ہوا کہ جنرل گونسالیس (جو سانا بریا سے اپنے بال کٹوایا کرتا تھا اور سیرو کا ایک ڈائریکٹر بھی تھا) کا نام فرانسیسکو خاویر بھی تھا تو اس نے اپنے پیچیدہ اور خود کفالتی کے بچکانے جنون کو محسوس کیا۔

ایلیسا نے پہلے ہی گھڑسوار فوج کے صدر دفتر فون کر کے گنتیر کے لیے جنرل کے ساتھ ایک ملاقات طے کرنے کی گزارش کی تھی۔ یہ اگلے دن کے لیے طے ہو چکی تھی۔ فوج کی غیر متوقع

پرائیویسی کے مدنظر یہ سرسری طور پر ایک مثبت اشارہ معلوم ہو رہا تھا۔

گنتیر کو یہ بات اچھی طرح سے معلوم تھی کہ ذاتی طور پر اس نے تقریباً نصف صدی قبل کی فوجی نوکری کے بعد کسی بھی دوسرے فوجی افسر کے ساتھ بات چیت نہیں کی تھی۔ ایک اچھے جرمن کے طور پر، کم سنی کے لطف کے ساتھ اس نے ان تین گرمیوں کے سخت نظم وضبط کا فائدہ ریگستان کی فتح میں اٹھایا تھا جس کے نتیجے میں اسے لیفٹیننٹ کا معزز عہدہ تو ملا ہی، ساتھ ساتھ اپنے سینئر افسروں کی حوصلہ افزا تعریفیں بھی خوب ملیں۔

کبھی کبھی وہ سوچتا تھا کہ اگر وہ پاراگوائی میں ہی رکا رہتا تو شاید فوج کے انجینئرس کور میں نوکری کر رہا ہوتا۔ نوکرشاہ کے طور پر اکثر اس کی جو نکتہ چینی ہوتی تھی وہ یہ تھی کہ اس نے بینک کو بھی بیرکوں کی طرح ہی چلایا تھا۔ اندر ہی اندر اس کو اس تنقید سے خوشی ہوتی تھی کیونکہ واشنگٹن میں پاراگوائی کے لوگوں کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ ان میں شعور کی کمی ہوتی ہے اور کام کرنے میں وہ بالکل خچروں کی طرح ہوتے ہیں۔ گنتیر ویسے کوئی مستثنیٰ نہیں تھا۔ وہ اسے مردانہ غرور کے طور پر قبول کرتا تھا، جو ایک اچھے فوجی کے لیے صحیح خوبی ہے۔ بدزبانی اور گھمنڈ نے رومانیا میں اس کے مختصر سفارتی کیریئر کو خطرے میں تو ڈالا تھا لیکن ریگن انتظامیہ کے بارسوخ حلقوں میں انہی باتوں نے اس کی امیج مستحکم بھی کی تھی۔

ایسا کہا جا رہا تھا کہ سولیداد کسی بھی وقت آزاد ہو سکتی تھی۔ لارائن کی وفات کی یاد اب بہت کم لوگوں کو تھی اور جو ہمیشہ کے لیے ایک راز ہی بنا رہا، وہ معاملہ اب گہرا سیاسی رنگ لے چکا تھا۔ گنتیر کی ڈرپوک بھانجی اب کوریخیس کی سب سے مقبول عورتوں میں سے ایک تھی۔

آماپولا کو ایلیسا اپنے ساتھ وولوو میں پولیس ہیڈکوارٹر لے گئی جہاں وہ کسی اچھی خبر کے انتظار میں بیٹھ گئیں۔

منگل اور چھٹیوں کے کھنڈروں کے بیچ ان لمحوں کی دردناک صلیب پر، تم سے
دور، بڑی بڑی نم آنکھوں والے میرے محبوب، یہ دُکھ مجھے توڑ نہیں سکے گا۔

گنتیر گھڑسوار فوج کے ہیڈکوارٹر ایک ٹیکسی سے پہنچا۔ وہ وہاں ملاقات کے طے شدہ وقت سے 15 منٹ پہلے ہی پہنچ گیا تھا۔ اسے یہ دیکھ کر کچھ تعجب ہوا کہ گونسالیس کی پرسنل سکریٹری ایک غیر فوجی لڑکی تھی۔ بعد میں لوگوں نے بتایا کہ سماجیات کی وہ طالبہ جنرل کی بھتیجی تھی۔

اس کے داخل ہوتے ہی جنرل نے گرجتے ہوئے کہا کہ اس کے پاس وقت برباد کرنے کے لیے نہیں ہے۔ وہ چھوٹے قد کا ہٹا کٹا میستیو تھا جس کی وردی کسی ماہر درزی نے سلی تھی۔ اس کا خاصہ بڑا دفتر، خوب دھوپ والا، قرینے کا اور صاف ستھرا تھا۔ ایسا گنتیر نے صرف بار ایسوسی ایشن کے صدر

کے دفتر میں دیکھا تھا۔

کب جائیں گے ہم سمندری ساحلوں پر اور پہاڑوں کے پار نئے مزدور کی پیدائش، نئے علم کا استقبال کرنے...... کب پائیں گے ہم ظالموں اور راکشسوں سے آزادی، کب ہوگا توہم پرستی کا خاتمہ، کب ہوں گے ہم زمین پر پیدائش کی عبادت کرنے والے پہلے مرد! (آرتھر رمباڈ، 1854-1891 فرانسیسی شاعر)

جب جغرافیہ اپنا رنگ بدلے گا، پیڑ اور زیادہ ہرے بھرے ہوں گے، پرندے اپنے پورے شباب پر، ندیاں اور زیادہ خوش، نیلے اور زیادہ خوبصورت، عورتیں اور زیادہ شاندار اور مرد اور زیادہ بچے ہوں گے، تب کسی کو یاد بھی نہیں رہے گا کہ ماضی کیسا تھا...... اور نا تلخی اگلنے کا وقت ہوگا۔ محبت، محنت، زندگی اور شاعری سے لیس ہاتھوں کے لیے دن کی روشنی ہوگی ...... ان کے علاوہ اور کوئی چاند نہیں ہوگا! ایسی کوئی کتاب نہیں ہوگی جسے کھولا نا جا سکے۔ ہوا میں، کسی بھی گیت کو مسخ نہیں کیا جائے گا۔ نہ کوئی ہونٹ ہوگا جو اپنے خوابوں کا بوسہ نہیں لے سکے۔ انسان سے الگ دیوتا بھی نہیں!

اس طرح ہمیں خود ہی چلنا ہوگا اپنی طرف۔ گلے ملتے ہوئے، خوشبوؤں اور موسیقی سے مدہوش۔ ایک قریبی وطن اور ایک بلند جھنڈے کی طرح خاموش اور دوسروں کے سورج تک پسرے ہوئے۔ کسٹم ڈیوٹی کے دفتروں، پولیس اور سرحدوں کے بغیر زمین ایک پوری مکمل صبح ہوگی! ہم آہنگ تار سے جڑے مادّے۔ زندگی کی طرح مضبوط، امید کا مسکن! صبح کی یہی بے قراری ہے جو ہمیں زمین پر بسائے رکھتی ہے اور ہمیں متحد کرتی ہے۔ ناقابل تسخیر آرزو ہمارے قدم کو غیر حاضری سے آزاد کر دیتی ہے اور دھیرے دھیرے یاد میں مستقبل کو بُن دیتی ہے!

وہ ابھی بیٹھا ہی تھا کہ کنتیر نے ناموں کی یکسانیت کا ذکر کیا۔ اس نے پورے اعتماد کے ساتھ کہا:
''کیا اتفاق ہے کہ ہم دونوں ہم نام ہیں، جنرل صاحب!''
''صرف جنرل اور کچھ نہیں۔''
گونسالیس نے صبر کے ساتھ کہا:

''صرف جنرل اور کچھ نہیں۔ مجھے جنرل صاحب کہنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ میں آپ کا سینئر نہیں ہوں۔ صرف جنرل اور کچھ نہیں۔''

''معاف کریں جنرل صاحب، میرا مطلب ہے، جنرل۔ دراصل آپ نے مجھے فوجی دنوں کی یاد دلادی۔ واہ، کیا خوبصورت دور تھا!''

گونسالیس کو ایک دبی دبی کھانسی آئی اور ایک لمحے کے لیے وہ سردی کی ہریالی میں کھو گیا جو ایک بڑی کھڑکی کے شیشوں پر منعکس ہو رہی تھی اور جہاں سے ڈھکے ہوئے بکتر بند ٹینک دکھائی دیتے تھے۔ گنتیر اس کی آنکھیں نہیں دیکھ پایا، لیکن کالے تمبا کو جیسی آواز میں زرد سایہ سا نظر آیا۔

انتظار کی گھڑی لمبی ہے، اور تمھارے بارے میں میرا خواب ختم نہیں ہوا ہے (جینیو مونتالے 1896-1981: اطالوی شاعر)۔ وہ اس غیر حاضری کو بے کار ہی زندہ رکھتے ہیں کیونکہ تم میرے ساتھ ہو۔ میرا اکیلا پن تم سے بھرا پورا ہے کیونکہ تم مجھے یاد کرتی ہو۔ بیڑیوں کے بغیر میری خاموشی کی صبح ہوتی ہے کیونکہ تم اس خاموشی سے پیار کرتی ہو۔ صبح کے آخری چوراہے پر میرا انتظار کرو...... وہ مجھے زندگی سے معزول نہیں کر سکیں گے۔

''ٹھیک ہے ڈاکٹر، میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟''

''مجھے معاف کر دیجیے جنرل، میں آپ کا قیمتی وقت برباد نہیں کرنا چاہتا ہوں۔ آپ نے جو کچھ بھی سولیداد کے لیے کیا، میں اس کے لیے صرف آپ کی خدمت میں شکریہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ واشنگٹن جا کر اپنے کام میں مصروف ہونے کے باوجود آپ کا یہ احسان میں ہمیشہ یاد رکھوں گا۔''

''فکر مت کرو، میرے دوست۔ میں نے یہ آپ کے لیے نہیں، سانا بریا کے لیے کیا ہے۔''

گونسالیس نے چالاکی کے ساتھ جواب دیا جیسے کچھ کسان اس سفید پوش کو جواب دیتے ہیں جو ان کی ٹانگ کھینچنے کی کوشش کرتا ہے۔

گنتیر نے خاموشی اختیار کی اور کچھ الجھن میں پڑ گیا۔ کچھ لمحوں بعد، اس نے ہکلاتے ہوئے کہا: ''دراصل، میری بہن بہت خوش اور شکر گزار ہے! اسی نے مجھے بتایا کہ میرا مرحوم بہنوئی ہی آپ کا حجام تھا۔''

''وہ میرا دوست اور ایک اچھا انسان تھا۔''

''ہاں، بالکل صحیح جنرل۔''

''لیکن وہ بیچارہ تھوڑا شدت پسند تھا۔''

اپنی لمبی پیلی انگلیاں چلاتے ہوئے گنتیر نے کہا:

''ہاں، لیکن سیرو کے حمایتی ہمیشہ ایسے ہی ہوتے ہیں۔ یہ کھیل ہمیشہ اپنے چاہنے والوں کو جوش دلاتا ہے، لوگوں کو اپنے ساتھ بہالے جاتا ہے! اس لیے وہ اسے 'چاکاریتا طوفان' بھی کہتے ہیں۔ آپ تو ایک عمدہ ڈائریکٹر بھی رہ چکے ہیں۔''

''نہیں، میرا اشارہ اس کے سیرو حمایتی ہونے کی طرف نہیں ہے بلکہ اس کے انارکسٹ ہونے کی طرف ہے۔ وہ تھوڑا شدت پسند تھا۔''

''اوہ، جو بھی ہو میرے جنرل صاحب، میرا مطلب ہے جنرل، میں نہیں جانتا کہ لوگ اتنی ساری دلچسپ سرگرمیوں کے باوجود سیاست میں کیوں گھستے ہیں۔ فطرتاً میں نے تو اسے ہمیشہ ناپسند کیا ہے۔''

''ہمیں گھونسلے کی نہیں، انڈوں کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔''

''بات یہ ہے میرے جنرل صاحب، کہ بیچارے سانابریا کی کوئی خاص تعلیم نہیں ہوئی تھی۔ اس نے تو کالج کی پڑھائی بھی پوری نہیں کی تھی۔''

''اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میرے پاس تو ایم اے سمیت کالج کی تین ڈگریاں ہیں اور میں خود کو اس سے بہتر نہیں مانتا ہوں۔ ایسی بات نہیں ہے۔''

''ارے نہیں، جنرل صاحب، مجھے آپ کی شاندار قابلیت کا اعتراف ہے۔ موازنہ ہو ہی نہیں سکتا...... یہ تو 'مافالدا' (لاطینی امریکا میں عام طور پر شائع ہونے والا عورتوں کا کارٹون) کا موازنہ 'ماخا ویستیدا (اسپین کے مشہور مصور، 'گویا' کے ذریعہ آلبا کے ڈیوک کی بیوی کی بنائی گئی تصویر) کے ساتھ کرنا ہوا۔

تم میں میری شام ہونا، خود سے خود کو بھلا دیتی ہے، اور پھر مجھے خبر ہی نہیں رہتی کہ کون چلا جاتا ہے اور کون رہ جاتا ہے (ایوخینیو مونتالے)...... اس گھر کو کسی نہ کسی دن اپنے دروازے کھولنے ہی ہوں گے۔ ایک تیز انسانی ہوا اس سے بغیر تالے کے محبت کرے گی۔ عوام کے ہاتھ چابیوں کو ہٹادیں گے۔ جلد ہی اس کھڑکی پر صبح کے تھپیڑے ہوں گے...... تب لوگ امید کی آزاد دہلیز سے آئیں گے جائیں گے، جیسے اتوار کی صبح صدر دروازے سے۔ ہم جو باہر نکلیں گے تو

پھول جیسے ہونٹوں کے ساتھ نکلیں گے۔ ہم جو اندر آئیں گے تو باہیں پھیلائے
لوٹیں گے۔ دیکھنا اس ابدی پہرے داری میں تم میرے ساتھ رہوگی۔ میں
صرف اور صرف تمھارے ساتھ اندر آسکتی ہوں، باہر جا سکتی ہوں۔ میرا یہ گھر،
آدمی کا گھر ہے جہاں ہیں صبح کا اعلان کرتی ایک بچے کی نظریں، ایک دور تک
پھیلی خاموشی کا قیدی راز اور یادوں کی کھال۔ میرا گھر، بس اس ٹوٹے دائرے
سے زیادہ، زنگ آلود ٹائم ٹیبل کی ایک غیر محدود رات ہے...... آزادی ہم ہی
ہیں اور جب تم میرے ساتھ ہوگی، صبح بھی تب ہی ہوگی!

''میرے بچوں کو 'مافالدا' بہت اچھا لگتا ہے چاہے کپڑے پہنے یا بالکل برہنہ رہے، جیسا کہ سان مارٹن کہتے تھے۔ ڈیوک بیویوں کو صرف ریاکاروں سے جماع کرنا آتا تھا۔ میں آپ کو ایک بات بتاؤں گا۔ سانابریا کو قدرت سے ہی دانش مندی کا عطیہ ملا تھا۔ ایسا لگتا ہے کہ آپ اسے اچھی طرح نہیں جانتے تھے۔''

گنتیر نے کچھ شرماتے ہوئے کہا:

''دراصل، اتنا زیادہ نہیں۔ لیکن وہ مجھے کافی پسند تھا۔ وہ بہت اچھی فطرت کا شخص تھا۔ بڑی ہمدردی ہوتی ہے کہ اسے اپنی بیٹی کی پرورش کرنا نہیں آیا۔''

''آپ ایسا کیوں کہہ رہے ہیں؟''

''ارے...... جیسے کہ وہ عجیب وغریب چیزوں میں پھنسی ہے۔ پہلے وہ ہیگ کا چکر، پھر اس سینٹرل امریکی کی عجیب وغریب موت...... حالانکہ مجھے پورا یقین ہے کہ اس غریب لڑکی کا اس سے کچھ لینا دینا نہیں ہے!...... اور آخر میں اپنی اس دوست کے ساتھ وہ عجیب وغریب باتیں...... ہیں نا؟ لیکن میری بیوی واشنگٹن میں ایک بہترین ماہر نفسیات کو بہت اچھی طرح جانتی ہے۔''

''خیر، سانابریا رواجوں کا مخالف تھا۔ اگر فروری پارٹی اقتدار میں آئی ہوتی تو وہ کچھ مہینوں میں ہی بدل گیا ہوتا۔ اس کی بیٹی کی پیدائش وقت سے قبل تو نہیں ہوئی تھی۔ ویسے ہے وہ اسی کی طرح۔ لیکن بھونکنے والے کتے کاٹتے نہیں ہیں۔''

''جنرل صاحب، پریشانیاں تب پیدا ہوتی ہیں جب ماں باپ اپنے بچوں کے نظریے پر قابو نہیں رکھتے۔ میں جب بخاریسٹ میں تھا......''

گونسالیس نے درمیان میں ٹوکتے ہوئے پوچھا:

''آپ کے کتنے بچے ہیں؟''

''اصل میں، ہم نے صرف ایک بٹی کو گود لیا ہے۔ نئی نسل میں صرف سولیداد ہی سفید فام گنتیر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ......''

''میں اسے جانتا نہیں ہوں، کہنے کا مطلب ہے کہ میں نے اسے ایک آدھ بار ہی حجام کی دکان سے گزرتے ہوئے دیکھا تھا۔ مجھے وہ یاد ہے۔ وہ اپنی ماں کی طرح گوری نہیں ہے لیکن بہت خوبصورت اور عقلمند ہے۔ آپ تو اسے اچھی طرح جانتے ہی ہوں گے؟''

''بہت زیادہ نہیں۔''

''آماپولا نے مجھے بتایا تھا کہ آپ لوگوں کے ساتھ تو وہ واشنگٹن میں سردیوں یا پھر گرمیوں میں رہ بھی چکی تھی۔''

''ہاں، لیکن ہمارے درمیان زیادہ باتیں نہیں ہوتی تھیں۔ ویسے اب میں اسے صحیح راستے پر لے آؤں گا۔''

''میں یہی امید کرتا ہوں...... لیکن اس کے بارے میں زیادہ فکرمت کرو۔ نوجوانوں میں احتجاج کا جذبہ فطری طور پر موجود ہوتا ہے۔ میں تو بہت ہی شیطان تھا اس لیے مجھے ایک فوجی اسکول میں ڈال دیا گیا تھا۔''

انھوں نے مجھے ہتھکڑیاں پہنا دیں۔ وہ سوچتے تھے اس سے میری توہین کریں گے۔ ہتھکڑیاں کیا کریں گی؟ میری عید تو تمھارے گالوں کے گڈھے ہیں۔
میرے لیے اور کوئی خوشی ہے ہی نہیں۔ وہی تو ہیں میری ہتھکڑیاں۔

''پھر بھی جنرل صاحب، بیرکوں جیسا نظم وضبط اور کہاں ہوسکتا ہے؟ کتنے افسوس کی بات ہے کہ سولیداد کو ہم فوج میں داخل نہیں کر سکتے ہیں! وہاں تو بدترین دماغ کو بھی سدھار لیا جاتا ہے!''

گونسالیس نے اپنی گھڑی میں دیکھا اور کہا:

''ہاں...... اچھا، ڈاکٹر مجھے لگتا ہے کہ کچھ اور لوگ میرا انتظار کر رہے ہیں...... اور کچھ؟''

''نہیں، جنرل صاحب آپ کا بہت بہت شکریہ، مریم آپ کی مراد پوری کرے۔ مجھے لگتا ہے کہ اب سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ آماپولا اور میری بیوی پولیس اسٹیشن میں میرا انتظار کر رہی ہیں۔ وہ شاید آج ہی رہا کر دی جائے گی۔ ہے نا؟''

''ہاں، مجھے بھی یہی لگتا ہے''

تمھیں اپنے ساتھ لے چلوں گی کیونکہ تم ہی ہو میری روح، میری آہٹ، میری

رہنما، میرے ہونے کا احساس، اس دنیا میں ابھی بھی موجود ہونے کا میرا شعور،
میرا پیار۔ تاروں کے نقشے کی طرح زندگی کا سفر ساتھ ساتھ طے کریں گے ......
سمندری کیڑے کو محسوس کرتی انگلیاں، خفیہ اور سنہری نقش نویسی، نرمی کی آخری
فلکیات! صبح صرف تمھاری آنکھوں میں تیرتی ہے۔ صرف تمھارے ہاتھ پیار
کرتے ہیں۔ صرف تمھارے ہونٹ مجھے بوسہ دیتے ہیں اور میرا نام پکارتے
ہیں۔ تمھیں اپنے ساتھ لے چلوں گی! تمھارے بغیر نہ میں کہیں جا سکتی ہوں اور
نہ رہ سکتی ہوں۔

''جنرل صاحب، ہم آپ کے بہت احسان مند ہیں۔''

''ارے نہیں، بالکل نہیں۔ حکم ہمیشہ عاملہ سے ہی آتا ہے۔ میرے کام تو پوری طرح سے پیشہ ور ہوتے ہیں۔ میں کوئی سیاست داں نہیں ہوں۔ آپ میرے مقروض قطعی نہیں ہیں۔''

''جنرل صاحب، میں آپ کی انکساری کا قائل ہوں۔ آما پولا ہمیشہ یاد کرتی ہے کہ مرحوم سانا بریا کا خواب تھا کہ آپ بہت اونچے...... ہاں، چوٹی پر پہنچیں! آپ جانتے ہیں کہ فوجی اکثر سیاست دانوں سے کہیں بہتر سیاست داں نکلتے ہیں۔''

''دیکھا جائے گا ڈاکٹر، ہر آدمی کو وہی کرنا چاہئے جو وہ کرنا جانتا ہو۔ ہم فوجیوں کو اپنے بیرکوں میں ہی رہنا چاہئے۔ اور ویسے بھی میں بڑے بڑے خواب دیکھنے والا آدمی نہیں ہوں......''

کنتیر نے کچھ دیر انتظار کیا تاکہ جنرل اپنا جملہ پورا کر لے اور پھر اس نے احتیاط سے کہا:

''اچھا؟''

''اوہ، لگتا ہے کہ میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ تمباکو، ہمیشہ کی ملزم! آپ سگریٹ پیتے ہیں؟''

''ہاں کبھی کبھار بہت ہلکی سگریٹ لے لیتا ہوں۔''

''سگریٹ مت پیو، میرے دوست۔ میں اس کا مشورہ نہیں دوں گا۔''

اس نے گرمجوشی سے ہاتھ ملایا اور پورے جوش کے ساتھ اپنے دفتر کا دروازہ کھولا۔ گلابی چہرے کا ایک اردلی چاک و چوبند کیفیت میں کھڑا ہو گیا۔ گونسالیس نے اسے کنتیر کے ساتھ جانے کا حکم دیا۔

''جی حضور!''

جوان نے زور سے ایسے کہا جیسے اسے خدا سے حکم ملا ہو۔

''اچھا، الوداع گنتیر ۔ یہ جوان آپ کو میرے ہیلی کاپٹر میں لے جائے گا۔ بس آپ کو پتہ بتانا ہوگا۔''

اپنا ہاتھ ہٹائے بغیر، وہ اپنے ہونٹ گنتیر کے کان کے پاس لے گیا حالانکہ وہ جنرل سے کافی لمبا تھا، اور پھسپھساتے ہوئے بولا:

''...... اور اگر ہم ایک دوسرے سے پھر نہ مل پائیں تو اس لڑکی سے کہنا کہ میں اس کے والد سے بہت محبت کرتا تھا۔''

تمھاری خاطر، میری پیاری، میں سب کچھ دے دیتی۔ اپنی زندگی، اپنے لفظ،
پوری طرح۔ تم جو کچھ مانگو یا جو نا بھی مانگو، سب کچھ۔ میں تم سے پیار کرتی ہوں،
اور اتنا ہی کافی ہے۔ بقیہ تو شاعری ہے!

□□□

باب :11

کوریخیس پولیس ہیڈکوارٹر کے ایک خاموش گوشے میں آما پولا اور ایلیسا ایک لوہے کی بنچ پر بیٹھ کر چپ چاپ انتظار کر رہی تھیں۔ عوام کے لیے عمارت کے دروازے تقریباً طلوعِ آفتاب پر ہی کھولے جاتے تھے۔ وہ ان گمنام چہروں کو دیکھ رہی تھیں جو ڈرائیونگ لائسنس کی میعاد بڑھانے، جرمانہ بھرنے، قانونی فارم خریدنے اور گیت یا پوسٹر چپکانے کی اجازت لینے کے لیے وہاں چکر کاٹ رہے تھے۔

آما پولا کانپتی انگلی سے مریم کی درگاہِ مقدس کی تسبیح گن رہی تھی۔ اس درگاہ میں اس نے ہر طرح کی منت مانگی تھی اور ہر طرح کا قول کیا تھا۔

دوپہر کے قریب، ایلیسا کو بھوک محسوس ہوئی اور اس نے آما پولا سے بھی پوچھا کہ وہ کچھ کھانا چاہے گی۔ ہلکی آواز میں، عبادت ترک کیے بغیر، بیوہ کے کالے صافے میں بیٹھی اس کی نند نے سر ہلا کر منع کر دیا۔

تب ایلیسا اٹھی اور اپنا منک (اود بلاؤ کے فر کا بنا کوٹ) پہن لیا۔ اپنا کارٹیر پرس، جو اس نے وینڈوم اسکوائر میں خریدا تھا، کندھے سے لٹکایا، ساؤل بیلو کے جس ناول کو وہ پڑھ رہی تھی اسے وہیں بنچ پر رکھا اور آما پولا کو جگہ محفوظ رکھنے کو کہا۔

سردی کی دھوپ کے باوجود سڑک پر تیز ہوا چل رہی تھی۔ ایلیسا نے احتیاطاً اپنے کوٹ کا کالر اوپر کیا اور دستانے پہن لیے۔ جیب میں ہاتھ ڈالے، اس سڑک پر تیز قدموں سے چلنے لگی جہاں سے میونسپل کا پرانا تھیٹر نظر آتا تھا۔ وہ کھانا جلدی تیار کرنے والے ایک فاسٹ فوڈ ریستوراں 'لوڈو بار' کی طرف بڑھی جو پولیس اسٹیشن سے دو بلاک کی دوری پر تھا۔ 'لوڈو بار' کے ٹھیک سامنے مشہور انسانوں کی قبریں تھیں جہاں کوریخیس کے ہیرو اور پڑوسی ملکوں کے کچھ لیڈر، جن کی موت جلاوطنی میں ہوئی تھی، اپنے ابدی خواب کے ساتھ سو رہے تھے۔ قبرستان کی سیڑھیوں پر کچھ میلے کچیلے، ننگے پاؤں چلتے لوگ اسمگلنگ کی جاپانی گھڑیوں کی ہانک لگا رہے تھے۔

ایلیسا 'لوڈو بار' میں داخل ہوئی۔ لے جانے کے لئے، کافی اور سینڈوچ کا آرڈر دیا۔ اسے انھوں

نے ایک ٹوکن دیا۔ اسے وہاں کافی دیر انتظار کرنا پڑا کیونکہ سرکاری ملازموں کی وہ پسندیدہ جگہ تھی اور اس وقت وہ انھیں سے بھری ہوئی تھی۔ کچھ خریدار اسے دلچسپی کے ساتھ دیکھ رہے تھے شاید ایک عام دن کی دوپہر میں منک کوٹ پہننا عیاشی سے کم نہیں تھا۔ اس سے وہ تھوڑا شرمندگی محسوس کر رہی تھی۔ یہ سوچتے ہوئے کہ جنوب کی آب و ہوا عام طور پر اتنی ٹھنڈی نہیں ہے، اس نے دوسرا کوٹ یہاں نہیں لاکر غلطی کی تھی۔

آخر میں وردی پوش ملازموں کے ذریعہ کاؤنٹر پر اس کے لیے رکھا گیا کھانے کا بیگ اس نے اٹھالیا۔ ایلیسا نے ان سے پوچھا کہ کیا وہاں کوئی فون ہے۔ ویٹر نے اسے اشارے سے بار میں پیچھے کی طرف رکھا فون دکھایا۔ ایلیسا نے کچھ سکے ڈال کر گھر کا نمبر گھمایا۔ اس نے راحت کی سانس لی جب گنتیر نے فوراً جواب دیا۔ اس نے کہا کہ وہاں انھوں نے اب تک کچھ بھی نہیں سنا۔ پھر اس نے پوچھا کہ جنرل گونسالیس کے ساتھ اس کی بات چیت کیسی رہی؟ 'بہت اچھی' گنتیر نے کہا۔ ایلیسا نے مسکراتے ہوئے فون رکھا دیا۔ اس سے ظاہر تھا کہ اس کا شوہر خوش تھا۔ گنتیر نے کہا کہ وہ لوگ لڑکی کے ساتھ فوراً گھر لوٹیں۔ بیچ میں کہیں بھی خریداری کے لیے نہیں رکیں کیونکہ وہاں شیمپین انتظار کر رہی تھی۔

ایلیسا لنچ بیگ کے ساتھ 'لوڈؤ' سے چل پڑی۔ وہ جانتی تھی کہ کافی ٹھنڈی ہو جائے گی پھر بھی سڑک پار کر قبرستان کی طرف جانے سے خود کو روک نہیں پائی ...... یہ فرانسیسی طرز کی عبادت گاہ تھی جس کا ڈیزائن پچھلی صدی میں ایک اطالوی معمار نے قدیم پیرس کی پہاڑی پر بنے ساتنا کھینوویوا کے مطابق تیار کیا تھا۔ اُسے میونسپلٹی کے ضدی برش کے ذریعہ بھورے رنگ میں پوتا گیا تھا۔ اس کے رومانٹک گنبد کا ہوا میں لہراتا کراس سردیوں کے آسمان کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ ایلیسا نے اس کی سیڑھیاں طئے کیں۔ لمبا موٹا، دانے دار لکڑی کا بروق گلکاری والا دروازہ نصف کھلا تھا۔ منت کی لو اور پوری وردی میں بچوں جیسے دو فوجی اس کی حفاظت کر رہے تھے۔ اندر کی روشنی میں جلتے موم کی ہلکی بو پھیلی تھی۔ بھڑکیلی پوشاک میں وہاں بزرگ سیاحوں کی ایک جوڑی، مورتیوں یا مریم کے نیلے ملبوسات کی تاریخی اہمیت پر پرتگالی میں بات کر رہی تھی۔ مندر کے بالکل وسط میں، ٹھیک گنبد کے نیچے، ایک بیضوی قبرگاہ تھی۔

ایلیسا نے سوچا کہ یہی ہیں ملک کے بانی، سبھی مرد، ایک ایسے ملک میں (ریاست متحدہ، پاراگوائی، اروگوائی کا مشرقی ساحل) جس کی تعمیر ان کی ماؤوں نے کی تھی! ان ماؤں کی ہڈیاں کہاں ہیں؟

اور تم دیکھ ہی رہی ہو، کامریڈ، وطن عزیز تو شعلوں سے گھرا ہے۔ اپنی نظر اور اپنی
خالی گاگر، اپنے تھکے ہوئے پل اور پیشانی پر چھلکتا پسینہ ہمیں قرض دے دو۔
آگ اور سفید ہاتھوں والی عورت! تمھارے ہی بیٹے تھے مہم کے پیچھے۔ تمھاری
آنکھوں پر چشمہ اور رکے ہوئے آنسو ہیں۔ ہم چاہیں گے کہ تمھارا جسم لکڑی کا
ہو اور ایک نئے دور کا چمکتا حمل۔ مظلوم اور خاموش عورت! جاری رکھو اپنے
کمزور، لمبے اور غیر واضح مہم کو، مت بھولو کہ ہم اس لیے گاتے ہیں کہ شہیدوں کے
جھنڈے کو ہم اٹھائے رکھنا نہ بھولیں۔ یاد رہے، میری دوست، ہم میں سے لہو
لہان ہی فتحیاب ہیں اور جنگ انھوں نے ہی جیتی ہے۔ اور سنو کامریڈ، بیج زرخیز
ہے کیونکہ زمین کے اندر ہم انتظار کر رہے ہیں!

ایلیسا نے قبرگاہ کی ریلنگ پر اپنے دستانے اور دوپہر کے کھانے کے بیگ کو لٹکا دیا۔ کوٹ اس نے پہنے رکھا کیونکہ عمارت کے اندر باہر سے زیادہ سردی تھی۔ باہر کم سے کم دھوپ اور خشکی تو تھی۔ کھردرے پتھر کی ریلنگ پر اس نے کہنیاں ٹکائیں اور نیچے تابوتوں کے ڈھیر پر اپنی نظر دوڑائی۔ ہر ایک پر تانبے کی پلیٹ لگی تھی جس پر ہیرو کا نام کندہ تھا لیکن ایلیسا کی بڑی بڑی سبز آنکھیں بھی اتنی دوری سے عبارت پڑھنے کے قابل نہیں تھیں۔ وہ جانتی تھی کہ وہاں دفن لوگوں کے درمیان دو پاراگوائی کے بھی تھے۔ ایک ڈاکٹر ایوسیبیو آیالا، لبرل پارٹی کا صدر، جس نے چاکو جنگ کے دوران پاراگوائی کی قیادت کی تھی اور اپنے ملک کے لیے تقریباً کیلیفورنیا کے رقبے کے برابر زمین واپس حاصل کی تھی۔ پھر بھی اسے جلاوطنی کی موت ملی۔ ایلیسا نے اپنے پرس میں چشمہ ڈھونڈا، اسے پہنا اور پیتل کے پلیٹوں کو پڑھنے کی کوشش کی۔ آخر میں اس نے پاراگوائی کے دوسرے ہیرو، مارشل فرانسیسکو سولانو لوپیس کو بھی ڈھونڈ لیا جس کی لاش کو کولمبس کی طرح دو الگ الگ جگہوں پر دفنایا گیا تھا۔

آسن سیون شہر کی ناراض میونسپل نے دعویٰ کیا تھا کہ لوپیس کا اصل جنازہ اس کے قومی میوزیم میں ہے۔ لوپیس کی موت، پاراگوائی کے دور دراز شمالی کنارے پر میدان جنگ میں 1870 میں ہوئی تھی اور اس کی بیوہ میڈم ایلیسا لنچ نے اس ڈر سے کہ کہیں برازیل کے فوجیوں کی بھیڑ اسے ناپاک نہ کر دے، اسے وہیں دفن کر دیا تھا۔ ساٹھ سے زائد سالوں بعد اس کے نام نہاد باقیات کو کھود نکالا گیا اور انھیں حسب دستور آسن سیون کی قبر میں منتقل کر دیا گیا۔ 1970 میں ایک قیطلونی ماہر کی قیادت میں یورپی جیسوائٹ سائنسدانوں کی جماعت نے آسن سیون میں رکھی گئی ہڈیوں کی باریکی سے جانچ کی جس سے پتہ چلا کہ وہ ہڈیاں ایک لاطینی لڑکی کی تھیں، لوپیس کی نہیں۔ اس کے بعد ہی سیرو کورا علاقے

کے شمال میں، جہاں آخری جنگ ہوئی تھی، صبر کے ساتھ تلاش و جستجو شروع کی گئی۔ تین سال کی سخت محنت کے بعد کچھ ہڈیاں ملیں۔ جن کی جدید جانچ سے معلوم ہوا کہ مارشل لوپیس کی اصلی ہڈیاں وہی تھیں۔ پاراگوائی کے افسروں نے اس سائنسی کھوج کو ملک کی بے حرمتی قرار دیا اور جیسوائٹوں کو ان کے خوردبین آلات اور ہڈیوں کے بکسے کے ساتھ باہر نکال دیا۔ فادر کاسیریس نے ایک جیسوائٹ کے طور پر، جو خود بھی اس جماعت سے منسلک تھا، لوپیس کی ہڈیوں کو اپنے بشپ قبرستان میں عارضی جگہ دی۔

ایلیسا جانتی تھی کہ یکم مارچ 1870 کے دن، پورے امریکی براعظم کی تاریخ میں، روزویلٹ اور آلیندے سے بھی پہلے، مارشل لوپیس ہی وہ پہلا صدر تھا جو دشمن سے لڑتے ہوئے اپنے دفتر میں شہید ہوا تھا۔ دنیا کی سب سے بڑی وکٹوریائی سلطنت کے خلاف پانچ سال سے جاری جدوجہد کے بعد اپنی اس پھٹے حال فوج کی پہلی صف میں، جس میں جگوار کی پوشاک میں زیادہ تر بچے اور عورتیں تھیں، لوپیس شہید ہوگیا تھا۔ آخری چوٹ سے پہلے وہ چیخا تھا' میں اپنے ملک کے ساتھ مر رہا ہوں!' ایسا لگتا ہے کہ آج بھی اس کی وہ چیخ پتھر کی ان خاموش اور ٹھنڈی دیواروں میں گونج رہی ہے۔ سننے دو بولیووار کی آواز جو کہہ رہی ہے:

> پورا امریکی براعظم ہمارا ملک ہے۔ مارتی کے گھڑیالوں کو عظیم ندیوں سے تیر کر آنے دو۔ لاطینی امریکی نژاد کے خوارس کو بھی اپنے خچر پر سوار ہو کر آنے دو۔ ستاروں اور گیت سے لیس سکرے کو بھی اترنے دو پہاڑوں سے۔ لال گھوڑوں پر سوار مرانڈا کے دستوں کو بھی گرجنے دو۔ اوہگنس کے جانبازوں کی برہم پیشانی کو برق میں بدلنے دو...... جدید جیسوائٹ سورج کو سلام کر رہے ہیں تاکہ وہ مسلسل چلتا رہے۔ اور لنکن کا دیس ماضی کے لہولہان جلوسوں کو بھول رہا ہے۔ آرتیگاس کا مسلسل چیختا گلا آج گھاٹی کی گونج کی طرح ہے۔ وطن عزیز یا موت! مشرقی ساحل کے میرے نوزائیدہ امریکا۔ پہاڑوں میں ساندینو، بندوقیں، صبح، موسیقی اور کراس...... ایک گھڑسوار کی سرپٹ آواز ڈھول کی دنیا کے درمیان پاس سے آرہی ہے! وہ سپاٹ ہے! کنگال کا بھائی، دیس کا فیاض کپتان۔ یہی ہیں وہ لوگ جو اپنی پیشن گوئیوں سے متاثر کرنے اور پکے ثبوتوں کے ساتھ ہمارے پاس آرہے ہیں۔ یہی ہیں وہ جو عوام کے فرانسسکو، عوام کے

سولانو کے پیچھے کھڑے ہیں، جبکہ لوپیس بھی کے وطن عزیز کے مقصد کے لیے وقف، جو تمھارا بھی ہے اور میرا بھی۔ سیرو کورا (’سہ فریقی معاہدہ جنگ‘ کی آخری لڑائی جس میں سولانو لوپیس کی موت ہوئی) تم تو تاریخ کی بے تھاہ سڑکوں پر ننگے گھوم رہے ہو! ماضی اور گرم دوپہر، افواہ جو بدقسمتی میں بدل گئی! مارچ کی پہلی تاریخ کو وہی جدا ہو گئے جو تمھیں زندگی دینے چلے تھے...... اور زندگی ملی بھی تو اس دن جس دن ملک لڑتے لڑتے مر گیا۔ بہت بڑا دیس! کل ہم ایک آزاد اور متحد امریکا ہوں گے۔ لوپیس کا عہد! جب پورا امریکا اپنے کمزور لفظوں کے ساتھ لڑا۔ عہد لوپیس جب ساہوکاری اور گندگی کی دھار والی تلوار لٹکنے لگی! عہد لوپیس جب سورج نے ہی کر دی ایسی کی تیسی اور پھر موت، موت، موت، موت......

ارجنٹینا کے جنرلوں کا فاکلینڈ کے عمل میں مرنا یا کسی بھی لحاظ سے کسی اور میدان جنگ میں مرنا، ایلیسا کی سمجھ سے باہر کی بات تھی۔ آئیالا اور لبرل پارٹی کا اس کا کامریڈ، مارشل خوسے فیلکس ایستی گاربیا بھی ملک کے لیے زندہ رہا اور اپنے ملک کے لیے مرا اور لوپیس سے مختلف نئے سامراج کی طاقتوں کے خلاف جیت کی عظمت بھی حاصل کی۔ ایلیسا نے لیکن اپنے دل میں پہلے والے مارشل کے متعلق ایک رومانٹک اور پراسرار قربت محسوس کی۔ ایسا صرف اس لیے نہیں کہ پیرس کے سیلون سے ایک آئرلینڈ کی عورت کو وہ اپنے ساتھ لے آیا تھا جس کا نام اور آنکھیں بالکل ویسی ہی سبز تھیں جیسی ایلیسا کی (شاید ایک اتفاق کیونکہ اس حقیقت کا پتہ اس نے خود ہی لگایا تھا، گنتیر نے تاریخ کے بارے میں اسے کبھی کچھ نہیں بتایا تھا) یہ احساس اس لیے بھی کہ داڑھی والے اس آدمی میں ایک جگو ار تھا، اس کی نظر میں ایک اداس آگ تھی جس کا پیلا پن قدیم دور کی تصویر میں ممکن نہیں تھا۔ وہ اپنے پیچھے چھوڑ گیا تھا پری اور بھوت کی ایک دلکش کہانی...... فرشتہ صفت اور جارحانہ، نرم دل اور سخت، کیتھولک اور انقلابی، شہری اور جنگلی، مستند اور فرانس کا مداح، عورتوں سے نفرت کرنے والا اور شائستہ، دیوونیسین اور اپولونین، ہیرو اور ہیرو مخالف لاطینی امریکی جس کا شمالی امریکی تاریخ داں غلطی کیے بغیر درجہ بندی نہیں کر سکتے ہیں کیونکہ وہ ان کے کتابی معیار اور نمایاں توہمات کو رد کر دیتا ہے...... جو اچھائی اور برائی پر، مہذب اور ظالموں پر مرہم لگاتا ہے، جو ہے اس تابوت میں جمع۔ وہ راکھ جو وہاں پر رکھی ہے جو اس کی تھی اور نہیں بھی...... اس میں چنگاری ابھی بجھی نہیں تھی۔

یہیں سے گاتے ہیں ہم ان کے لیے۔ ان کے نام پر ہمارا ملک! بہادر، معزز کامریڈ کے طور پر ان کا نام۔ کاوچوئی (گوارانی میں جس کا مطلب ''تتیا'' ہوتا ہے۔ 'سہ فریقی معاہدہ جنگ' کے دوران شائع ہونے والا اخبار پاراگوائی کی جنگ کی حمایت کرتا تھا۔) وہ نغمہ، وہ سنتری۔ ہم بھی وہی چیخ ہیں، وہی سورج جس نے ہمیں پیدا ہوتے دیکھا، یہیں اس صفحہ کی بغل میں! تالاویرا (نتالیسیو تالاویرا، 1839-1867: پاراگوائی کا شاعر)، جدوجہد میں لگے شاعر۔ لہو کی جلتی جڑوں سے نکلے ہیں ہم۔ زمان ومکان سے آزاد، کبھی نہ ختم ہونے والی نظم ہے وطن عزیز۔ ہم نہ کبھی تمھاری موت کی نظمیں بھولیں گے اور نہ نظم کی روزانہ موت۔ ایک مٹھی میں بند تمھاری ترچھی نظر، تمھاری مثال کی چٹان۔ وہ کشتیاں، وہ رات، ان پر سوار ہونا، پانی کے جنگجو، بڑھتے چلو! تمھاری پیٹھ میں لگی گولیاں، تمھاری لہولہان بغل۔ اگنا سیو خیس ('سہ فریقی معاہدہ جنگ' کے دوران برازیل کی فوجی ٹکڑی پر ناکام حملہ کرنے والی پاراگوائی کی سول ٹکڑی کا لیڈر) اور تمام جانبازوں! ہم تمھارا سایہ ہیں جب تم لڑ رہے ہوتے ہو۔ درد کے باوجود تمھارے ہاتھ تنے ہوئے ہیں۔ تمھاری رگوں میں محروموں کے گیوارا لیچ، خینیس کی توانائی کے ذخائر ہیں ہم۔ تمھارے چہرے پر ایک ہی آنکھ ہے، کیونکہ وہ نظر رکھتی ہے۔ رات کا اندھا دیوتا، ہمارا ہمدم! بغیر دوغلے پن کے دیکھو ہمیں زمین کی طرح۔ فتحیاب جیسے کہ پورا ملک، ثلاثہ فی الواحد جیسے کہ خدا۔ وہ چلے گئے بنے رہنے کے لیے جیسے کہ ایک اسپاتی فرشتہ۔ آج کروپائتی (پاراگوائی کی فتح کا ایک اہم مقام) کا دن ہے اور ہم ایک ساتھ ہیں۔ دن کے اس سفر میں دون خوسے، میں تمھارے ساتھ ہوں کیونکہ تمھیں سے ہیں امیدیں آخری کوششوں کی، صبح کی، پھر سے گٹار بجنے کی...... اور ہمارے دائمی دوست، ہم ہوں گے تمھارے ساتھ۔ کروپائتی کے میستیسو، جگواراور روز حشر! آرتیگاس (خوسے خیرواسیو آرتیگاس، 1764-1850، پاراگوائی کی تحریک آزادی کا اہم لیڈر) دی آس (خوسے دی آس، 1833-1867، کروپائتی جنگ کا جنرل اور جو بعد میں ایک حملے میں شہید ہوگیا تھا)، اور فلوریس (خوسے آسن سیون،

فلوریس 1972-1904 ، گوارانیا موسیقی کا بانی ، جلاوطنی میں موت)...... تینوں خوصے طلوع ہوئے سورج کے لیے اپنی کھڑکی کھلی چھوڑتے ہیں۔ پیچھے پیچھے نیا انسان ، خوشی ، مناسب فیصلہ، پتھر کی عظمت ، پانی کی سرحد اور گرمیاں۔ فرانسیسکو ،سولانو اور لوپیس کے نام پر یہ سب ہونے ہی دیں!

چرچ کی گھنٹی نے اسے چونکا ہی دیا۔ ایلیسا نے سونے کی اپنی چھوٹی کارٹیر گھڑی کو دیکھا جو اس کے پرس کے رنگ سے خاصی ملتی تھی، اور ہاتھ اپنے کوٹ میں ڈال کر دوڑتے ہوئے باہر نکل گئی۔ انٹری گیٹ پر سلامی دستے کے درمیان سے تیزی سے گزرتے ہوئے اس نے غور نہیں کیا کہ ان کی وردی گھڑ سوار فوجیوں سے ملتی تھی۔ وہ صوبے میں سب سے زیادہ طاقت ور کمانڈر، عظیم جنرل گونسالیس کے بارے میں یہ سوچنے سے خود کو روک نہیں سکی کہ شاید اس بات کو کبھی کوئی سمجھ نہیں پائے گا کہ اپنے انارکسٹ حجام کی دوستی کے تئیں وہ اتنا وفادار تھا۔

جب وہ تقریباً دوڑتے ہوئے پرانے تھیٹر کی دیوار کے ساتھ نیچے اتر رہی تھی تو سبز آنکھوں والی چمکدار منک کوٹ پہنے اس خوبصورت ملاتو عورت کو تعجب سے دیکھتے ہوئے پیدل چلنے والے منتشر ہو کر اسے راستہ دے رہے تھے۔ ایلیسا ابھی بھی سوچ رہی تھی کہ بغیر کسی حساب کتاب کے اس پہیلی کا صحیح جواب وہاں عبادت گاہ میں رکھے تابوتوں میں ہی پایا جا سکتا تھا جہاں وہ اپنا سینڈوچ والا بیگ بھول آئی تھی۔

سولیدادکا کمبل اپنی گردن کی چاروں طرف لپیٹے اس نے آماپولا کو دور سے ہی پولیس اسٹیشن کے دروازے پر کھڑا دیکھ لیا تھا۔ جیسے ہی وہ اپنی رکی ہوئی سانس کے ساتھ قریب آئی، اس نے آماپولا کا بے اختیار ماتم، اس کا شدت جذبات سے مکروہ چہرہ دیکھا۔ آماپولا کی مجبور انگلیاں پاس پڑے تقریباً چھ فٹ کے لکڑی کے بکسے کے بند کناروں کو انتہائی نرمی سے ٹٹول رہی تھیں......

□□□

باب:12

''مثال کے طور پر اس مختصری نظم کا عنوان ہے' کا سپر ہوسر' (1812-1833: ایک جرمن نوجوان جسے پولیس اُس وقت تلاش کر پائی جب وہ سولہ سال کا ہو چکا تھا۔ اتنی عمر تک کسی انسان سے اس کا رابطہ نہیں ہو پایا تھا۔ اس نے یادداشت سے بتایا کہ اسے کسی تاریک جگہ پر برسوں تک قید کر کے رکھا گیا تھا اور دن بھر میں صرف ایک مرتبہ کھانے کو دیا جاتا تھا۔ اس کے جسم پر زخم ہی زخم تھے جنکے سبب نوجوانی میں ہی اس کی موت ہوگئی۔ اس دور میں دانشوروں کے درمیان اس معاملے نے کافی طول پکڑا۔ پال ویرلین نے اس موضوع پر ایک نظم بھی تحریر کی تھی۔)

> اس نے ننگی شاخوں پر برف گرتی دیکھی اور دالان کی مدھم روشنی میں قاتل کا سایہ (جارج ٹریکل، آسٹریا کا شاعر)۔ میں نے اُسے آتے دیکھا اپنی آنکھوں میں تعصب لئے۔ میں نے اُسکی جیب میں پڑی ہتھکڑیوں کو بجتے سنا۔ اُس کے معذور جلاّ دی چابک کے نم آلود سحر میں کچھ تھا جو مجھے اپنے دام میں لے رہا تھا اور اس کے باوجود صبح کے طائر ترانے گا رہے تھے۔

دیکھا! سولیداد کو اس نوٹ بک میں اپنی پسندیدہ نظمیں نقل کرنا اچھا لگتا تھا۔ کچھ نظمیں جرمن، فرانسیسی یا اطالوی شاعروں کی تھیں اس لیے میں اس سے پوچھتی تھی کہ وہ ان کا ترجمہ کیوں نہیں کر دیتی۔ اس کا جواب ہوتا کہ ترجمے کی قطعی ضرورت نہیں کہ یہ متن میں موجود جذبات کا ترجمہ ہی تھا۔ دو زبانیں جاننے والوں کا یہی تو مسئلہ ہے۔''

سولیداد کی تدفین کے بعد ایلیسا کافی پینے کے لیے ویرونیکا کے گھر پر رک گئی تھی جہاں وہ اپنی دادی کے ساتھ رہتی تھی۔ چونے سے پوتی گئی گھر کی دیواریں اپنی سفیدی ابھی بھی برقرار رکھے ہوئی تھیں۔ گرمی کی تھوڑی کمی تھی اس کے باوجود آرام محسوس ہو رہا تھا۔ ویرونیکا نے میتو کے 'دوری' والے نغمے کا ٹیپ بجایا جس پر سولیداد نے گٹار بجایا تھا اور اس کے لیے اسے ریکارڈ بھی کیا تھا۔

تمہارے بال دھات کا ایک جھرنا، وقت کے رنگ تھے۔ جب اوس گرتی ہے
پرانی یادیں تمھیں گھیر لیتی ہیں۔ تم تم نہیں، اپنا سایہ لگتی ہو۔ تمہاری جلد اب
جادوئی واپسی کی ایک بھول ہے۔ جنوب کے تارے مردہ ہیں، خاموشی میں
راکھ کے قدیم بادبانی جہاز! تمہاری روح میں بسا کرتے ہیں اشارے اور نغمے!
آنکھیں ہوا کی طرف اُٹھائے خزاں رو رہی ہے۔ تم جیسی تھی ویسی ہی یاد کرنے
دو۔

اس نغمے نے ویرونیکا کو اپنے بھائی البیرتو، اپنے دادا اور اس ڈراؤنے آسمانی جگوار کے دو دھاری تلوار کی یاد دلا دی جس سے اس نے اس کے ماں باپ کو قتل کر دیا تھا۔ (سینٹ جان جیسے کہتا اور نہیں بھی کہتا ہے اپنی کتاب 'اپوکلپس' میں۔)

''یہ غور کرنے لائق بات ہے لیسا۔ ایسا لگتا ہے کہ اپنے آخری دنوں میں سولیداد سوچتی تھی کہ وہ اسے جلاوطن کرنے والے ہیں۔ اپنے دھلنے والے کپڑوں میں پچھلے ہفتے اس نے مجھے جو نظمیں بھیجی تھیں ان میں وہ جلاوطنی، سفر، اور یہاں تک کہ لمبی جلاوطنی سے واپسی کی بات کرتی ہے۔ دیکھو وہ وہاں ہیں، کچھ شکن آلود لیکن ہیں اسی کی لکھاوٹ میں۔ پڑھو تو انھیں، میں تو انھیں پھر سے ایک لمبے وقت کے بعد ہی پڑھ سکوں گی۔''

ابھی تو صبح سے قبل کا وقت ہے۔ ہم ہر مضبوط اور سچی نرمی کو اپنے تک بہہ کر آنے
دیں۔ صبح تک توانا صبر سے لیس ہم شاندار شہروں میں داخل ہو رہے ہوں گے
(آرتھر رمباڈ)۔ تمھیں ایک طویل اداسی جھیلنی ہوگی۔ ایک ملول تنہائی۔ ایک
بخار کی گرفت۔ تمھیں سیلن بھری خاموشی کی عادت ڈالنی ہوگی۔ ایک ساکت
کھڑکی کے پاس، ایک خالی بستر کے پاس تمھیں بھری پوری سڑکوں کو اپنے
راستے چلنے دینا ہوگا۔ شور مچاتی ٹیکسیاں۔ چوری چھپے چلتے راہ گیر۔ تمھیں اس
بے صبری کو قبول کرنا ہوگا۔ زنگ کھائی اور کہیں گاڑ کر بھلا دی گئی ایک کیل کی
طرح! لیکن ہمیشہ کے لیے نہیں ہوگا ایسا۔ شاید صرف اس ایک زندگی میں۔
ایک زندگی، تمھاری زندگی۔ جو زندگی ویسے ہے بھی نہیں۔ بغیر گونج کے غار میں
تمھاری صبح نہیں ہوگی۔ تم صرف سانس لے رہی ہو۔ تمھاری متروکہ سیاہی اب
اور نہیں لکھے گی۔ اندھیرا چھا رہا ہے۔ تمھاری اندھی آنکھیں کچھ نہیں ڈھونڈ پا

رہی ہیں۔ بس یاد کرتی ہیں۔ تمھارے بچھڑے ہاتھوں میں اب وہ پیار کہاں اور
کوئی ہاتھ بھی نہیں۔ لیکن ایسا ہمیشہ نہیں ہوگا اور ابھی صبح بھی نہیں ہے۔ شاید ہوا،
سورج، ایک جوڑی ہونٹ تمھیں معاف کر دیں۔ واپس جیت لو تم اپنا نام، اپنے
دوست، اپنی نظمیں، اپنا لہو۔ آ جاؤ میرے ساتھ۔ پیار کے بغیر تم اس غیر حاضری
کو برداشت نہیں کر سکتی ہو۔ متحد ہو کر کھول لیں گے ہم صبح کے دروازے!

ایلیسا کی طرف شکر کا برتن بڑھاتے ہوئے ویرونیکا نے کہا:
''جھوٹ، مکر اور فریب کے اس زمانے میں سولیداد کے جیسا نظریہ حقیقت میں قابلِ تعریف ہے اور اس طرح کا نظریہ رکھنے والے اگر غائب ہو رہے ہیں تو اس سے ان کا انسانی اور دانشورانہ قد ہی بڑھتا ہے۔ ہماری موجودہ دنیا کی یہ باسی درد اور جد و جہد میں، انسانی آزادی کے لیے لڑائی کے ہر محاذ پر موجود تھی۔ ایک فنکار کے طور پر سولیداد زندگی سے پوری طرح وابستہ تھی۔ ہم چاہتے ہیں کہ اس کا مقبرہ، ایک کلاس، ایک پرنٹنگ پریس، سیاہی اور کاغذ کی شکل میں ہو نہ کہ سنگ مرمر کی ایک عمارت۔ ہم جو جون کے مظاہروں میں اس کے دوست تھے اور اذیت جھیلنے میں اس کے رفیق، ہم اس مقبول پریس کے ان سبھی وفیات مٹا دینا چاہتے ہیں جو اس نے سولیداد کے نام پر اپنی غرض کو پورا کرنے کے لیے شائع کیے ہیں۔''

ہم اس سے پیار کرتے ہیں جو ہماری طرح ہے، اور ہم وہ سمجھ سکتے ہیں جو ریت پر ہوا لکھتی ہے (ہرمن ہیسس)۔ ہم نے اس چہرے کو کبھی نہیں دیکھا لیکن خاموشی کے ساتھ مسکرانے کی اس کی عادت ہمیں یاد ہے۔ ہم نے وہ ہاتھ اپنے ہاتھوں میں کبھی نہیں لیے لیکن اس کا ہلکا لمس ہمارا پرانا دوست ہے۔ ان ہونٹوں سے ہم کبھی نہیں ملے، لیکن دور دراز کی ندیوں اور یادوں سے انھوں نے ہمیں چوما تھا۔ اس کے لاپرواہ قدموں نے ہماری دہلیز کبھی پار نہیں کی تھی۔ نہ اس کی تنہا شبیہہ ان چاہے طور پر ہماری اپنی سیڑھیوں پر جھلکی۔ نہ ہی اس کے دکھ کے دلدل نے ہمارے گھٹیا شب و روز میں مداخلت کی۔ اس کے باوجود وہ وارد ہو گیا۔ نہ تو کبھی اپنی آواز کے ہلکے سے ارتعاش کو سا جھا کیا اور نہ کبھی ہم نے ناک سے گونجتی اس کی تہنیت کو محسوس کیا۔ نہ ہی اس کی نئی گھنٹیوں کی خرخراتی

کہانی پر شک کیا۔ ہم نے اس کی جانب بانہیں پھیلائیں۔ وہ یہاں تو کبھی
تھا ہی نہیں۔ لیکن اب وہ یہیں لوٹا ہے! ہمارے گھر کے ہر گوشہ میں اس کا سایہ
چکر لگا رہا ہے۔ جن گوشوں کا ہم نے تصور بھی نہیں کیا تھا، اُن گوشوں کو بھی اُس
نے پہچان لیا۔ ہر رات وہ ہم سے گفتگو بھی کرتا ہے ہمیشہ کی طرح غیر واضح
زبان میں۔ ہم باتیں کرتے رہیں گے اُن بچوں کی مانند جو سردیوں میں دیر تک
جاگتے ہیں اور ستاروں کی خفیہ خاموشی کے تلے اپنے قدموں کے لامتناہی
نشانات کا تصور کرتے ہیں۔

ویرونیکا کہتی رہی: ''سولیداد نے ہمیشہ اس نام نہاد ثقافتی ادارے کی مخالفت کی، فنکاروں کی
اس 'چھوٹی سی دنیا' کی جہاں اپنی تحسین، دوسروں کی چغل خوری، تعریف کے عوض تعریف، معمولی
تخلیق اور غلیظ نظریات کے سبب مایوسی ہی جنم لیتی ہے۔ جب بھی ضرورت پڑتی وہ دوسروں کے ساتھ
کاندھے سے کاندھا ملا کر آزادیٔ بشر کے تحفظ میں قلم یا بندوق کے ساتھ میدان میں موجود ہوتی۔ اس
نے ایک بار مجھ سے کہا تھا کہ ہمارے ملک میں کسی سے محبت کرنا بھی انقلاب لاتا ہے کیونکہ سب کچھ
بدلے بغیر یہاں وہ بھی ممکن نہیں۔ اکثر روزمرہ کی گفتگو میں جدوجہد اور آدرش کے متعلق باتیں کرتے
ہوئے وہ ہماری تنقید کرتی کہ انجانے میں ہم انھیں برائیوں میں پڑ جاتے ہیں جنکو مٹانے کی ہم بات
کرتے ہیں۔'' ایلیسا اس کے سامنے اقبال کرنا چاہتی تھی کہ ڈرامے والی رات کو ایک گریک اداکارہ
کی شکل میں جگوار کا بھیس بنا کر اسی نے لارائن کا قتل کیا تھا لیکن وقت پر نہ پہنچنے کی وجہ سے وہ البیرتو کو
نہیں بچا پائی۔ اس میں سولیداد کو بچانے کی ہمت بھی نہیں بچی تھی۔

شراب، شاعری یا پاکیزگی، جو چاہو اپناؤ۔ لیکن اس میں بالکل ڈوب جاؤ
(چارلس بدلیئر: 1821-1867، فرانسیسی شاعر)۔ وہ بھول گیا ہے وہ رات، وہ
ہاتھ، وہ دیوار۔ وہ بھول گیا ہے اپنے بچپن کی خوشنما شام۔ وہ بھول گیا ہے ایک
لیمپ، ایک میز، ایک کتاب۔ وہ بھول گیا ہے دور جنوب کا چہرہ۔ جب وہ کچھ نئی
قسم کی آوارا گردی میں غرق تھا تب اس نے اپنے خون میں پیاس، پرند اور بستی
سے قربت محسوس کی تھی۔ گمشدہ یادوں کی جگہ کو وہ ہڑپ رہے ہیں۔ موسیقی،
لوگ، آمدورفت، سایے، لاعلاج کمی، ٹریفک لائٹ، تمباکو، سکے، کافی کی

مہک ...... یہاں سب کچھ ہے مگر فاصلے کی چادر اوڑھے۔ جب وہ جاگتا ہے اور
خالی 'ماتے' کے گھونٹ لیتا ہے تو اسے لگتا ہے کہ کچھ بھی تو نہیں بدلا ہے۔ وہ صبح
کے پرانے رنگ کو پہچان لیتا ہے۔ اسے لگتا ہے کہ جیسے الوداع تو اس نے کبھی کہا
ہی نہیں۔ جلاوطنی کے دھیمے نغموں اور سڑکوں پر پھیلی ابدی خاموشی سے تھکا وہ گھر
واپسی کے لیے مضطرب ہو اٹھتا ہے، دوسروں کے درمیان جیتے رہنے کی لت پڑ
جانے کے لیے رونے کا جی کرتا ہے۔ تب وہ خود کو خاموش یادوں کے بیچ
بہلانے کی کوشش کرتا ہے۔ اپنے گم صم سوٹ کیس کی تیاری میں پوری توجہ کے
ساتھ لگ جاتا ہے۔ سفر کے لیے سب کچھ تیار ہے! جس وقت وہ اپنی چیزیں
سمیٹ رہا ہوتا ہے، اس کے چہرے پر ایک عجیب سی مسکان پھیلنے لگتی ہے۔

ایسا پہلی بار ہوا جب ایلیسا نے ویرونیکا کے چہرے پر آنسو دیکھے۔ وہ ویسے بہت خوبصورت اور سڈول ہے جیسے تنگ سرخ ٹی شرٹ کے نیچے اس کی تراشی ہوئی ورزشی چھاتیاں۔ ویرونیکا نے سسکتے ہوئے کہا:

"آخری بار میں نے جب اسے دیکھا تھا، آخری بار جب ہم ایک ساتھ تھے، اس مضحکہ خیز حرکت کے پہلے والی رات جو ہم نے اسکولی تھیٹر میں کی تھی، سولے نے مجھے ایک بات بتائی تھی جو میں کبھی نہیں بھولوں گی۔"

مجھے لگتا ہے کہ جو کچھ میں کر رہی ہوں، وہ میری روح کی سچائی ہے...... اور کسی
دن، جب شاید میں جان بھی نہ پاؤں، کوئی شخص جسے نہ میں جانتی ہوں اور نہ
کبھی جانوں گی، میری شاعری پڑھ سکے گا اور میری ہی طرح میرے تئیں ایک
جذبہ محسوس کرے گا۔

ویرونیکا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ وہ اتنی جذباتی ہوگئی تھی کہ ایلیسا کئی ٹرینکولائزر کی گولیاں لینے کے باوجود گھبراہٹ محسوس کر رہی تھی۔ وہ صوفے پر ویرونیکا کی بغل میں بیٹھ گئی اور اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیے۔ اس نے دیکھا کہ اس نے کچھ ناخن اپنے دانتوں سے اتنی بری طرح کاٹ ڈالے تھے کہ وہ نیلے پڑ گئے تھے اور گوشت میں اندر تک گھس گئے تھے۔ کافی دیر کے بعد، ویرونیکا کچھ پرسکون ہوئی۔ ایک اداسی کے ساتھ ہلکے سے مسکرائی اور اس کے گالوں پر بڑے بڑے آنسو لڑھکنے لگے۔ اس کی گردن اور چہرہ اس طرح لال ہو رہا تھا جیسا کہ مشکل کسرتوں کے بعد ہوتا

ہے۔ کچھ شرماتے ہوئے وہ تھوڑا مسکرائی لیکن بھرائی آواز میں جو تقریباً نا کے برابر سنائی دے رہی تھی، اس نے اپنی بات یوں ختم کی "ایلیسا! شاید انسانی دل کی طوفانی خفیہ بھوک اس کی امیدوں سے کہیں زیادہ بے پایاں ہے۔ پیار کی عمر وقت کی عمر سے کہیں زیادہ بڑی ہوگی۔"

> لوٹنا ہی بہتر ہے، چاہے ہم بدل چکے ہوں (سیسار پاویسے 1950-1908 اطالوی شاعر، ناول نگار اور مترجم) اتنی مدت کے بعد بھی واپسی خوبصورت ہے، بے انتہا خوشی کے ساتھ اپنوں کو گلے لگانا۔ سب کچھ کتنا بدل گیا ہے، یہ دیکھنا اور جلد ہی محسوس کرنا کہ ہم تو کبھی کہیں گئے ہی نہیں۔

ان دونوں میں سے کوئی بھی اپنی زندگی اس بے معنی اختتام کے ساتھ جینے کو تیار نہیں تھا۔ تو تو آسواگا نے اوکلاہوما میں وقت کے مطابق اپنا موسم گرما والا سیشن شروع کر دیا تھا۔ کوریغیس کی گھڑ سوار فوج کا کنٹرول خوان فرانسیسکو گونسالیس کے آہنی ہاتھوں میں ہی رہا۔ تو تو نے کبھی بھی کسی بھی کھیل کی مشق نہیں کی اور شراب، سگریٹ اور مجرب چیزوں کا استعمال کرتا رہا۔ تمباکو کے علاوہ جنرل نے خود کو کبھی کوئی دوسری بری لت نہیں لگنے دی۔ وہ شراب چھوتا تک نہیں تھا۔ روز ایک گھنٹہ جم اور سادنا میں گزارتا تھا۔ اکثر گھڑ سواری کرتا۔ مہارت کے ساتھ اپنا ہوائی جہاز اڑاتا۔ اپنے وزن کو کبھی بڑھنے نہیں دیا اور ایک رنڈوے کے طور پر کبھی کبھار کے جماع میں ہمیشہ کنڈوم کا استعمال کرتا تھا۔ تو تو کا جسم دھیرے دھیرے کمزور اور جوش ڈھیلا پڑتا گیا۔ اس کی روح اسے کچوکے لگانے لگی تھی جب تلسا میں سرجن اس کے پیروں کو کاٹ رہے تھے۔

گونسالیس کا معاملہ کچھ مختلف تھا۔ اس نے اسی شام خود کو گولی مار لی جس شام کوریغیس کے واحد شب نامے نے دہشتناک سرخیوں اور سنسنی خیز تصاویر کے ساتھ نوجوان شاعرہ سولیداد مونتویا سانابریا گنتیر کی موت کی خبر شائع کی۔ یہ خبر پورے شہر میں جنگل کی آگ کی مانند پھیل گئی۔ اخبار کے مطابق قید و بند کے دوران بہترین تیمارداری اور پولیس کی طبی یونٹ کی لاکھ کوششوں کے باوجود ایک 'ناقابل فہم اندرونی جریان خون' سے مرحومہ کو نہیں بچایا جا سکا۔ ان کے جسد خاکی کو ان کے خاندان کے سپرد کر دیا گیا۔ کسی کو تابوت کا ڈھکن ہٹانے کی اجازت نہیں تھی، پوسٹ مارٹم کی بات تو دور۔

سرکاری ریلیز کے مطابق، معلوم حقائق کی بنیاد پر جنرل کی خودکشی کی ذمہ دار اس کی لاعلاج لمبی بیماری کو ٹھہرایا گیا لیکن جنرل کی بھتیجی نے شعبۂ سماجیات میں سب کو بتا دیا کہ سولیداد کی موت پر اس کا چچا شرمندگی اور توہین کو نہیں جھیل سکا کیونکہ وہ اس کے خاندان والوں سے اس کی محفوظ رہائی کا وعدہ کر

چکا تھا۔

گنتیر اپنے ہم نام کے جسم کو پوری فوجی وردی میں دیکھنا چاہتا تھا لیکن تابوت کو نیلے اور سفید جھنڈے میں لپیٹ کر پہلے سے ہی سیل کر دیا گیا تھا اور صوبائی گورنر کے محل کے ۳۰ فروری والے کمرہ میں منتقل کر دیا گیا تھا اور اسے ڈویژن کے جنرل کے طور پر پورا اعزاز دیا گیا تھا۔

آما پولا نے اپنے بھائی کو آگاہ کیا کہ حجام یونین کے ایک لیڈر نے اسے بلایا تھا۔ گھڑ سوار فوج کے ہیڈ کوارٹر سے یونین کے سکریٹریٹ میں ایک دعوت نامہ آیا تھا جس میں جنرل کے ذاتی دوستوں کی طرف سے کسی ایک کو گونسالیس کے بارے میں بولنے کو کہا گیا تھا۔ یونین کے ترجمان کا ماننا تھا کہ سب سے مناسب مقرر تو خود سانابریا ہوتا، لیکن ابھی سب سے موزوں مقرر اس کا بہنوئی ہوگا۔ کوریئنٹیس میں اس کی موجودگی کا فائدہ اٹھایا جا سکتا تھا۔

حیرت زدہ گنتیر بول اٹھا:

''وہ پاگل ہیں۔ مجھے نہ تو بولنا آتا ہے اور نہ میں 'سیرو' کا مداح ہوں۔''

انھیں دیر ہو رہی ہے۔ کفن دفن چار بجے ہے۔ سرکاری طور پر محل سے جنازے کا سفر کم سے کم ایک گھنٹہ قبل شروع ہوگا۔ گنتیر، آما پولا اور 'حجام یونین' کا وہ لیڈر سیدھے قبرستان پہنچنا طے کرتے ہیں۔ وولوو میں نہیں، وہ سانابریا کے دوست کی پرانی کھٹارا برازیل ووکس ویگن میں نکلے۔ دھول بھرے شور وغل والے راستے میں وہ حجام گنتیر سے گزارش کرتا رہا کہ وہ اس موقعے پر ضرور کچھ بولے۔ اس نے اونچی آواز میں ایسی بحث کی گویا وہ اس کی زندگی کا سب سے اہم دن ہو۔ آما پولا اپنی پیاری نیلی آنکھوں سے اُسے بس دیکھتی رہی۔

انھوں نے گاڑی کو قبرستان کی بغل میں کھڑا کیا اور چرچ کے دروازے تک پیدل ہی گئے۔ راستے کی دونوں طرف پٹری پر بہت سارے لوگ جمع ہو گئے تھے۔ ایونیو آف سان مارٹن دی لبریٹر ایک کشادہ جگہ ہے جس پر گھڑ سوار بینڈ کے ساتھ سلامی دینے فوجی بھی پوری رسمی تیاری کے ساتھ کھڑے تھے۔ سلامی دینے آئے مسلح فوجی بیتھووین کی دھن ('ووکس ویگن' ریڈیو کے مطابق جنرل دراصل عام شوپن دھن کی جگہ اسی مارچ دھن کو پسند کرتا تھا) پر آخری سلامی کے لیے بے صبری کے ساتھ انتظار کر رہے تھے۔ ڈویژن کے بانکے سپاہی اپنے مرحوم لیڈر کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے سنگین لگی رائفلوں کے ساتھ تن کر کھڑے تھے۔ کچھ فوجیوں کے گال پر آنسو بھی لڑھک رہے تھے۔

اپنی بہن اور حجام کے درمیان دوسری قطار میں کھڑا گنتیر ایک فقرہ کہتا ہے:

''بکواس، کوئی خدا نہیں تھا جو مر گیا۔''
آخر کار سلامی دستہ پھولوں سے ڈھکی ہوئی لاش کے پاس آتا ہے۔ آٹھ کالے گھوڑوں اور آٹھ سفید گھوڑوں کی ایک گاڑی جس پر فرانسیسکو خاویر گونسالیس کا جسد خاکی رکھا گیا تھا، 'بلاک' کی لوک دھن بجاتے ایک بینڈ کے ساتھ آگے بڑھنے لگتی ہے۔ پیدل فوجیوں کا ایک محافظ دستہ بھی گاڑی کے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ اس کے ٹھیک پیچھے گورنر اور پھر فوجی افسروں اور پادریوں کے جتھے چل رہے تھے۔ اس کے علاوہ ریجمنٹ کمانڈر، اخباروں کے مالک، جج، ممتاز افراد اور مختلف پادریوں کے گروپ بھی پیدل ہی چل رہے تھے۔ گنتیر نے سوچا کہ وہ بھی پھولوں کا ہار منگوا سکتا تھا لیکن ایک دن میں دو دو تکفین...... کچھ زیادہ ہی ہو گیا تھا۔ دوسرے بینڈ کی دھن سے اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ ایک اصل لاطینی 'بایوس' کی ایک دھن کو اپنی شہنائی پر بجا رہا تھا۔
گھڑسوار فوج کے سپاہیوں، 'گونسالیس' کی بیٹیوں کے کانوینٹ اسکول کی لڑکیوں اور اس کے بیٹوں کے اسکول کے طلباء کی تین تین قطاریں جنازے کے ساتھ ساتھ چل رہی تھیں۔ اسٹوڈنٹس اپنی کلف لگی وردی میں اس قدر نپے تلے طریقے سے چل رہے تھے جیسے فوجیوں سے پیشہ وارانہ مقابلہ کر رہے ہوں۔ گنتیر بڑبڑایا کہ سارمینتو صحیح تھا جب اس نے دومنگیتو کی موت پر کہا تھا کہ پاراگوائی کے لوگ اور گاؤچو صرف جنگ کے کام کے ہیں۔
پریڈ میدان میں چار دروازے بنائے گئے تھے۔ ان میں سے 'لا فانیت' والے دروازہ کے نیچے گونسالیس کے تاڑ اور ناریل کے پتوں سے سجائے گئے تابوت کو رکھا گیا۔ پورا چوک اور پڑوس کے گھر بینروں اور جھنڈوں سے ڈھکے ہوئے تھے۔ پاس کی جیل اور دیگر عمارتوں کی بالکونیاں معزز خواتین اور عام لوگوں سے بھری پڑی تھیں۔ زرق برق لبادوں میں ملبوس پھٹیچر۔ اندھیرا گھرنے لگا اور سڑکیں، سرکاری عمارتیں اور مشہور لوگوں کے گھر جگمگانے لگے۔ آسمان میں آتش بازی کی رنگ برنگی روشنیاں چمکتی ہیں جیسے آندرومیدا اور آلدیباران پارک ہو۔
آماپولا اور وہ حجام جذباتی ہو کر رونے لگے۔ گنتیر کا دل چاہا کہ ایک قہقہ ہنسے لیکن یہ دیکھ کر وہ بے چین ہو گیا کہ گونسالیس کی تعزیت میں شامل لوگوں کی پہلی قطار میں تھے بھاری بھرکم توند والا گورنر، وہ وزیر جس سے کرنل ساریا کیروگا ملاقات کرنے سے انکار کر دیتا تھا، جنرلوں کی جماعت اور امریکی باشندوں کا ایک گروپ۔ بے شک سفیروں کے جلوس میں امریکی سفیر کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ دوسری جانب، چونکا دینے والی بات یہ تھی کہ ان میں ایک سفید بالوں والا بشپ بھی موجود تھا جو گنتیر کے برابر ہی لمبا اور توانا تھا۔ وہ اتنا ہی پر اسرار لگ رہا تھا جتنا کہ گوائیرا کی پہاڑیوں کے درمیان جگنو اور

جھینگروں سے بھرا دھندلکا۔ اُس نے حجام کی دعوت قبول کر لینے کا فیصلہ کر لیا۔

آخری مقرر سے پہلے اس کو بولنا تھا۔ پولیس نے گونسالیس خاندان کی قبر گاہ کو چاروں جانب سے گھیر رکھا تھا پھر بھی لوگوں کا ہجوم قریب سے دیکھنے کی خواہش میں اُمڈا پڑ رہا تھا۔ سیاہ بادلوں سے چھپے آسمان کے نیچے وہ پسینے سے شرابور ہو رہے تھے۔ ہلکی بوندا باندی شروع ہو چکی تھی۔

تعزیتی جلسے میں کیا کچھ بولنا ہوتا ہے، اس کے بارے میں گنتیر کو ذرا بھی علم نہیں تھا۔ حجام نے اسے کہنی مار کر اشارہ کیا کہ تابوت کی بغل میں کھڑا ہو کر وہ اپنی تقریر شروع کر دے۔ گنتیر نے جیسے ہی اپنا منہ کھولا سرکاری خبر رساں ایجنسی 'نوتیسیو سونا سیوونال' کی بتیاں جل اٹھیں۔ اُس نے اپنا گلا صاف کیا اور سوچا کہ اس وقت اسے ایک جام کی سخت ضرورت تھی...... پھر اپنی بات شروع کر دی: ''میرا نام فرانسیسکو خاویر گنتیر ہے اور یہاں میں جنرل گونسالیس کے قریبی دوستوں کی طرف سے بولنے جا رہا ہوں۔ میں اپنی زندگی میں ان سے صرف ایک بار ملا اور وہ میرے ہم نام بھی تھے۔'' اُس نے چاروں طرف دیکھا۔ وہ اس بات سے آگاہ تھا کہ ہر تقریر ایک مذاق کے ساتھ شروع کرنی چاہیے۔ بھیڑ کے اداس چہرے سے خبر ہوئی کہ اس نے موضوع سے باہر بات کی۔ تب اُس نے ایک ماہر اقتصادیات کا مکھوٹا پہن لیا۔

''حالانکہ میں ذاتی رشتے کا ذکر نہیں کرنا چاہتا ہوں لیکن مجھے اتنا تو ضرور بتانا ہوگا کہ جنرل گونسالیس کی میرے خاندان کے ساتھ بڑی گہری دوستی تھی۔ شاید اسی سے ان کے دوستوں نے مجھ سے کہا کہ میں آج ان کے خلوص اور وفاداری کا تذکرہ کروں۔ میں ان تمام لوگوں کے غم میں برابر کا شریک ہوں جو ان کے جانے کی وجہ سے آج سوگوار ہیں۔ میں ان کے بچوں جو دوسری مرتبہ یتیم ہو گئے، ان کے اہل خاندان اور رفیقوں، جس سیرو ٹیم کی انھوں نے ہمیشہ حوصلہ افزائی کی اس کے مدّاحوں اور جنکے ساتھ اُنھوں نے اپنی زندگی گزاری ان تمام لوگوں کے غم میں برابر کا شریک ہوں۔ آج کا دن خود میرے خاندان کے لیے انتہائی تکلیف کا دن ہے۔ اس موقعہ پر مجھے جنرل کی انسان دوستی کے متعلق کچھ کہنے کی اجازت دیں۔ میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ ہماری مدد کرنے کے لیے انھوں نے وہ سب کچھ کیا جو وہ کر سکتے تھے۔ 'کانپو گواسو' میں جب میں ان سے ملا تو انھوں نے مجھے بہت متاثر کیا تھا اور مجھے یقین ہے کہ جو کوئی میری بھانجی کو باعزت یاد کرے گا، وہ جنرل گونسالیس کو بھی ضرور یاد کرے گا۔ میں یہ بھی سوچتا ہوں کہ ان دونوں نے اپنی زندگی کی قربانی دے کر اتنی بڑی قیمت چکائی ہے تو یہاں موجود لوگ بھی کچھ سبق ضرور سیکھیں گے۔ میں یہ بات بالکل ذاتی طور پر کہہ رہا ہوں، نہ 'حجام یونین' اور نہ کسی دوسرے ادارے کی طرف سے اور اس ادارے کی طرف سے تو قطعی نہیں

جسکے صدر کے طور پر آپ مجھے جانتے ہیں۔ پاراگوائی سے دوبارہ رابطہ بنانے کے لیے اور یہ دیکھنے کے لیے کہ کیا میں یہاں کچھ کارآمد ہوں، میں نے آج صبح ہی اپنے عہدے سے استعفیٰ دے دیا ہے۔ نہ سیاست نے مجھے کبھی اپنی طرف کھینچا اور نہ میں لیڈروں کو ہی سمجھ پایا ہوں جو صدر بننے کے لیے تمام عمر قربانیوں کی زندگی جیتے ہیں کہ کچھ برسوں تک جہاں وہ جائیں، ان کے لیے قومی گیت بجایا جائے۔ مجھے لگتا ہے کہ کسی لاطینی امریکی ملک کا صدر بننے کے بجائے یہاں کے چالیس کروڑ باشندوں میں سے ایک گمنام باشندے کے طور پر اطمینان محسوس کرنا زندگی کا زیادہ بڑا مقصد ہے۔ لیکن، آخر میں، پاراگوائی میں اسی لیے لوٹ رہا ہوں کہ یہ میرا ملک ہے۔ اور اب بہتر یہی ہوگا کہ موسلادھار بارش شروع ہونے سے قبل میں اپنی بات ختم کردوں۔''

لوگ بچ بچ چھاتے کھول رہے تھے۔ کچھ اپنے رین کوٹ کے کالر اوپر کر رہے تھے اور پاس کی قبروں کی چھوٹی کارنسوں کے نیچے پناہ لینے کی کوشش کر رہے تھے۔ 'کوریئنیس فٹ بال لیگ' کے ایک نمائندے کو ابھی اپنا بیان پیش کرنا تھا۔ جلسہ بغیر کسی رکاوٹ کے بدستور جاری تھا۔ سانڈ سے لڑائی، گھوڑے کی پیٹھ پر کرتب دکھاتے فینسی نقاب پوش سانڈ کو اپنے بھالے سے نشانہ بنا رہے تھے جیسے پرانے استعماری عہد کے ٹورنامنٹ میں ہوتا تھا۔ عربوں اور اصل لاطینی امریکیوں کی پوشاک میں پچاس مرد سجی ہوئی کاٹھیوں کے گھوڑوں پر سوار چھلّے کے کھیل میں مشغول تھے۔ جھولتے ہوئے ربن کے چھلّے کو وہ چاندی کے کانٹے میں پھنساتے تھے۔ فاتح اس چھلّے کو جذبات کے ساتھ اپنی منگیتر کے حوالے کر دیتا تھا۔ وہ اسے اپنی پوشاک کے اندر ڈال کر نیچے گرنے دیتی تھی۔ گورنر نے کچھ مغرور اور خشک لہجے میں بشپ سے کہا: ''جاودانی محض ایک فطری خیال ہے۔ سر! کیا آپ کو ایسا نہیں محسوس ہوتا؟'' بشپ نے ایک پراسرار مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلایا: ''ہاں، کچھ کچھ ایسا ہی ہے گورنر صاحب! ایک جسم کا دوبارہ زندہ ہو جانا اتنا ہی غیر معمولی واقعہ ہے جتنا کہ ایک جسم سے دو بار محبت کرنا۔'' ایک بہت ہی خوبصورت دوشیزہ (یا دوشیزہ جیسی) جو کسی وزیر کی بیٹی تھی، اُس نے کھیل سے آنکھیں ہٹائے بغیر گورنر سے جھک کر پوچھا، ''عالی جناب نے کیا فرمایا؟''

گرمی میں پسینے سے نہائے اس فربہ آدمی نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا، ''کچھ نہیں میری بچی! ایسا کچھ نہیں جوان دلکش رسومات کے وقت تمھیں دلچسپ لگے۔ اُس لاطینی نژاد کے گھڑ سوار کو دیکھو جو چوکڑیاں بھرتے ہوئے ہماری جانب ہی آ رہا ہے۔'' گھڑ سوار پسینے سے چمکتے گھوڑے کی برہنہ پشت پر کھڑا گورنر کی نشست کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کے بدن پر 'کائیگوا' (مشرقی پاراگوائی اور جنوب مشرقی برازیل کے اصل باشندے جو گوارانی نہیں بولتے) کے انداز میں گودنا گدا ہوا تھا۔ دُم دار

تارے کی پونچھ کی طرح گھوڑے نے اپنی دُم بڑی تیزی سے اچھالی۔ چھریرا لیکن خوب لمبا چوڑا، گھوڑے پر بالکل سیدھا کھڑا ہوا گٹھیلے پٹھے، لنگوٹ کسا ہوا، اُس گھڑسوار کے ہاتھ میں ناریل کا ایک لمبا کانٹا اور اس پر لال رنگ کا ایک چھلا تھا جو ہوا میں لہرا رہا تھا۔ بے لگام گھوڑے نے اپنی رفتار کو سست کر لیا۔ اس کے کھر بیتھوون کی نہیں 'باریوس' کی دھن پر تھرکنے لگے تھے۔ اس کے نتھنے اتنے زور سے بینگنی سانس چھوڑ رہے تھے کہ انکا اچھا خاصا دباؤ محسوس ہو رہا تھا۔ اسی کے نتھنوں سے دھوئیں کے چھلے نکلتے جس سے اس کی دمدار پونچھ اوپر نیچے ہوتی اور اس کی شکل ایک اساطیری شکار خور جانور کی ہو جاتی۔ سر گھوڑے اور جگوار کا! گورنر غصے سے سرخ ہو گیا، اپنے پہریداروں پر چِلّایا اور اپنی دستی چھڑی ہوا میں اُچھال دی: ''شیطان کی اولاد! کون ہے یہ گستاخ جو ایسی حماقت کر رہا ہے۔ پہریدارو! تو پچیوں! فوراً حاضر ہو!!''...... وہ انسانی گھوڑا اچانک اسٹیج کے سامنے آ کر ٹھہر گیا۔ پچھلے پیروں پر کھڑا ہو گیا اور اگلے کھروں سے ہوا کو اسطرح نوچنے لگا جیسے کہ وہ اس کے پنجے ہوں۔ انسان والا حصہ آگے جھکا اور گورنر کے چہرے پر سانپ!'' ارے بیوقوفو! گولی چلاؤ گولی!!'' اس نے غصے اور دہشت سے لڑکھڑاتی آواز میں حکم دیا۔ وہ زور سے چیخا،'' الو کے پٹھو! گولی چلاؤ گولی!!''...... اچانک اس کی ساری طاقت خاموشی میں غرق ہو گئی۔ بندوقیں بھی خاموش ہو گئیں۔ کبھی کبھار گولیوں کی ہلکی سی سیٹی سنائی دے رہی تھی۔ دھوئیں اور غبار کے درمیان اس گھڑسوار کے دانت نظر آئے۔ بوندا باندی اور گہری ہوتی ہوئی تاریکی میں اس کا گودنا چمکنے لگا۔ گلے سے پیٹ تک اپنی تانبے جیسی جلد کو اُس نے اسی کانٹے سے پھاڑ ڈالا۔ اپنے موم کے مکھوٹے کو نوچ ڈالا۔ پنکھ اور پڑیاں ہوا میں تیرنے لگیں جیسے عیسیٰ، خدا اور جنگل سب ایک جگہ ہوں۔ سب کچھ پورا سفید!...سولیداد مونتوئیا سانا بریا گنتیر کو آج صبح ہی تو وہاں دفن کیا گیا تھا۔ وہی تو تھی وہاں! 'کائیگو واگوالاچی' کی چڑیل سردار!...ڈائن کو زندہ مت چھوڑنا! بطخ کی طرح گورنر کی 'قیں قیں' سنائی دی۔

اسے نہ تو اسپینی اور نہ ہی برازیل کے تاجر غلام قابو میں کر سکے تھے۔ کارائی کی شہزادی کی گھوڑی بھی فیروزی جگوار کی شکل اختیار کرنا سیکھ گئی تھی۔ سرخ 'نم' کھلے ہوئے جبڑوں میں ہاتھی دانت جیسے دندان، چاندی میں دھات کی مانند چمکتی اس کی جلد کی چھینٹ......کوریئنٹیس کا آرچ بشپ اُس درخشاں پیکر کے سامنے سجدے میں گر گیا اور چھاتی پر لٹکتے صلیب کا رُخ تعظیم میں اس سمت کی جانب کیا جہاں سولیداد کا چمکتا ہوا زخمی بدن تھا جس پر ناف کی جگہ خلاء بن گیا تھا...گورنر نے چیخ کر حکم دیا......جگوار کی گرج کے مقابل چوہے کی 'چیں چیں'...... گولیوں کی ایک اور بوچھار۔ برہنہ شاعرہ نے اپنی انگلیاں چٹخائیں...ایک ہی چھلانگ میں جگوار دہشت زدہ اسٹیج کے پار ہو گیا اور ایک دُم دار ستارے میں تبدیل

ہو گیا......اور پھر ندی کے پار آسمان میں تاسینتیس کی مشرقی پہاڑیوں کے اوپر غیب سے جاملا......

□□□

باب:13

کئی سالوں بعد جب ایلیسا نے جوانی کا خواب دیکھنا ترک کر دیا تو تساہلی بھری دو پہروں میں چارلی پارکر (Cherlie Parker) کے پرانے ریکارڈ سننے لگی، دون آلیکھا ندرینو کے جیرینیم کے پودوں کی دیکھ بھال کرتی اور ویرونیکا کے بچوں کو تھوڑی بہت انگریزی سکھا دیا کرتی۔ ان سب کے باوجود وہ سوچتی کہ اس کہانی کے سارے تار مادرید سے ہی مربوط تھے۔

1983ء کی ان سردیوں کے آخر میں گنتیر خاندان کچھ دن کے لیے واشنگٹن واپس آیا۔ انھوں نے اپنا گھر ایک ایجنٹ کے سپرد کیا اور اس بار صرف یک طرفہ ٹکٹ بک کرایا۔ ایلیسا نے پانچو سے کہا کہ اس دوران وہ لوگ یورپ میں ٹھہریں گے، پیرس میں نہیں۔ ایلیسا کو معلوم تھا کہ اگست میں 'کا سادے کانپوس' کے پہاڑی پیپل اپنے پورے شباب میں نہیں ہوں گے، پھر بھی اس پر ایک خوبصورت دھن سوار ہوئی یا کہیے کہ ایک بیوقوفانہ کشش نے اسے للچایا، جس کی اجازت ما چادو بھی دے دیتے۔ اور دھن یہ تھی کہ مادرید سے ایسے گزر اجائے جیسے ایک سرنگ سے جنوبی نیمہ کے ایک معمولی لیکن خوش نما بہار تک، کڑواہٹ سے خالی ہاتھوں اور یادوں سے آزاد آنکھوں کے ساتھ پہنچا جاتا ہے۔ وہ کچھ خاص حالات میں رہنے کا تصور نہیں کر رہی تھی کیونکہ اس کو حالات کتابی اور بے تکے لگتے تھے۔ وہ کبھی بھی ایک ناول جیسی زندگی نہیں جینا چاہتی تھی اور اب تک اس نے جو کچھ حاصل کیا تھا اس میں ایک مکمل اطمینان محسوس کرتی تھی۔ کچھ وقت پہلے گنتیر نے اس سے پوچھا تھا کہ میڈم لنچ پر وہ اپنا ناول پورا کیوں نہیں کر لیتی یا ایک نیا ناول ہی لکھ لے۔ اسے ادب میں بہت زیادہ دلچسپی بھی تھی۔ اس نے تب جواب دیا تھا کہ ادب سے بھی زیادہ اس کی دلچسپی اسپینی زبان میں تھی۔ دراصل ادب کا تصور غیر مجسم ہوتا ہے کیونکہ شاید یہ بے حد تنہائی کا فن ہے۔ وہ اب ان دو زبانوں میں سے کسی میں بھی ہاتھ آزمانے میں آسانی نہیں محسوس کرتی تھی۔ گنتیر سے اس نے یہ بھی کہا تھا کہ اسے بہت زیادہ کمال پرست ہونے سے ڈر لگتا تھا کیونکہ وہ یہ امید کرتی تھی کہ جو بھی کہانی وہ لکھے اس کے سامنے دوسرے بھی ناول معمولی معلوم ہوں۔ ہمیشہ کی طرح، گنتیر کچھ سمجھا ہی نہیں لیکن خوش قسمتی سے ایلیسا اس بات پر جذباتی نہیں

ہوئی۔ نہیں، مادرید کے اس پڑاؤ کو وہ کسی ناول کے باب کی طرح ہرگز نہیں چاہتی تھی۔ اس کے برعکس، اسے یہ خدشہ تھا کہ مادرید ان سردیوں کا بغیر کسی ڈرامائی خوف کے اختتام کر سکتا تھا۔ وہ کسی سے بھی نہیں ملنا چاہتی تھی، نہ اپنے پرانے دوستوں سے جیسے میکیلو، خوستی اور انتونیو، اور اپنے سابق شوہر سے تو ملنے کی خواہش ان سے بھی کم تھی۔ نہ ہی اس کے دل میں کسی کلچرل پروگرام میں حصہ لینے کی خواہش تھی۔ وہ 'کا سادے کا نپوس' میں بچوں کے ساتھ اطمینان کی سانس لینا چاہتی تھی، تالاب کے کنارے آئس کریم کھانا چاہتی تھی اور شاید تفریحی پارک کی ٹرین میں بیٹھ کر لطف لینا چاہتی تھی۔ وہ کتابوں کی کسی بھی دکان میں نہیں جانا چاہتی تھی، نہ کوئی ریکارڈ خریدنا چاہتی تھی، بس آرگویس میں فرناندس دی لوس ریوس پر واقع اپنے پرانے اپارٹمنٹ کے سامنے ٹہلنا چاہتی تھی جہاں وہ اپنی پہلی شادی سے پہلے رہ چکی تھی اور جو آج بھی ویسا ہی تھا۔ بس وہاں کا ایک چکر لگانا چاہتی تھی حرامزادے گنتیر کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑے ہوئے، جو کبھی نہیں سمجھ سکا کہ وہ اس سے کتنی محبت کرتی تھی!

جب وہ لوگ باراخاس ہوائی اڈے کے اوپر چکر لگا رہے تھے تب ایلیسا کو احساس ہوا کہ مادرید ایک مثالی جگہ تھی، یاد رکھنے کے لیے نہیں بلکہ یاد کو رد کرنے کے لیے۔ پلا سا مایور کی سڑکوں اور یہاں تک کہ چامرتین کی بدرنگ مخروطی عمارتوں کے درمیان سے گزرتی سڑکوں سے اتنی پراسرار بدبو آرہی تھی کہ انھیں ایسا محسوس ہونے لگا جیسے ان کے ذہن سے یادیں الگ ہو رہی ہوں اور ان درار پڑی رحم دل اور دادا پردادا کی طرح خاموش دیواروں میں ہمیشہ کے لیے بسنے جا رہی ہوں۔ وہ بچوں کے غیر مرئی اسٹیکروں سے کثیر رنگ موزیک بنا رہے تھے جنھیں ہم کبھی کبھی 'فونیس' بھی کہتے ہیں۔ مادرید کی بزرگی ایلیسا کو جوان بنا رہی تھی۔ ایک پرانے دوست کی مانند ایلیسا اس بات پر اعتبار کرنا چاہتی تھی کیونکہ اس میں جینے کی ابھی بھی شدید خواہش باقی تھی۔ اترنے کے لیے جب وہ اپنی سیٹ بیلٹ باندھ رہی تھی، آرچ بشپ کے مضبوط اور عالم ہاتھ، اوکلا ہوما میں کپ سڑکتے ہوئے توتو کے گھبراتے ہوئے شرابی ہونٹ جیسے کہ وہ آخری مار گرتیا ہو، آما پولا کی نرم اور اداس آنکھیں، اور روضہ کی ریلنگ پر غلطی سے چھوٹا ہیمبرگر کا بیگ، یہ سب جیسے اسے ایک دھندھلی تصویر کی طرح بادلوں میں دکھائی پڑ رہے تھے۔

اس کے شوہر کی آواز نے اسے جگا دیا۔ گنتیر نے کہا:

''اس ہوائی اڈے پر اتنے سارے حادثات ہو چکے ہیں کہ کہیں وہ آج ہمیں بھی جہنم نہ پہنچا دیں۔'' لیکن جہاز عام رفتار میں ہی اڑتا رہا اور بڑے آرام سے اتر گیا۔ ایلیسا نے سوچا کہ سب کچھ بالکل ٹھیک ٹھاک ہی رہا۔ ناول کی طرح ان کے ساتھ کچھ بھی نہیں ہوا۔ غیر ادبی قسم کی موت کا

خیال بھی اسے لبھا نہیں سکا۔

......اور جیسا کہ ان کا قیاس تھا، انھیں 'ملیا پرنسیسا' میں ایک کمرہ مل گیا جو آرگویس کی یادوں اور 'گران ویا' کی مارتینیس سے برابر کی دوری پر تھا تاکہ دونوں اس کا لطف اٹھا سکیں جس کو وہ الوداع کہنے والے تھے۔ وہاں انھوں نے جمعرات سے اتوار تک کا ایک لمبا عرصہ گذارا۔ سوموار کی صبح ایلیسا نے اپنا سوٹ کیس تیار کر لیا تھا کیونکہ آسن سیون کے لیے اڑان اسی شام تھی۔ گنتیر ناشتے اور اخبار کی تلاش میں نیچے چلا گیا۔ جب وہ واپس آیا تو کروئی سینٹس اور کالی کافی کی ٹرے کو اس نے بستر پر رکھا۔ اتوار کے اخبار 'ایل پائس' کو کھولا اور ایلیسا کو کلچر والا صفحہ دکھایا۔ ایک چھوٹے سے باکس میں چھپی ایک تصویر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

''دیکھو تمہارا پیارا یہیں مادرید میں ہے۔''

ایلیسا نے پڑھا۔ برازیل کا ایک فنکار جو فرانس میں مقیم تھا آج دوپہر فن نقاشی کی نمائش ایبیرو۔ امریکی ادارے میں کر رہا تھا۔ اس نے کہا:

''کیا بات ہے! ہم جا سکتے ہیں نا؟ یہ دور بھی نہیں ہے۔ ایسے ہی سلام کرنے چلتے ہیں، کون جانے پھر کب ملیں گے!''

گنتیر نے کہا:

''ٹھیک ہے، لیکن پہلے کمرہ چھوڑنا بہتر ہوگا۔ سوٹ کیس ہم ریسیپشن پر رکھ سکتے ہیں۔ ہوائی اڈے جاتے وقت ہم انھیں یہاں سے لے لیں گے۔''

ادارے کی چوتھی منزل کا وہ کمرہ زیادہ بڑا نہیں تھا لیکن پسینے کی بدبو والی بغلوں سے بھرا تھا۔ لوگ اپنے منہ میں اسپینش آملیٹ یا ہائی لینڈ ہیم ٹھونسے جا رہے تھے۔ گنتیر کو پیرس کی 'نیوڈ' کتابوں کی دکان کی یاد آئی۔ وہ سوچنے لگا کہ لیو یوآ براموکو دیکھنے کے لیے اسے ہمیشہ اپنی کہنی سے بھیڑ کے درمیان جگہ بنانی پڑتی تھی۔ ایسا نہیں تھا کہ ایلیسا پستہ قد تھی لیکن دو میٹر لمبی بھی نہیں تھی کہ اسے دیکھ پاتی۔ اس لیے اس نے گنتیر کو کہا کہ وہ اس بھیڑ میں دیکھے کہ اس مصور کو ان لوگوں نے کس کونے میں بیٹھا رکھا ہے۔ رودریگو دی تریانا (کولمبس کے پہلے سمندری سفر کا کشتی چلانے والا ساتھی) کی طرح گنتیر نے اس بڑی کھڑکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جو اوینیوآف دی کیتھولک مونارکس کی جانب کھلتی تھی، کہا:

''وہ رہا......وہاں! اس داڑھی والے آدمی کی بغل میں۔''

کمر سے پکڑ کر اس نے اپنی بیوی کو آدھا میٹر اوپر اٹھایا۔ ایلیسا نے برازیل کے اس فنکار کو ثقافتی وزیر کے ساتھ راز و نیاز کی باتیں کرتے دیکھا۔ دھینگا مشتی کرتے ہوئے، کچھ سینڈلوں کو کچلتے ہوئے

گنتیر جوڑا اس کھڑکی تک پہنچ ہی گیا جہاں گویا اسٹائل کی فرانکو عہد کی ایک بیضوی ٹیپسٹری لٹک رہی تھی۔ دون لیو یو اور وزیر کی آنکھیں اس دلکش عورت اور اس بھاری جسم والے جرمن کی طرف اطمینان سے مڑیں۔ مصور نے ہنستے ہوئے بڑی حیرانی سے کہا:

''ارے! آپ لوگ یہاں کیا کر رہے ہیں؟''

اس نے ایلیسا کا بوسہ لیا، گنتیر سے گرمجوشی سے ہاتھ ملایا اور ان کا تعارف وزیر سے کروایا جو اس کیفیت کو سمجھنے میں ناکام تھا۔ ہاتھ میں ٹرے لیے ایک ویٹر ان کے قریب آیا تو گنتیر نے اس موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے جھٹ سے ٹھنڈی شیری کا ایک گلاس ہاتھ میں لے لیا۔ ایلیسا نے کچھ جذباتی ہو کر کہا:

''ایسا لگتا ہے کہ ہماری ملاقات ہمیشہ ایک عجیب وغریب وقت میں ہوتی ہے۔ ہم بس یہاں سے گزر رہے تھے۔ آج رات کو ہی ہم آسن سیون کے لیے نکل جائیں گے۔''

دون لیو یو نے کہا:

''سچ؟ میرے خیال سے پچھلی مرتبہ پیرس میں تم لوگ اسی رات نہیں جا رہے تھے۔''

ایلیسا کچھ سنجیدہ ہوگئی اور کچھ نہیں بولی۔ کیا دون لیو یو کو بتا دیا گیا:، کہ کیا کیا ہوا ہے! سولیداد کی موت، جنرل گونسالیس کی خودکشی اور گنتیر کے استعفیٰ کی کہانی؟ جیسے وہ آمبراموکی جانب سے کسی اشارے کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ اس اشارے کے انتظار میں تھی جس میں وہ پانچو کے کام کی تعریف کرتا، اس کی بہادری، اس کی قربانی، اس کی غیر متوقع اصول پسندی، اس کے دوسرے جنم کی تعریف کرتا۔ ایلیسا نے اُس لاطینی امریکی شخص پر نظر ڈالی۔ قد میں چھوٹا اور لہجے میں نرم لیکن اخلاقیات کے سوال پر دوسروں اور خود اپنے لیے بہت سخت۔ جلاوطنی سے تھکے ہارے کندھوں پر ضمیر کی اسی شراکت کو ڈھو رہا تھا جو مٹھی بھر زمین کی شکل میں ہر ایک ملک اپنے عظیم فنکاروں کو بخشتا ہے۔ اس نے اپنے گلے میں ایک ناقابل برداشت اینٹھن محسوس کی۔ وہ کافی دیر تک اپنی بڑی بڑی اداس اور نم آنکھوں سے اسے ایک ٹک دیکھتی رہی، جیسے کسی چٹان میں ایک ورق! فکرمند وزیر تھوڑا کھانسا اور اپنی جیکٹ کی جیب میں پائپ کا تمبا کو تلاش کرنے لگا۔ آخر کار حسب دستور ناقابل برداشت اطمینان کے ساتھ کچی سیلری کترتے ہوئے گنتیر نے کہا:

''پچھلی بار میں نے رات میں کھانے کے لیے دعوت دی تھی اور آپ نے منع کر دیا تھا۔ کیسا رہے گا اگر اس وقت ہم 'گران ویا' میں پائیا کھانے چلیں؟''

ایلیسا نے کچھ ہکلاتے ہوئے کہا:

''لیکن...... پانچو، لیو یو اس وقت شاید وزیر کے ساتھ مصروف ہے...... ''

داڑھی والے آدمی نے کہا:

''جہاں آپ کہیں گے وہاں چلوں گا۔''

دون لیو یو نے اپنا قہقہہ دبا لیا جس میں طنز نہیں نرمی تھی۔

اس کھانے کے بعد وہ ایک دوسرے سے کبھی نہیں ملے۔

1987 میں کرسمس کے وقت فرانسیسکو خاویر کنتیر کی، جس نے بچپن میں ہی لوتھری مسلک ترک کر دیا تھا، پروسٹیٹ کینسر سے موت ہوگئی۔ موت اُس وقت ہوئی جب جنوبی برآعظم میں جشن کا سماں رہتا ہے اور ماحول اتنا مذہبی کہ ناریل کے پھول پر بھی آبِ پاک کا چھڑکاؤ کیا جاتا ہے۔ اس کے ملک میں زندگی دشوار تھی لیکن لوگ خوش تھے۔ ایلیسا نے اس کے مقبرے کے پاس فیروزی لوکاٹ کا ایک پودا لگایا اور وہیں رُک گئی...... اس انتظار میں کہ ایک دن اس پودے سے شاخیں پھوٹیں گی!

□□□